فہم قرآن کا عقلی رجحان(Rationalist Approach):

منتخب اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ

The Rationalist Approach to Understand the Quran: A Critical Review of Selected Urdu Tafaseer.

تحقیقی مقالہ برائے **پی ایچ ڈی، علوم اسلامیہ**

مقالہ نگار

دلدار احمد

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر:706-PhD-IS-F17

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اگست،2024ء

فہم قرآن کا عقلی رجحان (Rationalist Approach):

منتخب اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ

مقالہ نگار

دلدار احمد

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

رجسٹریشن نمبر:706-PhD-IS-F17

نگران مقالہ

ڈاکٹر امجد حیات

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نمل، اسلام آباد

یہ مقالہ پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

سیشن(2017-2024)

©دلدار احمد،2024ء

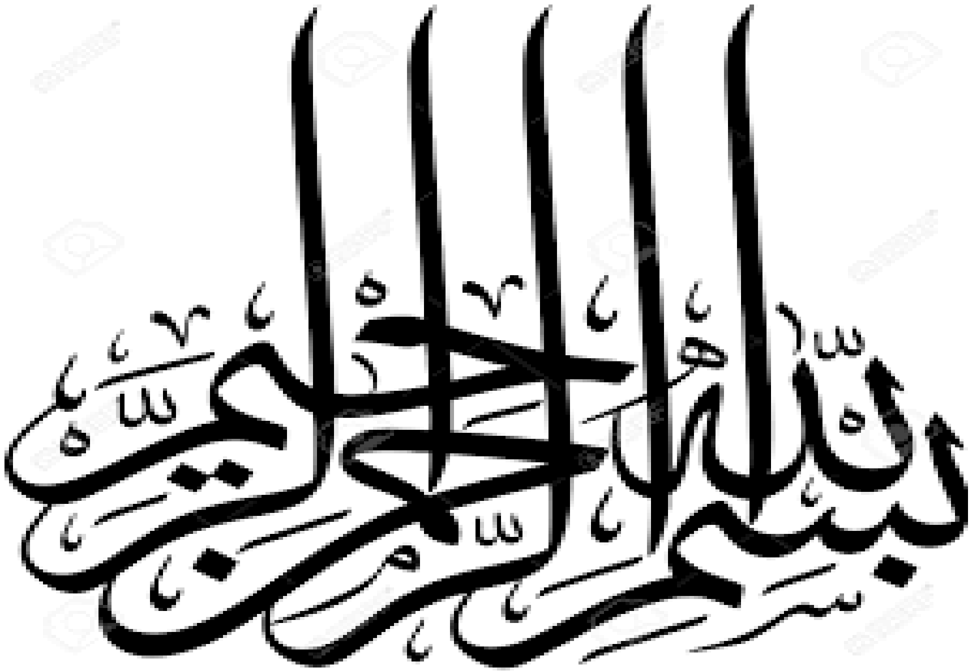
بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **فہم قرآن کا عقلی رجحان(Rationalist Approach): منتخب اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ**

The Rationalist Approach to Understand the Quran: A Critical Review of Selected Urdu Tafaseer.

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: دلدار احمد

رجسٹریشن نمبر: 706-PhD-IS-F17

ڈاکٹر امجد حیات ______________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر ریاض احمد سعید ______________

(صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت) دستخط صدر، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت

پروفیسر ڈاکٹر محمد ریاض شاد ______________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل(ر) شاہد محمود کیانی(ہلال امتیاز ملٹری)

____

(ریکٹر نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد) دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ______________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں دلدار احمد ولد حاجی میر و جان

رجسٹریشن نمبر: 706-PhD-IS-F17 رول نمبر: PD-IS-AF17-ID004

طالب علم، پی ایچ ڈی،، شعبہ اسلامی فکر و ثقافت، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد، حلفا اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **فہم قرآن کا عقلی رجحان (Rationalist Approach): منتخب اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ**

The Rationalist Approach to Understand the Quran: A Critical Review of Selected Urdu Tafaseer.

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا ہے، اور **ڈاکٹر امجد حیات** کی نگرانی میں تحریر کیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرایا گیا ہے، اور نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

مقالہ نگار: **دلدار احمد**

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(Abstract)

An important aspect in the commentary literature of the Qur'an consists of the pure rational trend, which has been discussed among the scholars of a particular school of thought. In this trend, some famous thinkers among the scholars of the subcontinent have played their role. Among the Qur'anic verses, especially in the verses related to beliefs, the exegesis is based on opinion. In this way, they present interpretations based on rational principles apart from the popular scholars. Because of this, ordinary religious Muslims become victims of chaos and the path of difference become smoothed for educated and rationalist. As a result, differences arise in the society and the paths for the propagation of religion are blocked. In order to reduce this social and intellectual differences and promote peace and intellectual unity and peace, a research discussion is brought into being, which is titled: Understanding the Qur'an. The intellectual tendency of Ayat Al-Aqeed will be a critical review in the light of selected Urdu interpretations. This paper will consist of the introduction, three chapters and the conclusion. Muhammad Ali Lahori, Allama Tamna Amadi, Ghulam Ahmed Parvizi and Javed Ahmed Ghamdi) will be introduced. Among the three chapters, the first chapter deals with the rational tendency of understanding the Qur'an, the second chapter with the rational tendency in understanding the verses of beliefs, and the third chapter with the principles of interpretation. In the light of the selected Urdu interpretations will be critically evaluated. Finally, the results of the paper will be discussed.

KEY WORDS: Understanding Quran, Rationalist Approach, Beliefs Verses, Selected Tafseer, Critical Analysis.

ملخص

قرآن کی تفسیر کے ادب میں ایک اہم پہلو خالص عقلی رجحان ہے، جس پر ایک خاص فکر کے اسکالرز میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس رجحان میں برصغیر کے بعض مشہور مفکرین نے اپنے کردار ادا کیے ہیں۔ قرآن کی آیات میں، خصوصاً وہ آیات جو عقائد سے متعلق ہیں، تفسیر رائے پر مبنی ہوتی ہے۔ اس طرح، وہ عقلی اصولوں پر مبنی تفسیریں پیش کرتے ہیں جو عام علماء سے مختلف ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے عام مذہبی مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوتی ہے اور تعلیمی اور عقلیت پسندوں کے لیے اختلاف کے راستے ہموار ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً، معاشرتی اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور دین کی تبلیغ کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ ان سماجی اور فکری اختلافات کو کم کرنے اور امن واتحاد کو فروغ دینے کے لیے ایک تحقیقی

بحث ترتیب دی گئی ہے، یہ مقالہ پانچ ابواب اور نتیجے پر مشتمل ہے۔ پہلا باب تعارفی مباحث پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا باب محمد علی لاہوری، علامہ تمنا عمادی، غلام احمد پرویزی اور جاوید احمد غامدی کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا باب قرآن کو سمجھنے کے عقلی رجحان سے متعلق ہے، چوتھا باب عقائد کی آیات کو سمجھنے میں عقلی رجحان سے متعلق ہے، اور پانچواں باب تفسیر کے اصولوں کا انتخاب شدہ اردو تفسیروں کی روشنی میں تنقیدی جائزہ ہو گا۔ آخر میں مقالے کے نتائج پر گفتگو کی گئی ہے۔

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	II
۲	حلف نامہ	III
۳	Abstract	IV
۴	فہرست عنوانات	VI
۵	اظہار تشکر	IX
۶	انتساب	X
۷	**باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق تعارفی مباحث**	۱
۸	فصل اول: موضوع کا تعارف اور دراسات تحقیق	۲
۹	فصل دوم: جواز تحقیق اور منہج تحقیق	۷
۱۰	**باب دوم: فہم قرآن کا عقلی رجحان**	۱۹
۱۱	فصل اول: عقلی رجحان کی منتخب تفاسیر کا تعارف	۲۰
۱۲	فصل دوم: عقل انسان اور فہم قرآن	۵۴
۱۳	فصل سوم: عقل کے فہم قرآن میں کردار متعلقہ جمہور مفسرین کے اصول و قواعد	۶۴

۲۱	**باب سوم: آیات عقائد کے فہم میں عقلی رجحان کا جائزہ**	۸۰
۲۲	فصل اول: آیات توحید میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء	۸۲
۲۳	فصل دوم: وحی اور ختم نبوت کے مفاہیم میں عقلیت پسند مفسرین کی آراء	۹۴
۲۴	فصل سوم: معجزات سے متعلق آیات کی عقلی تعبیرات کا جائزہ	۱۵۰
۲۵	فصل چہارم: آیات آخرت سے متعلق عقلیت پسند مفسرین کی آراء	۱۸۴
۲۶	**باب چہارم: اصول تفسیر کی روشنی میں منتخب تفاسیر کا تنقیدی جائزہ**	۱۹۹
۲۷	فصل اول: منتخب تفاسیر کا روایتی تفسیر کے اصولوں کی روشنی میں تجزیہ	۲۰۰
۲۸	فصل دوم: عقلی رجحان کے حامل تفسیری موقف واصول کا تنقیدی جائزہ	۲۲۰
۲۹	فصل سوم: عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحان کے اثرات کا تجزیہ	۲۳۱
۳۰	خلاصہ	۲۴۵
۳۰	نتائج بحث	۲۴۸
۳۱	تجاویز وسفارشات	۲۵۱
۳۲	**فہارس**	۲۵۲
۳۳	آیات قرآنیہ	۲۵۳
۳۴	احادیث مبارکہ	۲۵۹
۳۵	اعلام	۲۶۱

۳۶	اماکن	۲۶۳
۳۷	مصادرومراجع	۲۶۴

اظہار تشکر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے سزاوار ہیں جس کی راہنمائی اور ہدایت نے مجھے اس مقام تک پہنچایا اور ہزاروں درود و سلام حضرت محمد ﷺ پر جن کی محبت مسلمانوں کا فخر ہے۔ اور تمام تعریفیں رب العالمین کے لیے جس نے اس تحقیقی مقالہ کی تسوید اور اس کام کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور جس کی بے پناہ رحمت و فضل ہر دم شامل حال رہی کہ آج یہ مسودہ اس شکل میں سامنے آسکا۔

اپنے استاد محترم نگرانِ مقالہ ڈاکٹر امجد حیات صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہر وقت ہمت دلا کر ایک علمی موضوع کی طرف رہنمائی فرمائی اور میں صدر شعبہ اسلامی فکر و ثقافت ڈاکٹر ریاض احمد سعید اور ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان صاحبان کا بے حد ممنون ہوں جن کی رہنمائی اور اخلاص پر مبنی تعاون کی بدولت اپنے اس تحقیقی مقالہ کو سرانجام دے پایا، نیز جامعہ ہذا کے جملہ اساتذہ کرام کا بھی شکر گزار ہوں جن کی معاونت، سکھائے ہوئے طریقہ تحقیق اور دی ہوئی تعلیم و تربیت سے اس قابل ہوا کہ الفاظ کو صفحات پر منتقل کر سکا۔

آخر میں نمل یونیورسٹی اسلام آباد کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ تحقیق کے دوران ہر قسم کا تعاون فراہم کیا اور میری چھوٹی سی کاوش کو مضبوط اور منظم انداز میں جامعہ نے پیش کیا۔

اللہ عزوجل سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعہ کو دن دگنی رات چگنی ترقی اور جملہ اساتذہ کرام کی زندگیوں میں برکت عطا فرمائے، آمین۔

دلدار احمد

پی ایچ ڈی سکالر

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز

انتساب(DEDICTION)

میں اپنی اس کاوش کو اپنے والدین، بھائیوں و اساتذہ کرام کے نام کرتا ہوں جن کی دعاؤں اور تربیت سے میں اس قابل ہوا

باب اول: موضوع تحقیق سے متعلق تعارفی مباحث

فصل اول: موضوع کا تعارف اور دراسات تحقیق

فصل دوم: جواز تحقیق اور منہج تحقیق

فصل اول: موضوع کا تعارف اور دراسات تحقیق

۱-موضوع تحقیق کا تعارف: (Introduction to the Topic)

قرآن کریم پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے ہدایت ہے جس کے مخاطب نوع انسان ہیں اور اس کا خطاب سب کے لئے برابر ہے مگر اس سے مستفید ہونے کی صلاحیت سب کی یکساں نہیں ہوتی اللہ تعالی کا قول ہے :

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴾[1]

"ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے ہر طرح سے تمام مثالیں بیان کر دی ہیں، مگر اکثر لوگ انکار سے باز نہیں آتے۔ "

تفسیر کے ضمن میں آیات قرآنی دو قسم کی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾"[2]

"وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں۔"

پہلی قسم کی آیات تو صاف صاف واضح اور آسان ہیں کہ ہر عربی جاننے والا جب انہیں پڑھے گا تو ان کا مطلب فورا سمجھ جائے گا اسی لئے ایسی آیات کی تفسیر میں تو کسی کو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں ہوتی ایسی آیات کے لیے عربی زبان پر ماہرانہ نظر اور عقل سلیم کے علاوہ ان کا مطلب سمجھنے کے لئے کسی اور مصدر کی ضرورت نہیں ہوتی ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے اولین مخاطب بھی عرب تھے چنانچہ قرآن کریم میں اس کا اظہار یوں ہوا ہے ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾[3]

"ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔"

---

[1]۔ سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۸۹

[2]۔ سورۃ آل عمران:۳/۷

[3]سورۃ یوسف:۱۲/۲

بہت سی ایسی آیات ہیں جو قرآن کریم کے معانی کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں اور اسی کے ساتھ دوسری قسم متشابہ آیات مبارکہ کی ہیں ان کو پوری طرح سمجھنے کے لیے محض زبان دانی کافی نہیں ہے بلکہ ان کے لیے مذکورہ مصادر کے علاوہ محدثانہ، فقہیانہ، مجتہدانہ فراست کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

فہم قرآن کے اسرار و حکم اور حقائق و معارف کے بارے میں کسی بھی دور میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اب قرآن کی تفسیر کی انتہا ہو گئی ہے بلکہ ان پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے اللہ تعالی نے جس کو بھی علم و عقل کی دولت سے نوازا ہو وہ فہم فراست کے ذریعے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور ہر دور میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت خود قرآن کریم نے دی ہے چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴾[4]

"کیا یہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں۔"

تفسیر کی دو بڑی قسموں میں سے زیادہ اختلاف تفسیر بالرائے کی قسم میں رہا ہے، تفسیر بالماثور کا ثقافتی اور علمی دنیا میں اس کا چلن تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزور روایات تفسیر میں شامل ہو گئیں جن کا بڑا ماخذ اسرائیلیات ہیں تابعین و تبع تابعین کے دور میں اسرائیلی روایات میں احتیاط برتی جاتی تھی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا"

((مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))[5]

ایک مقام پر ارشاد ہے:

((مَنْ قَالَ: فِي كِتَابِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ، فَقَدْ أَخْطَأَ))[6]

لیکن بعد کے دور میں اس ذمہ داری کی وہ سطح باقی نہ رہی بہر صورت تفسیر بالماثور کا سارا مواد مرتب ہو گیا کتابیں دستیاب ہو گئیں تو اب لوگوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تفسیر بالرائے سے بھی کام لینا شروع کیا تفسیر بالرائے کے بارے میں تین نقطہ نظر پیدا ہوئے۔

---

[4] ۔ سورہ محمد: 47/ ۲۴

[5] ۔ ترمذي، محمد بن عیسی، **الجامع**، کتاب تفسیر القرآن، باب ماجاء في الذي یفسر القرآن برأیہ، حدیث نمبر: 2950، (بیروت، داراحیاء تراث، ۱۴۲۵ھ)، ۳/ ۴۳۲

6۔ أبو داود، سلیمان بن اشعث، **السنن**، کتاب العلم، باب الکلام في کتاب اللہ بغیر علم، حدیث نمبر: 3652، (بیروت، دارالرسالۃ، 2009ء)، ۲/ ۴۳۵

پہلا نقطہ نظر یہ تھا کہ تفسیر بالرائے ایک غلط رجحان ہے اور اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی اس لیے ان کی رائے کے مطابق اس کی سرے سے اجازت نہیں ہونی چاہیے اور اس نہج کی تفسیر سے اجتناب کرنا چاہیے۔

دوسرا نقطہ نظر یہ تھا کہ تفسیر بالرائے کی عمومی مخالفت نہ کی جائے بلکہ دیکھا جائے کہ جو رائے دی جارہی ہے وہ مسلمہ اصول تفسیر اور اصول دین کے مطابق ہے تو تفسیر بالرائے محمود ہے ورنہ تفسیر بالرائے مذموم ہے۔

تیسرا نکتہ نظر جو تدبر قران کے تناظر میں دیا گیا وہ یہ تھا کہ ہر انسان کی رائے قابل قدر ہے قرآن نے خود لیتذکر ،لیتدبر، یتدبرون، کہہ کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور اس فکر کی تلقین جابجا کی ہے اس لیے کسی بھی رائے میں تفسیر کا راستہ نہیں روکنا چاہیے امت مسلمہ نے ان دونوں آراء کو قبول نہیں کیا بلکہ ایک درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے اچھی رائے اور بری رائے میں فرق کیا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تفسیر بالرائے کا رجحان بڑھتا گیا اور ہر آنے والا مفسر قرآن پچھلے مفسرین کی نسبت تفسیر بالرائے سے زیادہ کام لینے لگا کیونکہ علم تفسیر میں مزید پھیلاؤ جو ہو سکتا ہے وہ تفسیر بالاجتھاد میں مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر بھی آ گئیں ،کلامی وانحرافی اور صوفیانہ تفاسیر کا رجحان بھی پیدا ہوا جس میں انہوں نے اپنے مزاج کے مطابق قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کی۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مختلف مکاتب فکر کی کچھ ایسی تفاسیر وجود میں آگئی کہ ان تفاسیر میں عقل کا عمل دخل کچھ زیادہ تھا ان میں حدیث کی حجیت ختم ہو کر رہ گئی پھر پاک وہند میں ایسے حضرات کی تعداد بڑھ گئی جو مطالب قرآنی کے صحیفہ کے صحیح فہم کے لئے احادیث کے علم کو شرط قرار نہیں دیتے ان کی رائے میں احادیث ناقابل قبول ہیں بلکہ یہ تاریخ کا حصہ ہیں لہذا تشریع احکام یا تفسیر قرآن میں ان سے مدد نہیں لی جاسکتی، پھر ان کے مقابلے میں کلامی تفاسیر وجود میں آئیں فروعی اختلافات کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی تفاسیر بھی ہیں جو مفسر کے مزاج اور فکری رجحان کی عکاسی کرتی ہیں اور بعض نے اپنی سوچ فکر کو قرآن پاک کے تابع کرنے کے بجائے قرآن پاک کی آیات کو اپنی فکر و سوچ اور عقل کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

لیکن اس سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ اس طرح عقل و فہم سے وہی حقائق واسرار معتبر ہیں جو تفسیر قرآن کریم کے تناظر میں شرعی اصول اور ماخذ سے متصادم نہ ہوں تاریخ اسلام کے ہر دور میں ایسے افراد کی ایک جماعت موجود رہی ہے جو فہم قرآن میں زمانے کے فلسفیانہ مسائل اور عقائد و نظریات کو بیان کرتے رہے ہیں۔

۲۔ضرورت واہمیت(Significience of the Study)

برصغیر میں عقلی رجحان رکھنے والی تفاسیر پر تنقیدی مطالعہ ایک گہری تحقیق کی متقاضی ہے، خاص طور پر جب یہ تفاسیر تفسیر بالرائے کے تصور سے متعلق ہوں۔ اس موضوع کی ضرورت اور اہمیت درج ذیل نکات میں بیان کی جاسکتی ہے:

- برصغیر پاک وہند کی دینی تاریخ میں مختلف مکاتبِ فکر کی موجودگی نے تفسیری رجحانات کو مختلف سمتوں میں متعین کیا ہے۔ یہاں عقلی استدلال کی بنیاد پر تفسیری روایت نے اپنے مخصوص پہلو پیدا کیے، جو کہ روایتی اور نقلی تفسیری اصولوں سے مختلف ہیں۔ ان تفاسیر کا تنقیدی جائزہ برصغیر میں دینی فکر کی ترقی اور تغیرات کو سمجھنے کے لیے اہم ہے۔
- تفسیر بالرائے، خاص طور پر جب اسے مذموم قرار دیا جاتا ہے، ہمیشہ علمی حلقوں میں ایک اہم اور متنازعہ موضوع رہا ہے۔ ان تفاسیر کا جائزہ لینا جو عقل کو بنیادی معیار مانتی ہیں اور روایتی تفسیری اصولوں کو چیلنج کرتی ہیں، نہایت ضروری ہے تاکہ یہ جانچا جاسکے کہ ان مفسرین کے خیالات قرآن وسنت کی روشنی میں کہاں تک درست یا نامناسب ہیں۔
- عقلی رجحان رکھنے والے مفسرین نے قرآن کی تفہیم کو نئی جہتیں دی ہیں، لیکن ان کی تفاسیر پر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ آیا ان کا طریقہ کار دینی اصولوں کے مطابق ہے یا تفسیر بالرائے کی مذموم صورت بن جاتا ہے۔ اس تحقیق کی اہمیت اس بات میں ہے کہ اس سے یہ واضح کیا جاسکے کہ عقلی تفسیر کس حد تک اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور کہاں یہ روایتی تفسیری اصولوں سے تجاوز کرتی ہے۔
- اس مقالے میں مفسرین کے نظریات کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اس تنقیدی مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کس طرح مفسرین نے عقلی دلائل کو اپنی تفاسیر میں شامل کیا اور آیا یہ دلائل قرآن وسنت کی اصل روح سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔ یہ تجزیہ دینی تحقیق میں ایک اہم مقام رکھتا ہے کیونکہ یہ علمائے دین اور طلبہ کو تحقیق کے ایک نئے زاویے سے روشناس کراتا ہے۔
- آج کے دور میں جہاں مسلمان مختلف جدید فکری اور فلسفیانہ چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں، ایسے میں ان تفاسیر کا تنقیدی جائزہ اہم ہے جو عقل کو وحی پر فوقیت دیتی ہیں یا کم از کم اس کا بنیادی عنصر قرار دیتی ہیں۔ یہ جائزہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ آیا عقلی تفسیر کا رجحان مسلمانوں کے لیے دینی تعلیمات کو زیادہ قابل فہم بناتا ہے یا ان میں فکری انتشار پیدا کرتا ہے۔
- عقلی رجحان کے حامل مفسرین کی تفاسیر کی تحقیق سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ دین کی مختلف تفسیری تشریحات میں کیا تنوع پایا جاتا ہے۔ اس تحقیق کی ضرورت اس لیے بھی ہے کہ یہ جانا جاسکے کہ عقائد کی تفہیم میں اس تنوع نے کس حد تک مسلمانوں کی دینی سوچ کو متاثر کیا ہے اور اس کے مثبت اور منفی اثرات کیا ہیں۔
- برصغیر کی ان تفاسیر کا تنقیدی جائزہ جو تفسیر بالرائے کی مذمت کے باوجود عقلی استدلال کو شامل کرتی ہیں، دینی تحقیق اور علمی حلقوں کے لیے ایک اہم تحقیق ہے۔ یہ موضوع نہ صرف مفسرین کے تفسیری اصولوں کی جانچ

پڑتال میں مدد دیتا ہے بلکہ قرآن و سنت کی اصل تعلیمات کی روشنی میں ان اصولوں کی حیثیت کو واضح کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح، یہ تحقیق موجودہ دور کے قارئین اور محققین کو قرآن کی تفہیم کے مختلف زاویوں سے روشناس کراتی ہے اور انہیں ان کے اثرات پر غور و فکر کا موقع فراہم کرتی ہے۔

۳۔ بیان مسئلہ (Statement of the Problem)

اس مقالے کا بنیادی مسئلہ ان تفاسیر کا تنقیدی جائزہ لینا ہے جو عقلی رجحان کی حامل ہیں، اور یہ جانچنا ہے کہ یہ تفاسیر قرآن و سنت کی روشنی میں کس حد تک مستند ہیں۔ عقلی رجحان کے حامل مفسرین، جیسے مولوی محمد علی لاہوری، تمنا عمادی، چوہدری غلام احمد پرویز، اور جاوید احمد غامدی، نے اپنی تفسیری تشریحات میں عقل کو مرکزی حیثیت دی۔ ان مفسرین کے نظریات کی جانچ یہ دیکھنے کے لیے ضروری ہے کہ آیا ان کی تفاسیر میں عقلی دلائل قرآن کے حقیقی مفہوم کو بہتر طور پر سمجھنے میں معاون ثابت ہوئے ہیں یا ان سے دینی تعبیرات میں ایسی تبدیلیاں آئی ہیں جو روایتی تفسیری اصولوں سے متصادم ہیں۔ یہ مسئلہ اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کی مدد سے دین کی تفہیم میں عقل کی حیثیت اور اس کے اثرات کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ اس تحقیقی تجزیے کا مقصد یہ ہے کہ برصغیر کی اردو تفاسیر میں عقلی رجحان کی موجودگی اور اس کے اثرات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تاکہ دینی تشریحات کی علمی بنیادوں پر تفہیم کی جاسکے اور یہ معلوم ہو کہ عقلی رجحانات کس حد تک دینی فہم کو متاثر کرتے ہیں۔

دراسات تحقیق:

ا۔دراسات تحقیق(Literature Review)

اس موضوع سے متعلق مختلف اداروں اور مکاتب فکر نے مختلف جہات سے کام کیا ہے جن میں سے اہم اور نامور علماء نے جو کام کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

مقالہ جات:

1 **"برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج و اثرات تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ "** ڈاکٹر عبید الرحمن محسن ۔ یہ مطالعہ تفسیر کے علمی میدان میں ایک اہم اضافہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس میں برصغیر کے علما کے تاریخی اور فکری پس منظر کا تجزیہ کیا گیا ہے، جنہوں نے قرآن کی تشریح و توضیح میں منفرد مناہج اپنائے۔ڈاکٹر محمود اختر صاحب کی زیر نگرانی اس تحقیقی کام نے ان روایتی اور جدید مناہج کی تنقیدی جانچ فراہم کی، جس کی بدولت یہ تحقیق 2016 میں پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کا باعث بنی۔اس مطالعے نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ برصغیر کی تفسیر کی روایت نے کس طرح اسلامی علوم کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا اور ان اصولوں کے معاشرتی و علمی اثرات کس حد تک پھیلائے گئے۔جس میں مقالہ نگار نے صرف ایک فصل میں عقل پرست انحرافی مکتب فکر کے اصولِ تفسیر کو ذکر کیا ہے۔

2 **قرآن فہمی میں علامہ تمنا عمادی کا اسلوب و منہج کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ** پی ایچ ڈی مقالہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد۔ "اس مقالے میں محقق نے علامہ تمنا عمادی کی تفسیری خدمات اور ان کے عقلی اسلوب کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے۔اس تحقیق کا بنیادی مقصد علامہ عمادی کے منفرد عقلی اور تحقیقی انداز کا جائزہ لینا تھا، جس نے قرآن فہمی میں ایک خاص اور غیر روایتی نقطہ نظر متعارف کرایا۔اس مقالے میں ان کے تفسیری اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا اور ان کے منفرد رجحانات اور تفردات کی روشنی میں ان کی فکری کاوشوں کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا گیا۔ اس تحقیقی کام نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ علامہ عمادی کی فکر کیسے قرآن کے تفسیری ادب میں عقلی اور جدید رجحانات کو فروغ دیتی ہے،اور کس طرح ان کے منہج نے تفسیری علوم میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا۔

3 **مولانا محمد علی لاہوری کے تفسیری منہج کا عصر حاضر کے رجحانات کے تناظر میں تحقیقی جائزہ**، عبد الباسط ازہر اعوان، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان 2012۔اس مقالے کا مقصد مولانا محمد علی لاہوری کے تفسیری منہج کا عمیق تجزیہ کرتے ہوئے ان کے فکر و نظر کو موجودہ دور کے رجحانات کے

ساتھ مربوط کرنا تھا۔ مولانا لاہوری نے اپنے تفسیری اسلوب میں اصلاحی و عقلی منہج کو اپنایا، جس میں قرآن کی توضیح اور تاویل کو منطقی اور علمی بنیادوں پر سمجھانے کی کوشش کی گئی۔ اس تحقیق میں عصری تقاضوں اور جدید فکری چیلنجز کے پس منظر میں مولانا کی تشریحات کا جائزہ لیا گیا، جس سے ان کی تفسیر کی خصوصیات اور قرآن فہمی کے جدید رجحانات پر ان کے اثرات نمایاں ہوئے۔

4 **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ** حافظ محمد دین قاسمی نے یہ مقالہ ڈاکٹر خالد علوی پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب کی زیر نگرانی 2009 میں لکھا۔ اس مقالہ میں قاسمی صاحب نے غلام احمد پرویز کے عقلیت پسند فلسفہ کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مقالے میں حافظ محمد دین قاسمی نے غلام احمد پرویز کے عقلیت پسند فلسفہ اور اس کی تفسیر کی روشنی میں ان کے تفسیری منہج کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ پرویز کی تفسیری کاوشیں عقل پسندی اور جدیدیت پر مبنی ہیں، جن میں روایتی اسلامی نظریات کو نئے زاویوں سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تحقیق نے مطالب الفرقان کی تفسیری خصوصیات کو پرکھا اور پرویز کی فکری تشریحات کے علمی اثرات کا تنقیدی جائزہ لیا۔ قاسمی صاحب کی یہ کاوش اسلامی علوم میں تفسیری روایت اور جدید فلسفیانہ رجحانات کے درمیان تعلق کو سمجھنے کے لیے ایک اہم حوالہ فراہم کرتی ہے۔

5 **برصغیر پاک وہند میں قرآن فہمی اور تفسیری خدمات کا علمی اور تنقیدی جائزہ**۔ یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے مقالہ نگار قاضی حبیب اللہ شعبہ اسلامیات پشاور یونیورسٹی سے 2005ء میں پیش کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں محقق نے برصغیر میں قرآن فہمی اور تفسیری علوم کی تاریخی ترقی پر گہرائی سے روشنی ڈالی اور اس کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی تجزیہ پیش کیا۔ قاضی حبیب اللہ نے اس مطالعے میں برصغیر کے اہم مفسرین اور ان کی تفسیری کاوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی علمی خدمات کو اجاگر کیا۔ اس کے علاوہ، اس تحقیق میں عقلیت پسند تفاسیر کی جھلک بھی پیش کی گئی ہے، جو کہ تفسیری ادب میں ایک اہم رخ کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس مقالے نے نہ صرف تفسیری علوم کی وسعت اور گہرائی کا احاطہ کیا بلکہ برصغیر میں ان تفسیری رجحانات کی اہمیت اور اثرات پر بھی روشنی ڈالی۔ اس مقالہ میں محقق نے برصغیر پاک وہند میں ہونے والے تفسیری کارناموں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس مقالہ میں عقلیت پسند تفاسیر کا بھی مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

1 **"تفسیری ادب پر استعماری تسلط کے اثرات کا تحقیقی جائزہ "** مقالہ نگار حامد محمود راجہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ایم فل کا مقالہ 2014 میں نشر ہوا ہے۔ اس تحقیق کا مقصد استعماری دور کے اثرات کا تفسیری مکتب فکر پر جائزہ لینا تھا، خاص طور پر وہ تفاسیر جو عقلی رجحانات کی حامل ہیں۔ محقق نے اس مقالے

میں استعماری طاقتوں کی جانب سے اسلامی تفسیری ادب پر ڈالے گئے سیاسی، سماجی اور فکری اثرات کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس تحقیق نے یہ وضاحت کی کہ کس طرح استعماریت نے علمی حلقوں میں مخصوص عقلی رجحانات کو فروغ دیا یا ان پر پابندیاں عائد کیں اور تفسیری ادب کی ساخت و مواد پر اثر انداز ہوئی۔ اس تجزیے نے اس موضوع پر تحقیقی بحث کو وسعت دی اور اسلامی علوم پر استعماری اثرات کی تفہیم کے لیے نئے زاویے فراہم کیے۔

2 **برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت اور جدت پسندی کے رجحانات کا تحقیقی جائزہ**، سیف اللہ، مقالہ برائے ایم فل، پنجاب یونیورسٹی لاہور، 2005۔ اس تحقیق میں برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلی اور جدید رجحانات کی عکاسی کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ محقق نے ان مفسرین اور ان کی تفاسیر پر روشنی ڈالی جنہوں نے روایتی تفسیر سے ہٹ کر عقلی اور سائنسی نقطہ نظر اپنایا اور قرآن کی تشریح و توضیح میں جدیدیت کا عنصر شامل کیا۔ اس مقالے میں اس بات کا جائزہ لیا گیا کہ کس طرح ان رجحانات نے اسلامی علوم کی تفہیم کو متاثر کیا اور اس کا معاشرتی اور فکری پہلوؤں پر کیا اثر ہوا۔ سیف اللہ کی یہ تحقیق تفسیری ادب میں موجود مختلف فکری مکاتب کی شناخت اور ان کے جدت پسندانہ طرز کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے، جو برصغیر کی اسلامی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی نمائندگی کرتی ہے۔

ایم فل عربی مقالہ:

3 **اصول التفسير عند "القرآنيين" فى شبه القارة الهندية دراسة نقدية** مقالہ نگار حافظ وہیب الرحمان ہاشمی نگران تحقیق ڈاکٹر جنید ہاشمی، یہ ایم فل کا مقالہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے 2018ء میں مکمل ہوا۔ اس تحقیقی کام میں محقق نے برصغیر کے عقلیت پسند رجحانات میں خاص طور پر مکتبہ اہل القرآن (لاہوری گروپ) کے اصول تفسیر کا تنقیدی جائزہ لیا۔ اس مقالے میں لاہوری گروپ کی قرآنی تشریحات کے بنیادی اصولوں اور ان کے عقلی و فکری بنیادوں کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا۔ محقق نے ان اصولوں کی ساخت، ان کے علمی دلائل اور روایتی تفسیری منہج سے ان کے اختلافات کو اجاگر کیا، نیز یہ بھی بیان کیا کہ ان اصولوں نے کس طرح برصغیر کی اسلامی فکر اور تفسیری رجحانات پر اثر ڈالا۔ یہ مقالہ اس مکتب فکر کی عقلی تشریح کی پختگی اور اس کے چیلنجز کی وضاحت کے حوالے سے ایک اہم علمی کاوش ہے۔

کتب:

1. **"احمدی تراجم اور تفاسیر قرآن"**"مصنفین: ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، ڈاکٹر خورشید احمد قادری، سن اشاعت: 2022،ناشر: ورلڈ ویو پبلشرز لاہور، کتاب بنیادی طور پر تین ابواب پر مشتمل ہے، باب اول میں کتاب کے شروع میں دی گئی فہرست کے مطابق 11 مترجمین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ باب دوم میں لاہوری گروپ کے مترجمین اور مفسرین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان میں چھ مترجمین اور مفسرین کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ باب سوم پچیس صفحات پر مشتمل ایک مضمون ہے جو الحاج غلام سرور کے انگریزی ترجمہ کا تعارف ہے

2. **غامدی نظریات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،** ڈاکٹر محمد قاسم فکتو، ناشر: دار الاندلس،لاہور، 2018، یہ کتاب غامدی صاحب کے نظریات کے تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے اور عقلیت پسندیت کی تاریخ' وجوہات اور اس کے منفی اثرات' عقائد سے متعلق غامدی کے باطل نظریات' ارتداد' کفر' یہود و نصاریٰ اور ہنود سے متعلق غامدی یاوہ گوئی' داعیان نبوت خاص طور پر قادیانی کے دفاع میں غامدی کی ہفوات کا قرآن وحدیث کی روشنی مدلل رد کیا ہے۔ کتاب کا اسلوب نہایت عمدہ' سادہ اور عام فہم ہے۔

3. ڈاکٹر ثناء اللہ حسین کی کتاب **"برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پسندی: رجحانات و تفردات"** 2018 میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے برصغیر کے مشہور عقلیت پسند مفسرین کے تفسیری رجحانات اور ان کے منفرد طریقہ کار کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ کس طرح عقلیت پسندی نے برصغیر کے تفسیری ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا اور مفسرین نے اپنی تشریحات میں عقلی اور فکری بنیادوں کو اپنایا۔ کتاب میں ان مفسرین کے منفرد اور مخصوص پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے جنہوں نے روایتی تفسیری اصولوں سے ہٹ کر قرآن کی تشریح کی، جس نے تفسیری ادب میں جدت پسندی کو فروغ دیا۔ یہ کتاب اس علمی بحث کو مزید گہرا کرتی ہے کہ عقلی رجحانات نے اسلامی فکر کو کس طرح نئے اور متنوع زاویوں سے متاثر کیا۔

4. **قادیانی تفاسیر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ،** محمد عمران، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان2016۔ زیر تبصرہ کتاب "قادیانی تفاسیر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" ڈاکٹر محمد عمران کی ہے۔ جس میں مرزا قادیانی نے جو قرآنی آیات کی تحریف اور غلط تفاسیر کیں ہیں ان کو عیاں کیا ہے۔ مزید اس کتاب میں تعارف قادیانیت، مرزا غلام احمد قادیانی، حکیم نور الدین بھیروی، مولوی میر محمد سعید، مولوی غلام حسن نیازی، ڈاکٹر بشارت احمد، محمد علی لاہوری اور قادیانی کی دیگر تفاسیر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔

5. **تفسیر ثنائی**، جو کہ شیخ ثناء اللہ امر تسری کی تصنیف ہے، بالماثور طرز کی ایک اہم تفسیر شمار ہوتی ہے۔ شیخ ثناء اللہ امر تسری، جن کا انتقال 1367ھ میں ہوا، نے اس تفسیر میں قرآن کی وضاحت کے ساتھ ساتھ عقلیت پسند رجحانات کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ اس تفسیر کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں مخالفین اسلام کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے، جس سے قارئین کو اسلامی تعلیمات کی دفاعی اور استدلالی پہلوؤں کی جامع سمجھ ملتی ہے۔ مزید بر آں، تفسیر ثنائی میں نبوت، سمعیات، اور فقہی احکام سے متعلق گہرائی سے بحث کی گئی ہے، جو اس کی علمی اہمیت کو مزید بڑھاتی ہے۔ اس میں عقلی اور نقلی استدلال کا متوازن استعمال اس تفسیر کی امتیازی خصوصیت ہے، جو اسے برصغیر کے تفسیری ادب میں ایک نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔ اور ان کی وفات 1367ھ ہے یہ تفسیر بالماثور ہے۔ اس تفسیر میں وقتاً فوقتاً مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے اور اسی طرح اس تفسیر میں عقلیت پسند رجحانات کو زیر بحث لایا گیا ہے اس میں بھی نبوات سمعیات اور احکام فقہیہ سے متعلق بحث کی گئی ہے۔

6. **تفسیر فتح المنان** مولانا عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ کی ہے ان کی تاریخ وفات 1335ھ ہے۔ اس تفسیر میں مولانا نے عقلیت پسند رجحانات خاص کر سر سید احمد خان کے آراء و افکار پر واضح نقد کیا ہے جس میں سے چند اہم مباحث مثلاً نبوات، سمعیات، ملائکہ، معجزات، جنت اور دوزخ سے متعلق پر مغز بحث کی گئی ہے۔ یہ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔

7. پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمود اختر کی کتاب "**اردو تفسیری ادب کا تجزیاتی مطالعہ**" (2019) اردو تفسیری ادب پر ایک جامع اور تنقیدی تحقیق ہے جس میں مصنف نے اردو میں دستیاب تمام اہم تفاسیر کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ کتاب میں اردو تفسیری ادب کے تاریخی پس منظر، ارتقاء، اور مختلف مکاتب فکر کی تفاسیر کے علمی و ادبی خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے۔ اس تجزیاتی مطالعے کے ذریعے مصنف نے اردو تفاسیر میں تحقیقی معیار، زبان و بیان کی باریکیاں، اور مفسرین کے مختلف نظریات کا موازنہ پیش کیا ہے۔ یہ کتاب محققین اور طلبہ کو اردو تفسیری ادب کو ایک تحقیقی زاویے سے سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اسلامی علوم میں تنقیدی مطالعے کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

آرٹیکلز:

1 مقالہ "**برصغیر میں اصول تفسیر: ارتقاء، تنوع اور اس کے اسباب**" (مجلہ JIRS: ہری پور یونیورسٹی، شمارہ 4، جلد 1، جون 2019) میں محقق نے برصغیر میں اصول تفسیر کے ارتقاء اور اس کے متنوع پہلوؤں پر جامع

تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس مطالعے میں تفسیر کے اصولوں کی تاریخی نشو و نما، مختلف مکاتب فکر میں ان کے استعمال اور برصغیر کی مخصوص مذہبی و معاشرتی ضروریات کے زیر اثر ان میں آنے والی تبدیلیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مقالہ برصغیر میں اصول تفسیر کی تشکیل و تدوین کے محرکات اور ان عوامل پر بھی سیر حاصل گفتگو کرتا ہے جنہوں نے تفسیر کی تعبیرات کو مخصوص علمی و فکری سانچوں میں ڈھالا۔ یہ تحقیق برصغیر میں اسلامی علوم کی تشریحی روایت کو سمجھنے میں ایک نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔

2 مقالہ **"پاکستان کا اردو تفسیری ادب"** (ڈاکٹر عاصم نعیم، 2019) میں محقق نے پاکستان میں اردو زبان میں لکھی جانے والی تفاسیر کے ادبی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس تحقیق میں پاکستان میں لکھی گئی اردو تفاسیر کی منفرد خصوصیات اور ادبی رنگ کو اجاگر کرتے ہوئے، مصنف نے ان تفاسیر میں موجود تنوع اور انفرادیت پر بحث کی ہے۔ مقالہ اردو تفسیری ادب میں پاکستانی مفسرین کی کاوشوں کا ادبی نقطۂ نظر سے مطالعہ پیش کرتا ہے، جو کہ اردو تفسیر نگاری میں ادبیت کے عناصر کو سمجھنے اور ان کی تفہیم میں معاون ہے۔ یہ مقالہ اردو تفسیری ادب کے ادبی و فکری ارتقاء کی عکاسی کرتا ہے اور محققین کے لیے ایک اہم حوالہ ہے۔

3 مقالہ "**لاہوری احمدیوں میں ترجمہ و تفسیر قرآن کی روایت (محمد علی لاہوری کی بیان القرآن کا خصوصی مطالعہ)**" (ششماہی تحقیقی مجلہ "القمر"، جلد 1، شمارہ 2، جولائی تا دسمبر 2018) میں محقق نے مولانا محمد علی لاہوری کے تفسیری کام، خاص طور پر *بیان القرآن*، پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس مطالعے میں مولانا محمد علی لاہوری کی حیات، علمی آثار، اور تفسیری اصولوں کو زیر بحث لاتے ہوئے ان کی عقلی رجحان اور تفسیری تفردات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ محقق نے مولانا کے طریقہ کار اور ان کے استدلالی انداز کا جائزہ لیا ہے، جس سے ان کی تفسیری روایت کا عقلی اور اصلاحی پہلو سامنے آتا ہے۔ یہ مقالہ اردو تفسیری ادب میں لاہوری احمدیوں کے کردار اور فکری تشریحات کے ارتقاء کو سمجھنے میں ایک اہم حوالہ فراہم کرتا ہے۔

4 مقالہ **"برصغیر میں قرآن فہمی کے رجحانات واثرات"** (ڈاکٹر عبید الرحمن محسن / حافظ حماد، مجلہ القلم، جون 2017) میں محققین نے برصغیر کے تفسیری مکاتب فکر کا جامع علمی تعارف پیش کیا ہے۔ اس مطالعے میں برصغیر کے مختلف تفسیری رجحانات اور ان سے وابستہ نئے مکاتب فکر پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس خطے میں قرآن فہمی کے مخصوص علمی اور تہذیبی اثرات کی وضاحت کرتے ہیں۔ مصنفین نے ان رجحانات کے پس منظر میں معاشرتی اور فکری تبدیلیوں کے محرکات کا تجزیہ کیا ہے اور برصغیر کی اسلامی فکری روایت میں ان

مکاتب فکر کے کردار کو اجاگر کیا ہے۔ یہ مقالہ برصغیر کی تفسیری روایت کی متنوع جہات کو سمجھنے کے لیے ایک اہم تحقیقی حوالہ ہے۔

5 مقالہ "برصغیر کے تفسیری رجحانات میں تفسیر بالرائے" (ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، مجلہ فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامیات، اسلام آباد، شمارہ 2، جلد 37، 22 جولائی 2016) میں محقق نے برصغیر میں تفسیر بالرائے (یعنی ذاتی اجتہاد پر مبنی تفسیر) کے رجحان کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس مقالے میں تفسیر بالرائے کے تاریخی پس منظر، برصغیر میں اس کے ارتقاء اور اس کے مثبت و منفی اثرات پر بحث کی گئی ہے۔ مصنف نے مختلف تفسیری مکاتب فکر میں تفسیر بالرائے کی قبولیت اور مخالفت کے اسباب اور اس سے پیدا ہونے والے علمی و فکری اختلافات کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ یہ مطالعہ برصغیر میں تفسیر کے تنوع اور اس میں فکری اجتہاد کے کردار کو سمجھنے کے لیے ایک اہم علمی حوالہ فراہم کرتا ہے۔

فصل دوم: جواز تحقیق اور منہج تحقیق

ا۔ جوازِ تحقیق (Rationale of The Study)

قرآن کی تفہیم کے سلسلے میں یہ بات مشاہدے میں رہی ہے کہ کچھ مفسرین اپنے ذہن میں پہلے سے کچھ نظریات و عقائد متعین کر لیتے ہیں اور پھر قرآن کریم کو ان نظریات و عقائد کے تابع بناتے ہیں۔ اس وقت برصغیر میں فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے حوالے سے راسخ الاعتقادی اور جدت پسندی پر مبنی فکر کے الگ الگ مکاتب قائم ہیں اور ان کی ضخیم جلدوں میں تفاسیر بھی موجود ہیں۔

برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پسند مفسرین نے آزاد خیالی کے تحت آیات عقائد کی تفہیم میں جن نظریات و افکار کو اختیار کیا ہے ان کا جمہور مفسرین کے اصول تفسیر اور اثری رجحان کے تحت جائزہ لینا اور تفہیم قرآن پر ان کے اثرات کو اجاگر کرنے کے لیے زیر بحث موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۲۔مقاصدِ تحقیق(Research Objectives)

1. اردو تفاسیر میں عقلیت پسند رجحانات اور ان کے محرکات کا جائزہ لینا۔
2. آیات عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحانات پر مبنی تعبیرات کا تجزیہ کرنا۔
3. منتخب اردو تفاسیر میں عقلی رجحانات کے تفسیری اصول و قواعد اور مناہج کی کھوج لگانا۔

۲۔سوالاتِ تحقیق(Research Questions)

1. اردو تفاسیر میں عقلیت پسند رجحانات اور ان کے محرکات کیا ہیں؟
2. آیات عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحانات پر مبنی تعبیرات کس نوعیت کی ہیں؟
3. منتخب اردو تفاسیر میں عقلی رجحانات کے تفسیری اصول و قواعد اور مناہج کیا ہیں؟

۳۔تحدید اور دائرۂ کار موضوع(Delimitations of The Study)

موجودہ مقالے میں سب سے پہلے "فہم قرآن" کو خاص کیا گیا ہے اور اس کے بعد عقلی رجحان کی منتخب اردو تفاسیر درج ذیل ہیں:

1-بیان القرآن از محمد علی لاہوری م1951ء

2-جمع القرآن اور اعجاز القرآن از تمنا عمادی م1972ء

3-مطالب الفرقان از غلام احمد پرویز م1985ء

4-تفسیر البیان از جاوید احمد غامدی

مندرجہ بالا تفاسیر میں "آیات عقائد" کو خاص کیا گیا ہے اور اس موضوع " فہم قرآن کا عقلی رجحان Rationalist Approach آیات عقائد سے متعلق منتخب اردو تفاسیر کا تنقیدی جائزہ" لیا گیا ہے۔

۴۔ منہج تحقیق(Research Methodology)

اس تحقیقی مقالہ کے لیے طریقہ تحقیق مندرجہ ذیل ہے:

1 تحقیق ہذا کے معیاری پیراڈائم(Qualitative paradigm) کو اپناتے ہوئے تنقیدی مطالعہ(Critical study)کو اختیار کیا گیا ہے۔

2 تحقیق کے لئے **بنیادی مصادر** (قرآن مجید، صحاح ستہ، المسند لاحمد بن حنبل، الصحیح لابن حبان، المستدرک للحاکم) سے استفادہ کیا گیا ہے اور **تفسیر کے بنیادی مصادر** (تفسیر المحرر الوجیز، تفسیر قرطبی، تفسیر قرآن العظیم، روح المعانی، الجامع البیان طبری) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

3 اس مقالہ کی تحقیق کے لئے چار **منتخب تفاسیر**(1-بیان القرآن 2-جمع القرآن اور اعجاز القرآن 3-مطالب الفرقان 4-تفسیر البیان)لی گئی ہیں

4 تفہیم قرآن میں عقلی رجحان کے تفسیری اصولوں کے جائزہ کے لئے **علوم القرآن اور اصول تفسیر** سے متعلق ان کتب (مقدمہ فی اصول التفسیر للساعد، اصول التفسیر لابن تیمیہ، مناہج المفسرین للمحمود، الفوز الکبیر از شاہ ولی اللہ دہلوی، التفسیر والمفسرون للذہبی، التبیان فی علوم القرآن لصابونی، مناہل العرفان لزرقانی) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

5 مقالہ میں عقلی مباحث کی تعبیرات **اور آراء** سے متعلق ان کتب (الملل والنحل محمد رے شہرستانی، عقلیات لابن تیمیہ، درء التعارض العقل والنقل لابن تیمیہ، عقل وجہل قرآن وحدیث کی روشنی میں از محمد رے، احیاء علوم غزالی) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

6 مقالہ میں الفاظ کی لغوی تحقیق کے لئے ان **کتب لغت** (لسان العرب لابن منظور، مفردات القرآن للامام راغب اصفہانی، تاج العروس من جواہر القاموس، المنجد فی اللغہ للمعلوف) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

7 **تحقیق کے لئے ثانوی مآخذ فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر** بلخی، افتخار احمد، **ضرب حدیث** مولانا محمد صادق، **آئینہ پرویزیت** کیلانی، عبد الرحمن، **قادیانی تفاسیر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ** ڈاکٹر محمد عمران،

8 مواد کے حصول کے لیے ڈیجیٹل لائبریریز سے استفادہ کیا گیا ہے جدید ذرائع تحقیق (انٹرنیٹ) سے بھی استفادہ کیا گیا ہے چند اہم ویب سائٹ درجہ ذیل ہیں جن سے ریسرچ کے دوران استفادہ کیا گیا۔

9 جدید تحقیق کے ذرائع: علمی ویب سائٹس

1. مکتبہ شاملہ

/https://shamilaurdu.com

2. مکتبہ کتاب وسنت ڈاٹ کام اردو https://kitabosunnat.com/home

3. مکتبہ الوکہ

/https://islamhouse.com/ur/source

4. ،مکتبہ الوقفیہ

/ https://4bivi.wordpress.com

5. مکتبہ جبریل اردو

https://elmedeen-maktabajibreel.android

6. مکتبہ یاسین اردو

https://darulqurra.edu.pk

ڈیجیٹل لائبریریز:

1- IRI DIGITAL LIBRARY

2-IIUI DIGITAL LIBRARY

3-AIOU DIGITAL LIBRARY

4- HEC DIGITAL LIBRARY

10 رسم الخط رموزاوقاف اور اختصارات اور اصول تحقیق کے مطابق کام کیا گیا۔

11 حوالہ جات کے لیے NUML کے منظور شدہ فارمیٹ کو اپناتے ہوئے شیکاگو مینول اسٹائل کو اختیار کیا گیاہے۔

۵۔ ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب

باب اول میں موضوع تحقیق سے متعلق تعارفی مباحث کا ذکر کیا گیا ہے اور اس باب کے متعلقات کو بیان کرنے کے لیے درج ذیل دو فصول قائم کی گئی ہیں۔ فصل اول میں موضوع کا تعارف اور دراسات تحقیق ضرورت و اہمیت اور بیان مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں جواز تحقیق اور منہج تحقیق کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب دوم میں فہم قرآن کا عقلی رجحان بیان کیا گیا ہے اور اس باب کے متعلقات کو بیان کرنے لیے درج ذیل فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فصل اول میں عقلی رجحان کی منتخب تفاسیر کا تعارف کرایا گیا ہے فصل دوم میں عقل انسان اور فہم قرآن کے متعلقات کو بیان کیا گیا ہے۔ فصل سوم میں عقل کے فہم قرآن میں کردار متعلقہ جمہور مفسرین کے اصول و قواعد کو بیان کیا گیا ہے۔

باب سوم میں آیات عقائد کے فہم میں عقلی رجحان کا جائزہ لیا گیا ہے اس باب کے متعلقات کو بیان کرنے کے لیے درج ذیل فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فصل اول میں آیات توحید میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ فصل دوم میں وحی اور ختم نبوت کے مفاہیم میں عقلیت پسند مفسرین کی آراء کا جائزہ لیا گیا ہے۔ فصل سوم میں معجزات سے متعلق آیات کی عقلی تعبیرات کا جائزہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ فصل چہارم میں آیات آخرت سے متعلق عقلیت پسند مفسرین کی آراء کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم میں اصول تفسیر کی روشنی میں منتخب تفاسیر کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب کے متعلقات کو بیان کرنے لیے درج ذیل فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ فصل اول میں منتخب تفاسیر کا روایتی تفسیر کے اصولوں کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا ہے۔ فصل دوم میں عقلی رجحان کے حامل تفسیری موقف واصول کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ فصل سوم میں عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحان کے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ابواب کی تکمیل کے بعد نتائج بحث ذکر کیے گئے ہیں۔ مقالہ کے اختتام پر تجاویز وسفارشات پیش کی گئی ہیں۔ مقالہ کے آخر میں فہارس بیان کی گئی ہیں۔

باب دوم: فہم قرآن کا عقلی رجحان

فصل اول: عقلی **رجحان** کی منتخب تفاسیر کا تعارف

فصل دوم: عقل انسان اور فہم قرآن

فصل سوم: عقل کے فہم قرآن میں کردار متعلقہ جمہور مفسرین کے اصول و قواعد

فصل اول: عقلی رجحان کی منتخب تفاسیر کا تعارف

اس فصل میں اصل اور مقصود بالذات بحث جو ہے وہ تو عقلی رجحان رکھنے والے مفسرین اور ان کی تفاسیر کا تعارف پیش کرنا ہے اور ساتھ ساتھ عقل کا فہم قرآن اور ان کے اصول و قواعد بھی پیش کئے جائیں گے تا کہ اصل بحث سمجھنے میں معاون ثابت ہو اور کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

1. مفسر بیان القرآن مولوی محمد علی لاہوری کا مختصر تعارف:

مولوی محمد علی لاہوری 1874ء میں ریاست کپور تھلہ موضع مرار میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حافظ فتح الدین تھا۔[7]

کپور تھلہ کے گورنمنٹ ہائی سکول میں 1890 میں میٹرک پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کے والد محترم نے آپ کو مزید تعلیم کے لئے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل کرادیا۔ وہاں آپ نے 1892 میں ایف اے اور 1894 میں بی اے پاس کیا اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد ایل ایل بی کرنے کے بعد اسلامیہ کالج کی نوکری چھوڑ کر اورینٹل کالج لاہور میں بطور پروفیسر تعنیات ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے مستقل کوئی اسلامی علوم نہیں پڑھے۔[8]

عقائد وافکار:

محمد علی لاہوری کا تعلق قادیانی مکتبہ فکر سے تھا۔ یہ مرزا کو تو نبی نہیں مانتے تھے مگر ان کے دیگر عقائد کے مکمل تائید کرتے تھے۔ محمد علی لاہوری قادیانی مذہب میں لاہوری گروپ کا سربراہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی روداد یوں ہے کہ غلام احمد قادیانی نے لدھیانہ میں احمدیہ جماعت 1889ء میں بنیاد رکھی۔ مرزا غلام احمد نے اعلان کیا کہ انہیں

---

[7]۔ محمد عمران، ڈاکٹر، **قادیانی تفاسیر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ**، (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، پاکستان، س ن)، 209

[8]۔ ایضا:۲۰۹

الہام کے ذریعہ اپنے پیروکاروں ہے۔ انہوں نے مسیح اور امام مہدی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا۔1889ء میں اپنی پارٹی کے اوائل ایام میں 40 لوگوں نے نورالدین کی خلافت پر بیعت کی۔

1908ء کو ان کا پنجاب کی دار الحکومت لاہور میں مرزا صاحب کا انتقال ہوا اور ان کو قادیان میں دفنا دیا گیا۔ اس کے بعد کثرت رائے سے نورالدین کو اس جماعت کا پہلا خلیفہ بنایا۔ مرزا کی رحلت کے بعد 1914ء احمدی پارٹی دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ پہلی جماعت کا مرکز قادیان رہا اور دوسری پارٹی کا مرکز لاہور رہا تو ان دونوں کے سربراہوں کی الگ الگ جماعت بن گئی۔ پہلی جماعت کے امیر مرزا بشیر الدین رہے اور دوسری جماعت کے امیر مولوی محمد علی لاہوری رہے۔ پہلی پارٹی کا نام احمدیہ مسلم جماعت اور دوسری پارٹی کا نام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا نام رکھ دیا گیا۔ پھر اہستہ اہستہ دونوں جماعتوں کے نظریات بھی کچھ تبدیل ہو گئے۔1974ء میں پاکستانی قانون میں ایک قادیانی مذہب کے حوالے سے ایک قانونی بل پاس ہوا۔ڈاکٹر شہباز صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے جماعت احمدیہ کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعہ غیر مسلم قرار دیا۔ ۱۹۸۴ء میں پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت نے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے ذریعہ جماعت احمدیہ کی بہت سی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔ احمدیوں کے لئے اسلامی طریق پر سلام کرنا، اپنی عبادتگاہ کو مسجد کہنا، اذان دینا، تلاوت کرنا، اپنے عقیدہ کی تبلیغ و اشاعت کرنا وغیرہ قابل گرفت قرار پائے۔ اس آرڈیننس کے پیش نظر چوتھے خلیفہ المسیح نے پاکستان سے اپنا مرکز لندن منتقل کیا۔"[9]

احمدی یا اس کی ذیلی شاخ لاہوریوں کو صرف پاکستان میں نہیں بلکہ بہت سارے ممالک میں اسے خارج از اسلام قرار دیا گیا مگر اسلامی ممالک میں پاکستان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے قانون میں یہ باقاعدہ ترمیم کی گئی اور ذیلی شقیں بنائی گئیں جس میں قادیانیوں کو پاکستان میں کسی بھی طرح کی عملی کاروائی نہیں کرنے دی۔

---

[9]۔ شہباز، ڈاکٹر، **فکر استشراق اور عالم اسلام میں اس کا اثر و نفوذ**، 272

تاریخ وفات:

مولوی محمد علی لاہوری 1914ء سے وفات کے آخری سانحہ 1951ء تک مرزائی جماعت کے امیر رہے۔ اس 37 سالہ عرصہ میں انہوں نے قادیانیت اور مرزائیت کے لئے بھرپور کوششیں کی اوراسے پر اوان چڑھانے میں محمد علی لاہوری کا ایک خاص کردار رہا ہے۔[10]

تفسیر بیان القرآن از مولوی محمد علی لاہوری کا تعارف

مولوی محمد لاہوری چونکہ باقاعدہ کوئی دینی عالم یا کوئی باقاعدہ دینی علوم کے حامل نہیں تھے بلکہ ان کی تفسیر میں زیادہ کردار ان امور کا ہے جو انہوں نے تالیف وتصنیف کے زمانے میں بروئے کار لائے۔ ۱۹۰۸ میں مرزا کی وفات کے بعد حکیم نورالدین کی خلافت کے دوران بھی تصنیف وتالیف کے امور کے نگران رہے، حکیم نورالدین کی تحریک پر ۱۹۰۹ء میں انہوں نے انگریزی میں ترجمہ قرآن کا کام شروع کیا جو سات سال کے عرصہ میں مکمل ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں حکیم نورالدین کے انتقال کے بعد قادیانی جماعت کے لئے خلیفہ کا مسئلہ درپیش ہوا۔ تب مختلف اسباب کی بنا پر محمد علی نے جماعت سے اختلاف کیا۔ لاہوری گروپ کے نام سے اپنی جماعت قائم کی ان کے بقول لاہوری جماعت، مرزا غلام احمد قادیانی کی تعلیمات کی صحیح عکاس اور ان کے اصول ونظریات پر قائم ہے۔ جبکہ جماعت قادیان وربوہ نے مرزا کی تعلیمات میں تبدیلی کر دی ہے۔ ۱۹۱۴ء سے لے کر اپنی وفات یعنی ۱۹۵۱ء تک ۳۷سال محمد علی، لاہوری مرزائی جماعت کے امیر اول رہے۔ ۱۳اکتوبر ۱۹۵۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔[11]

قادیانی مذہب میں سب سے زیادہ تالیفات وتصانیف محمد علی لاہوری کی ہیں، جیسا کہ حمید نسیم صاحب فرماتے ہیں:

> " محمد علی ایک کثیر التصانیف شخص تھے۔ اردو اور انگریزی میں انہوں نے ۵۰ سے زائد کتب ورسائل تصنیف کئے۔"[12]

---

[10] حمید نسیم، **عالمی فلسفہ ومذہب کے تناظر میں**، (فضلی سنز، کراچی، س ن)، ۳/۷۲/۳

[11]۔ حمید نسیم، **عالمی فلسفہ ومذہب کے تناظر میں**، ۳/۷۲/۳

[12]۔ حمید نسیم، **عالمی فلسفہ ومذہب کے تناظر میں**، ۳/، ۷۲، ۳

آپ کی مشہور تفسیر بیان القرآن پر علماء کرام نے مختلف حوالے سے تجزیہ کیا ہے۔ ترجمہ پر بھی بہت سارے تنقیدیں کی گئی ہے اور تفسیر عموماً عقلی توجہات کی آماجگاہ ہے۔ڈاکٹر عاصم نعیم صاحب لکھتے ہیں کہ:

"محمد علی لاہوری نے تین جلدوں پر مشتمل اپنی تفسیر میں آیات کے بالمقابل ترجمہ کیا ہے۔ جبکہ تفسیری نکات، حاشیہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ حواشی تفسیر میں پہلے آیات کی لغوی تشریح بیان کرتے ہیں اور پھر آیات کی توضیح کی ہے ۔ تفسیر کے آخر میں (جلد دوم) لغات القرآن کا ضمیمہ اور فہرست مضامین دی گئی ہے۔ جس کی مدد سے مفردات اور مضامین کو تلاش کر کے متعلقہ صفحہ و آیت سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ فہرستیں بالترتیب حروف تہجی دی گئی ہیں۔ نیز دونوں جلدوں کی ابتداء میں سورتوں میں مذکور مضامین کی فہرست بھی موجود ہے۔ قاری جس مضمون سے متعلق تعلیمات قرآنیہ کا مطالعہ کرنا چاہے۔ اس فہرست کی روشنی میں اس کی رسائی حاصل کر سکتا ہے ۔"[13]

مجموعی طور پر تفسیر بیان القرآن کا اسلوب اکیسویں صدی عیسوی میں لکھی جانے والی تفاسیر قرآن سے مماثل ہے۔ جیسے اکثر تفاسیر کا مقصود عام فہم انداز میں قرآن کی توضیح ہے۔ ان میں جدید ذہن اور نئے رجحانات کو ملحوظ نظر رکھا گیا۔ اس حوالے سے ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب نے ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ علیہ کا یہ مقولہ ذکر کیا ہے جو کہ اس تفسیر کی عقلی رجحان پر تیر بہدف کا مصداق ہے:

"سرسید کے لٹریچر اوران کے تفسیر قرآن کے اسلوب کو پورے طور پر جذب کر لیا ہے اور مولوی نورالدین کے درس قرآن اور صحبت نے اس رجحان اور ذوق کو مزید تقویت پہنچائی۔"[14]

---

[13]۔ عاصم نعیم، ڈاکٹر، **پاکستان کا اردو تفسیری ادب**، (پنجاب، ادارہ علوم اسلامیہ، طبع اول، 2019)، 389

[14]۔ ثناء اللہ، ڈاکٹر، **برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پرستی**، (پشاور، العلم پبلی کیشنز، س ن)، 165

عصر حاضر کے مسائل، ضروریات کی نشاندہی اور ان کے حل کی کوشش کی گئی ہے، نیز بنیادی عربی تفاسیر کو ماخذ بناتے ہوئے تفسیر کی گئی ہے۔ مؤلف کے اسلوب بیان میں سلامت وروانی ہے آسانی اور واضح اسلوب کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے، نیز مؤلف نے اس وقت کے حالات اور جماعت احمدیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے تفسیری نکات بیان کیے ہیں۔ یہ تفسیر نہ تو طویل ہے اور نہ ہی مختصر بلکہ متوسط حجم کی حامل ہے۔ اسلوب بیان کی چند خصوصیات کے ساتھ ساتھ بہر حال یہ تفسیر مسلمہ عقائد وتعلیمات میں کی گئی فاسد تاویلات وتحریفات کا مجموعہ ہے۔ محمد علی لاہوری نے متقدمین سے مستفید ہوئے اس کے باوجود حقانیت کے پانے میں اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی۔ لاہوری صاحب نے ابن کثیر، ابن جریر کی تفسیر، رازی، بیضاوی، البحر المحیط،، تفسیر کشاف، لغوی تفاسیر میں سے لسان العرب اور راغب اصفہانی جیسی تفاسیر سے اخذ کیا۔

2-مفسر تمنا عمادی کا مختصر تعارف

نام ونسب:

مفسرِ مذکور تمنا عمادی کا تعارف یوں کرایا جاتا ہے کہ آپ کا نام نامی اسم گرامی الشیخ محی الدین تمنا بن نذیر الحق فائز بن سفیر الحق سفیر بن ظہور الحق ظہور بن نور الحق تپاں پھلواری۔[15]
اورآپ کی نسبت العمادی، پھلواری کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ آپ کا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار کے گاؤں پھلوار سے تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت خاندانی العمادی ہے اور دوسری نسبت اپنے گاؤں کی وجہ سے آپ کو پھلواری کہاجاتا ہے۔

تاریخ پیدائش

جناب تمنا عمادی پھلواری صاحب ہندوستان کے مشہور صوبہ بہار کے گاؤں پھلوار میں 1888ء کو پیدا ہوئے۔

اساتذہ کرام

تمنا عمادی کے اصل اور بنیادی فکری استاد مولانا چکرالوی ہیں اور یہیں سے ان کی فکری پروان کو ایک نیا موڑ ملا جبکہ علامہ کی باقاعدہ ابتدائی تعلیم و تربیت آپ کے والد محترم نذیر الحق نے کی۔ زیادہ علوم اپنے والد محترم سے سیکھنے کے بعد جب فارغ التحصیل ہوئے تو پٹنہ کے مدرسہ حنفیہ میں تدریس اختیار کی۔ اس مدرسے میں 8 سال تک عربی اور فارسی پڑھائی بعد ازاں چند سال راجندر کی ودیا پیٹھ یونیورسٹی میں عربی وفارسی کے مدرس رہے۔[16]

عقائد وافکار

---

[15] ۔ محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، **جریدہ الواقعہ**، شمارہ نمبر 1، ۳۴

[16] بلخی، افتخار احمد، **فتنہ انکار حدیث کا منظر وپس منظر**، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۱/ ۵۵

برصغیر پاک وہند میں کافی عرصے سے فتنہ انکار حدیث پھیلا ہوا ہے جس کا بانی مولوی چکڑالوی ہے، جو اصل میں لنگڑا تھا اور تخت پوش پر بیٹھ کر احادیث میں اعتراضات نکالتا تھا اور کہتا تھا کہ حدیث شریف دین اسلام میں داخل نہیں اور واجب العمل صرف قرآن کریم ہی ہے۔[17]

اسی سے انکار حدیث کا فتنہ پھیلا جس کی اتباع علامہ تمنا عمادی نے بھی کی اور اپنے افکار و عقائد کو جرائد اور رسائل میں پھیلایا۔ انہوں نے احادیث کی اسناد پر سیر حاصل بحث کی ہے حتی کہ ہر راوی پر نقد اور جرح کی ہے۔ ان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ حضرت العلامہ تمنا عمادی منکر حدیث ہیں اور اس کی کئی کتابیں موجود ہیں لیکن ان کے شاگرد مولانا افتخار احمد بلخی نے علامہ تمنا عمادی کے انکار حدیث کی تردید میں ایک کتاب "فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر" میں لکھا ہے کہ:

"میں ذاتی علم کی بناء پر کہتا ہوں کہ مولانا انکار حدیث کو ایسی ضلالت تصور کرتے ہیں جس کی سرحد کفر سے ملتی ہے۔ یہ میرا ذاتی علم ہی نہیں بلکہ مولانا کی شائع شدہ تحریریں بھی اس پر شاھد ہیں۔"[18]

لیکن یہ اقوال ان کے شاگرد مولانا محمد افتخار بلخی کے ہیں اور علامہ تمنا پر فتنہ انکار حدیث کا ایک خاصا لمبا دور گزرا ہے۔ ان کی کتب اور مضامین مجلات اور جرائد میں چھپنے لگے تھے۔ ان کو منکرین حدیث کا سرغنہ مانا جانے لگا اور رسائل میں ان کے ایسے مضامین چھپتے تھے کہ جن میں صریح طور پر احادیث کی حجیت مشکوک اور ان پر سخت نقد ہوتی تھی۔

اور ان کے نزدیک صرف وہ احادیث صحیح ہوتیں جن کو قرآن سے صریح مطابقت ہوتی تھی اور اپنی رائے کے مطابق ہدایت کو صرف قرآن کریم کے ساتھ محصور کر لیا اور اس کے علاوہ وہ تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی قرآن کریم سے صریح مطابقت و موافقت نہ تھی کو رد کر دیا۔ حالانکہ کوئی بھی صحیح اور مشہور حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہوتی صرف انسان کا فہم ناقص اس تک پہنچ نہیں پاتا اس نظریہ سے حدیث شریف کی وقعت و مقام باقی نہیں رہتا اور اس کی بنیادی حیثیت جو قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر ہے وہ باقی نہیں رہتی اور پھر قرآن

---

[17]۔ سیالکوٹی، مولانا محمد صادق، **ضرب حدیث**، (نعمانی کتب خانہ، لاہور، س ن)، ۴۰

[18]۔ بلخی، افتخار احمد، **فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر**، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۱/ ۵۵

کریم کی تفسیر اور تشریح من پسند خیالات سے کرنے پر آتے ہیں انہی میں سے علامہ تمنا عمادی بھی ہیں[19] جیسا کہ کتاب اللہ میں باری تعالیٰ کا قول ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾[20]

((جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی))

تو ثابت ہوا اتباع نبی ہی فرمانبرداری خداوندی ہے۔ اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل دین پر عمل کرنا ہے اور اتباع رسول احادیث سے معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا احادیث ہی اصل اتباع رسول اور اطاعت خداوندی ہے، قرآن کریم کو سنت کی زیادہ ضرورت ہے بطور شرح و تبیین کے، لیکن تمنا عمادی کے خیال میں قرآن کو سنت کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾[21]

((باطل اس کے سامنے اور اس کے پیچھے (کسی طرف) سے بھی اس کے پاس نہیں آسکتا۔ (وہ قرآن) اس کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے جو حکمت والا، تعریف کے لائق ہے۔))

جہاں جس آیت کی تشریح حدیث سے ہوتی ہے تو وہاں تمنا عمادی اس حدیث کو تو مانتے نہیں۔ پھر ان میں تاویلات اور عقلیات کا باب کھول دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

"میں بخاری و مسلم میں گھٹاؤ بڑھاؤ کو قصور انسانی کو تسلیم کروں یا قرآن مجید میں؟ پھر خود ہی تمنا عمادی اپنے سوال کا جواب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ۔۔۔ بخاری کی حدیث جمع قرآن پر تنقید کی۔ چونکہ جمع قرآن کی حدیثوں کے تنہا ذمہ دار صرف ابن شہاب زہری ہیں، اسی لیے صحاح کی تمام احادیث جو جمع قرآن سے متعلق ہیں، وہ سب کی سب ابن شہاب زہری ہی سے ہیں

---

[19] ۔ **جریدہ الواقعہ**، کراچی شمارہ اول۔ اپریل 2012، ۲۵

[20] سورہ النسآء ۴/ ۸۰

[21] سورہ فصلت: 41/ ۵۲

۔تو میں نے سب سے پہلے ابن شہاب زہری کا مکمل تعارف لوگوں سے کرادیا

۔[22]

اور پھر اسی طرح تمنا عمادی نے بخاری و مسلم اور اس کے علاوہ دیگر صحاح کے راویوں پر نقد کیا اور ان کو شیعہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی اور بخاری و مسلم کو گھٹاؤ بڑھاؤ کا منبع ٹھہرایا، جن جن آیات کی تشریح صریح طور احادیث سے ہوئی وہاں عقل کو بروئے کار لاکر تفسیر بالرائے محمود و تفسیر بالرائے مذموم کی پرواہ کیے بغیر اس میں عقلیت پسندی کو ترجیح دی جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ علامہ صاحب کے انکار حدیث پر تفصیلی گفتگو اس مقالے کے دوسرے باب میں وحی کے عنوان کے تحت ہوگی۔

تمنا عمادی کے فقہی تفردات بھی بہت ہیں، چونکہ آپ فقہی علم میں کافی مہارت رکھنے والے تھے کہ ہر عام وخاص حتی کہ وکلاء حضرات بھی آپ سے فقہی مسائل پوچھنے آتے تھے اور ان سے مشورے کرتے تھے۔

وفات

تمنا عمادی نے درس و تدریس و علمی رحلات کے ساتھ ساتھ ریڈیو پروگرامز میں درس قرآن، علمی و تحقیقی مجلات و جرائد میں مضامین چھاپنے کے سفر میں ڈھاکہ تک ہجرت کی اور ڈھاکہ سے کراچی ہجرت کی۔ علمی و فکری لوگوں میں ان کا اٹھنا بیٹھنا ہوا انہی حلقوں میں کافی شہرت ملی اپنے علمی سفر کے دوران انہیں حلق کا کینسر لاحق ہوا اور تادیر رہا کافی علاج معالجے کے بعد بالآخر اس مرض میں ہی 20 شوال 1392 بمطابق 27 نومبر 1972 کو کراچی میں وفات پائی۔[23]

تمنا عمادی کی حیات علمی کا سفر تصوف کی گود سے شروع ہو کر بالآخر فتنہ انکار حدیث پر آکر رک گیا۔ تصوف میں نشوونما پانے کے بعد اس سے انحراف کیا اور ہوش سنبھالنے کے بعد جو چیز دیکھی، سنی، تمنا عمادی انہی چیزوں کے شدید خلاف ہوگئے۔ تصوف، خانقاہ، خانقاہیت کے شدید منکر ہوگئے اور قرآن کریم سے چونکہ محبت تھی اور ہر جمعہ کو اپنے گھر میں درس دیا کرتے تھے۔ کافی تفاسیر کا مطالعہ تھا عربی لغت اور نحو پر کافی مہارت تھی۔

---

[22]۔ عمادی، علامہ تمنا، **جمع قرآن**، (الرحمن پبلشنگ، کراچی، اکتوبر 1994ء)، 115

[23]۔ رام، مالک، **تذکرہ معاصرین**، (مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۷۸ء)، 94

اگرچہ انکار تصوف سے تمنا عمادی کے داخلی اور انفرادی تحریک کا آغاز تو ہوا لیکن بعد میں اس کے نقصانات اور نتائج کافی خطرناک حد تک نکلے۔ ان کی زندگی کی رائے صرف ایک بار ہی بدلی نہ کہ بار بار اور یہ تبدیلی غلو کی شکل اختیار کر گئی۔ مثلاً اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ تحقیقی مزاج میں اپنے آپ کو تقلید سے آزاد کر دیا۔ ہر مسئلے میں حدیث و سنت، اجماع، قیاس اجتہاد ائمہ اور جمہور علماء کو چھوڑ کر اس کا حل براہ راست قرآن میں سے ڈھونڈتے۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ تصوف سے شدید کد کی وجہ سے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان پر کچھ نقد کرتے جیسے کہ آج کل عموماً اہل سنت اور اہل تشیع ایک دوسرے پر کرتے ہیں۔[24]

تمنا عمادی کی تفسیر کا تعارف

تمنا عمادی کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں ان کا ڈھیر سارا علمی خزانہ موجود ہے۔ لیکن ان کتب میں کوئی مکمل قرآن کی تفسیر مستقل طور پر انہوں نے نہیں لکھی ہے۔ البتہ ان کے تحریروں میں ان کا تفسیری خزانہ پایا جاتا ہے جو ان کے تفسیری و عقلی رجحانات کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے تفسیری رجحانات زیادہ تر ان کی دو کتب جمع قرآن اور اعجاز القرآن میں مکتوب ہیں۔ ذیل میں ان دو کتب کا تعارف کرایا جاتا ہے:

جمع القرآن:

تمنا عمادی نے قرآن کریم سے متعلق ایک کتاب "جمع القرآن" کے نام سے لکھی جس کو الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ ناظم آباد کراچی نے شائع کیا ہے۔ اگرچہ یہ کتاب بھی مستقل تفسیر نہیں ہے لیکن اس کتاب میں تمنا عمادی کے کچھ تفسیری رجحانات مذکور ہیں۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے جمع القرآن عہد صدیقی اور اور حضرت عثمان کی روایات کو جھوٹ اور موضوع قرار دیا ہے اور جمع القرآن بعہد صدیق اکبر اور اس کا جھوٹا پروپیگنڈا کی مناسبت سے ایک باب باندھا ہے۔

جمع القرآن میں ان راویوں کو اور عبید بن اسباق کو جھوٹا قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ "جمع قرآن کی اصل روایت" یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ موسیٰ بن اسماعیل سے، وہ ابراہیم بن سعد سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ عبید بن اسباق سے اور وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو کہ من گھڑت ہے۔ اس مجموعے میں علامہ

---

[24] عمادی، علامہ تمنا، **جمع قرآن**، 56

تمنا عمادی نے جان کی بازی لگا کر ہر جگہ عقل کو فوقیت دی ہے۔ خواہ وہ قرآن کی آیات کی تفسیر ہو یا روایات اور ان کے متون کی تحقیق ہر جگہ ان کی عقل متفوق رہی ہے۔

اس کتاب میں موجود قرآنی آیات میں عقل کا رجحان اور اس کی تشریح و تفسیر میں تفسیر بالرائے کی مثالیں باب دوئم میں بالتفصیل آئیں گی جن میں انہوں نے جمہور مفسرین و احادیث متواترہ کے خلاف عقلی تفسیر کی ہے اور اس بات کا خیال بھی نہیں رکھا کہ آیا وہ تفسیر بالرائے محمود ہے یا مذموم، لیکن اپنی ہی رائے اور من پسند عقل سے قرآنی آیات کی تفسیر کی ہے۔

اس کتاب میں تمنا عمادی نے قرآن کریم کے حضرت محمد کے عہد مبارک سے لے کر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان کے دور تک پوری تاریخ رقم کر دی ہے اور کہا ہے کہ جمع القرآن والی حدیث کی ابتداء ابن شہاب زہری سے ہوئی ہے جو مسلکا شیعہ تھے اس حدیث کا کوئی نام و نشان نہیں ہے اس کتاب میں مضمون "استوانة المصحف" بھی ہے کہ جس میں عام مسلمانوں کے لیے سرکاری مصحف نبوی رکھے ہونے کا ذکر کیا گیا جس سے عام مسلمان نقل کیا کرتے تھے اس کتاب میں مضمون "قرآن کریم روایات کے آئینہ میں" بھی شامل کیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جمع القرآن کی روایات اور احادیث سب من گھڑت ہیں۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو غیر ثقہ اور شیعہ ثابت کر کے اس کی جمع قرآن کی روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔

اعجاز القران و اختلاف

اعجاز القرآن نامی کتاب بھی تمنا عمادی کی قرآن اور اس کی تفسیر اور علوم القرآن پر مشتمل کتاب ہے۔ اس میں سب سے پہلے تمنا عمادی نے تفصیل کے ساتھ کتاب اللہ کے اعجاز کو ذکر کیا ہے۔ جس طرح قرآن تحریف و تبدیل سے محفوظ ہونا بہت بڑا معجزہ ہے اور اس کے ساتھ ہی انھوں نے قرآن کے سبعۃ احرف یعنی قراءات سبعہ کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور مصحف کی تاریخ کو بیان کیا گیا ہے۔ زید اور زینب رضی اللہ تعالی عنھما کے واقعہ کو بیان کیا گیا ہے آیات تطہیر، سورۃ تحریم، ایلاء، روایت افک اور جادو والی آیات پر تبصرہ کیا ہے۔ قراء سبعہ کی قراءات پر بحث کی ہے اور الفاظ پر نقطوں کی ایجاد پر بحث کی گئی ہے۔

اعجاز القرآن میں علامہ تمنا عمادی نے "قدیم تفسیریں اور تفسیری روایات" کے عنوان سے ایک موضوع بیان کیا ہے جس میں قدیم خیر القرون کے مفسرین پر عجیب طرح کے نقد کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ:

"بد قسمتی سے قدیم مفسرین کے ہاں بھی بہت سی وضعی روایات پائی گئی ہیں کیونکہ تفسیری روایات کے اکثر راوی وضاع و کذاب اور ناقابل اعتبار تھے امام احمد بن حنبل جیسے روایت پسند امام کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "ثلاثۃٌ كتب ليس لها أصل،المغازي، والملاحم، والتفسير "یعنی غزوات و مشاجرات اور تفاسیر کی کتابیں ناقابل اعتبار ہیں۔ اس کے باوجود اکثر قدیم مفسرین نے ہر آیت کے تحت ان تمام راویوں کی متضاد اور خلاف حقیقت روایتی اقوال جمع کرکے آیات قرآنی کے معنی کو عام پڑھنے والے کے لیے مشتبہ کر دیا ہے۔ قدیم مفسرین کی اس سہل پسندی کے نتیجے میں عام پڑھنے والے کو پتہ ہی نہیں چلتا کے قرآن کے اصل اور صحیح مطالب کیا ہیں۔ کوئی ایک روایت اور قول کو لے کر بیٹھ جاتا ہے اور کوئی دوسرے اور تیسرے قول و روایت کو"[25]

اس طرح کے کافی اقوال اور نقد بازی تمنا عمادی پھلواری کے اعجاز القران کا حصہ ہیں جو کہ سراسر تفسیر بالرائے کے قبیل سے ہے۔

اس کتاب کا پورا نام اعجاز القران و اختلاف القراءات ہے، جسے الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ بلاک نمبر 1 نظم آباد کراچی والوں نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا اصل مضمون قراءات سبعہ احرف ہے جسے روایات میں متواتر کہا گیا ہے اور جس کا درجہ تواتر سے بھی قوی اور ثقہ ہے۔ اس کو من گھڑت کہا گیا ہے اور اس کا انکار کیا گیا کہ قرآن میں کوئی سات قراءات نہیں ہیں بلکہ یہ قرآن کے اعجاز کے خلاف ہے اور یہ کہانی ابن شہاب زہری نے گھڑی ہے کیونکہ سبعۃ احرف کی روایات جتنی بھی اسناد سے مروی ہیں ان سب کا اختتام ابن زہری پر ہوتا ہے۔ لہذا یہ امام ابن زہری کی من گھڑت کہانی ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس کتاب کے مضمون نے قرآن کے اعجاز کو ثابت کیا کہ قرآن چونکہ معجز ہے اور معجز میں کوئی لفظی یا معنوی اختلاف نہیں ہوتا لہذا سبعۃ احرف قرآن کے اعجاز کے منافی ہے۔ تمنا عمادی اپنی کتاب اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

---

[25]علامہ تمنا عمادی، **آیات مقطعات**، (الرحمن پبلشنگ، کراچی، ۱۹۹۳ء)، 22

" اللہ تعالی نے قرآن مبین کے متعلق دو اہم دعوے کیے ہیں: پہلا دعوی ذَلِكَ الْكِتَابُ لارَيْبَ فِيهِ[26] دوسرا دعوی لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ [27] ہے۔[28]

پہلے دعوی کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

"کسی چیز کی لاریبیت آپ کو ایک ہی ذریعے سے پوری طرح حاصل ہو سکتی ہے اور وہ ذریعہ صرف تواتر خبر ہے۔ اور اگر اس تواتر کے ساتھ ساتھ دوسرے دلائل، قرائن بھی ہوں اور اس کے علاوہ اگر اس خبر، دلائل اور قرائن کے ساتھ ساتھ عملی تواتر بھی ہو تو نور علی نور ہے۔"[29]

ہر صورت میں قرآن مجید کے پڑھنے کا تواتر چودہ سو برس سے آج تک بلا ناغہ ہر گھر میں ساری دنیائے اسلام میں چلا آرہا ہے۔[30]

پھر کہتے ہیں کہ تواتر کی ایک قسم مصنوعی بھی ہے یعنی کسی جماعت نے اپنے کسی خاص مقصد کے ماتحت ایک جھوٹی بات گھڑی اور باہمی صلاح و مشورہ کر کے اس جماعت کے افراد مختلف دور و نزدیک مقامات میں پھیل کر اس جھوٹی بات کو سچی قرار دے کر مشہور کرنے لگے اور پھر جن لوگوں نے اس جماعت کے افراد سے سنا وہ اسے دوسروں سے بیان کرنے لگے، یہاں تک کہ کچھ دنوں میں جھوٹی بات ایک سچی خبر بن کر متواتر ہوئی اور رفتہ رفتہ دنیا میں مشتہر ہو گئی۔ عجمی ملحدین و منافقین نے ایک زبردست سازش کر کے اس طرح کتنی جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلائیں۔ اور باوجود محدثین کی چھان بین کے آج تک ان کے مجلات میں کتنی موضوع و مکذوب روایات موجود ہیں۔اور انہی روایات کی بدولت آج امت میں اس قدر دینی فرقہ بندیاں اور اختلافات نظر آرہے ہیں۔

---

[26] سورۃ البقرۃ 2/2:

[27] سورہ فصلت 41/42

[28] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**،(الرحمن پبلشنگ، کراچی، س ن)،109

[29] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**،111

[30] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**،124

پھر کہتے ہیں کہ اگر غلو و تعصب اور ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر دیانتاً ان مصنوعی متواترات کو دیکھا جائے اور ان کے تجربے کے بعد قرائن کی روشنی میں حقیقت کی جستجو کی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حقیقت امر کا پتہ نہ ملے۔اب اس کے بعد جمع قرآن کے واقعے کو من گھڑت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مثلاً جمع قرآن ہی کا واقعہ لے لیجئے، یہ بات عام ہے کہ حضرت عثمان جامع قرآن تھے یہاں تک کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں میں عام طور سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ جامع قرآن کا لفظ پڑھا جاتا ہے اور جاہل خطیب ہی نہیں بلکہ علماء بھی بغیر کسی جھجھک کے جامع قرآن امیر المومنین عثمان بن عفان پڑھتے ہیں۔"[31]

پھر علامہ تمنا عمادی لکھتے ہیں کہ:

"کوئی صاحب انصاف و دیانت بتائیں کہ جو واقعہ ایسا اہم ہو جس کی اطلاع ساری دنیائے اسلام کو ہونی چاہیے۔ اس کی خبر سو برس تک کی طویل مدت میں صرف ایک ہی شخص کو ہو۔(عبید بن ساق) کہ جس سے صرف ایک چار سال کے بچے کو ملے یعنی (ابن شہاب زہری کو) اور وہ اپنی سن کہولت میں صرف ایک ہی شخص سے بیان کرے۔ کیا ایسی خبر کو کبھی متواتر کہا جا سکتا ہے چاہے وہ خبر دنیا بھر میں مشہور ہو کر متواتر کا لبادہ اوڑھ لے۔"[32]

اس طرح جمع القرآن کی روایات کو من گھڑت ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری شریف، سنن ترمذی، سنن نسائی اور مسند احمد کو بھی موضوع روایات کا مجموعہ مان لیا ہے۔اس کے بعد علامہ تمنا عمادی کے مطابق قرآن مجید کا دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ:

---

[31] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**، 144

[32] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**، 146

مفہوم کلام کہ دشمنان اسلام اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتے کسی طریقے سے بھی ہو۔

قرآن مجید کا دعوی دراصل اس بات سے متعلق ہے کہ اس کتاب میں کسی طرح کی تحریف و تصحیف اور کسی قسم کی تغیر و تبدیل کا امکان بھی نہیں ہے۔[33]

پھر لکھتے ہیں:

"اس دعوے کا واضح ثبوت اور حقیقت یہ ہے کہ یہ دعوی ایک بڑا اہم دعوی ہے کہ سوا اللہ کے اور کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ کون نہیں جانتا کہ اہل کتاب نے توریت و انجیل و زبور کو کس طرح مسخ کر کے رکھ دیا۔ وید اور استا کا حال بھی تاریخ کے ماہرین سے پوشیدہ نہیں۔ مسلمانوں کے یہاں بھی ان کی حدیثیں منافقین و ملاحدہ کے دست بردہ سے بچ نہیں سکیں۔ محدثین کی کافی چھان بین کے باوجود ان کے مجلات موضوع و مشتبہ حدیثوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔"[34]

جن منافقین و ملحدین کا برتاؤ نبی اکرم سے یہ رہا ہو اور ان کی احادیث کے ساتھ بھی وہ کتاب اللہ کو کب محفوظ چھوڑ سکتے تھے۔ باوجود اس کے کہ اختلاف قراءت کا ایک انبار ان مفسدین نے لگا دیا لیکن قرآن مجید حفاظت الہیہ کے ماتحت عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک صرف ایک ہی قراءت ثابتہ وصحیحہ و متواترہ کے ساتھ " قراءۃ، تلاوتا، تعلیما، تعلما، حفظا، کتابۃ اور پھر طباعۃ چلا آرہا ہے اور ساری دنیائے اسلام میں صرف ایک قراءت متواترہ قدیمہ کے مطابق لکھا اور پڑھا جارہا ہے۔[35]

---

[33] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**، 148

[34] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**، 150

[35] ایضا: 150

خلاصہ یہ کہ اس کتاب کا موضوع اعجاز قرآن کے ضمن میں سبعۃ احرف کو باطل قرار دینا ہے جس کی تفصیلی روایات و اسناد کی تنقید اس کتاب میں موجود ہے۔

آیات مقطعات

ان دو کتب کے علاوہ تمنا عمادی کی ایک اور تفسیری رجحانات کا مجموعہ "آیات مقطعات" کے نام سے بھی مطبوع ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> حروف مقطعات بے مقصد نہیں ہیں یہ مستقل قرآنی آیات ہیں جن کا علم صرف اور صرف باری تعالی اور حضرت محمد ﷺ کو ہے۔"[36]

آیات مقطعات کے تفسیری مجموعے میں ایک اور مقام پر علامہ تمنا عمادی پھلواری ان حروف کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

> "اگر یہ حروف بے معنی یا محاورہ عرب کے خلاف ہوتے تو مقطعات والی ۲۷ سورتیں جو خاص مکہ ہی میں اتری تھی کفار مکہ تو اس پر خوب چہ میگوئیاں کرتے اور نبی اکرم ﷺ اور ان کے ساتھی سے ان کے معانی پوچھتے یہ بے معنی حروف سے ان سورتوں کی ابتداء کیوں ہوئی ہے۔۔۔ کیونکہ اس وقت بنو عباس کا دور حکومت تھا تو جو بھی کوئی بات یا رائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہوتی تو جلد ہی مقبول ہو جاتی تھی۔ اس طرح کتنی ہی متضاد روایتیں ان کی طرف نسبت کر کے مشہور کی گئیں۔[37]

اس طرح جتنا بھی ہم تمنا عمادی کی تفسیری آراء کو جانچیں گے تو اس میں عقل کو زیادہ دخل ہے نہ کہ نقل اور روایات کو۔ قرآن پرسنت کے علاوہ اعتمادی یعنی فتنہ انکار حدیث انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان سے شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ دعوۃ نبوت تک جا پہنچا۔ بہر حال انہی لوگوں میں علامہ تمنا عمادی بھی شامل ہیں کہ جنہوں نے ایک

---

[36] علامہ تمنا عمادی، **آیات مقطعات**، 22

[37] علامہ تمنا عمادی، **آیات مقطعات**، 22

متصوف خاندان میں پل پڑھ کر نہ کہ صرف تصوف کو جھٹلایا بلکہ رفتہ رفتہ ان کی جرأت حدیث شریف پر بھی ہوئی اور بارہا کہنے لگا کہ قرآن سنت کا محتاج نہیں ہے اور کہا کہ " حسبنا القرآن " کہ ہمارے لئے صرف قرآن ہی کافی ہے۔ ان کے اس دعوے کے پیش نظر انہوں نے تفسیری ترجیحات پر کام کیا اور اپنے افکار کو ایک کتاب کی شکل دے دی۔ اگرچہ علامہ تمنا عمادی نے قرآن کی مکمل تفسیر نہیں لکھی ہے لیکن ان کے تفسیری ترجیحات مختلف ناموں سے مطبوع ہیں، ان کتب کے مختلف مضامین ہیں جن میں قرآنی آیات کی تفسیر، احادیث کا رد، عقلی تشریح اور نہ جانے کیا کیا لکھا ہے۔

تمنا عمادی کی تفسیر اور احادیث کا نظریہ دیکھا جائے تو حدیث شریف کو تو مانتے ہیں لیکن وہ احادیث جو قرآن کے متن والفاظ سے موافق ہوں اور دوسری بات یہ کہ قرآن تو احادیث کا شارح ہو سکتا ہے، لیکن حدیث شارح نہیں ہو سکتی جو کہ سراسر غلط اور قاعدہ واصول کے خلاف بات ہے، حالانکہ یہ بات علماء کا قاعدہ ہے اور امام قرطبی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

" أن القرآن إلى السنة أحوج من السنة إلى القرآن " [38]

مختصر یہ کہ تمنا عمادی کا قرآن کریم کی باعاقدہ کوئی مخصوص تفسیر نہیں ہے البتہ علوم قرآن سے متعلق تین کتابیں منصہ شہود پر آئی ہیں جن میں جمع القرآن نامی کتاب میں جمہور اُمت کے برخلاف اپنے عقل کے بَل بُوتے عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں جو جمع قرآن ہوا ان روایات کو من گھڑت اور جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور دوسری کتاب اعجاز القرآن میں بھی اُمت مسلمہ کے علماء ومفسرین اور محدثین کے برخلاف قرآءت سبعہ کو عجمی سازش اور حفاظت قرآن کے خلاف کہہ کر رَد کیا ہے اور یہی حالت علامہ عمادی کی قرآن اور علوم قرآن سے متعلق تیسری کتاب آیات مقطعات کی ہے جو سراسر اپنی عقل کا خمیازہ اور تفسیر بالروایت کے بالکل برخلاف تفسیر بالرائے مذموم کے قبیل سے ہے۔

---

[38] قرطبی، محمد بن احمد، **الجامع لأحکام القرآن، تفسیر القرطبی**، (دار الکتب المصریة–القاهرة، 1384ه) ۱/۳۹

3-مفسرِ مطالب الفرقان غلام احمد پرویز کا مختصر تعارف

نام ونسب

غلام احمد پرویز ایک متین گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کے والد محترم سیدھے سادھے بندہ خدا تھے۔ اس کے برعکس آپ کے داداچوہدری رحیم بخش کا تعلق مسلک حنفیت اور سلسلہ چشتیہ سے تھا۔ آپ کا نام غلام احمد پرویز، والد کا اسم گرامی چوہدری فضل دین اور دادا کا نام چوہدری رحیم بخش تھا۔[39]

تاریخ پیدائش

آپ کے مقام پیدائش اوروقت پیدائش کے بارے میں شاہکار رسالت میں کچھ یوں لکھا ہے کہ:

" آپ کی پیدائش ۹ جولائی ۱۹۰۳ء کو (موجودہ مشرقی پنجاب) کے ضلع گورداسپور کے ایک دینی پس منظر رکھنے والے گھرانے میں ہوئی جو مختلف خصوصیات کی بناء پر ایک مشہور گاوں تھا۔"[40]

اساتذہ اور تلامذہ

پرویز صاحب نے اپنے داداچوہدری رحیم بخش کے علاوہ محمد اسلم جیراج پوری سے کسب فیض کیا۔ ان کے علاوہ جن سے بھی انہوں نے اکتساب علم کیا وہ باقاعدہ اور باضابطہ یا بالمشافہ طور پر نہیں بلکہ ان کی کتب اور لٹریچر کے توسط سے کیا۔ ایسی ہستیوں میں سر سید احمد خان، مولوی چراغ علی، عنایت اللہ اثری، خواجہ احمد دین امر تسری وغیرہ شامل ہیں۔[41]

کتب بینی کے ذریعہ اس طرح کے استفادہ کو اگر مزید وسعت دی جائے تو اس میں ایسی شخصیات بھی آجاتی ہیں، جن کے خلاف اسلام اعتراضات کو پرویز صاحب نے نئی آب وتاب کیساتھ "عجمی اسلام" کے خلاف اپنے "عقلی

---

[39] چوہدری، غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، مارچ اپریل ۱۹۸۹، ۱۶

[40] چوہدری، غلام احمد پرویز، **شاہکار رسالت**، (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، طبع ہفتم، 1999ء)، 27

[41] ایضا

دلائل" کی حیثیت سے پیش کیا ہے، چنانچہ احادیث رسول کے بارے میں پرویز صاحب جو کچھ کہا کرتے تھے وہ دراصل ان ہی شکوک و شبہات اور اعتراضات و مطاعن کا چربہ ہے، جو یا تو غیر مسلم ناقدین حدیث (مثلاً گولڈ زیہر، شاخت وغیرہ) نے یا ان سے متاثر ہونے والے نام نہاد مسلم "دانشوروں" نے پیش کیے ہیں۔ اسی طرح معاشی میدان میں جس نظام کو وہ "قرآنی ربوبیت" کہا کرتے تھے وہ بھی دراصل کارل مارکس اور لینن ہی کا چربہ ہے۔[42]

عقائد وافکار

غلام احمد پرویز منکرین حدیث میں سب سے اہم شخصیت تسلیم کئے جاتے ہے آپ حافظ اسلم جیراجپوری کے فیض یافتہ ہیں ہوم ڈیپارٹمنٹ میں سیکشن افیسر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے علامہ محمد اقبال کے شیدائی تھے آپ ماہنامہ "طلوع اسلام" کے ذریعے اپنے افکار و نظریات کی خوب نشر واشاعت کرتے رہے۔

پرویز مختلف الحدیث کے فن میں ماہر نہیں تھا اس لئے جب متعارض روایات میں ترجیح اور مختلف روایات میں تطبیق نہ دے سکے تو انکار حدیث کی طرف مائل ہونے لگے۔ وہ ۱۹۳۵ء میں اسلم جے راج پوری (متوفی ۱۹۵۵ء) کے پاس دہلی چلے گئے اور چھ ماہ تک ان سے استفادہ کیا۔ انہی ایام میں نذیر نیازی جو کہ اسلم جے راج پوری کے شاگرد بھی تھے نے ایک جرید "طلوع اسلام" جاری کیا۔ پرویز کی تحریریں ابتداًاسی رسالے میں چھپنے لگی۔ ۱۹۳۸ء کے بعد پرویز اس رسالہ کا مدیر مقرر ہوا۔ ۱۹۳۰ء میں پرویز نے حدیث کے متعلق اپنے خیالات کا ظہار کرنا شروع کر دیا تھا اور مختلف جرائد میں ان کی تحریریں چھپتی رہیں۔

غلام احمد پرویز کے افکار و نظریات کا مکمل تعلق مغربی مفکرین و مفسرین اور مستشرقین کے مکتوبات سے اقتباسات اخذ کر لینے کے بعد قران کریم کی آیات کے تحت ذکر کرتے اور اسے اپنے نظریات اور افکار پر فٹ کر دیتے اور اسے اپنی سوچ اور فکر قرار دے دیتے۔[43]

---

[42] قاسمی، محمد دین، **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ**، (لاہور، ادارۃ المعارف اسلامی، طبع اول، جنوری 2009ء)، 1/190

[43] قاضی، محمد حبیب الرحمان، **بر صغیر (پاک و ہند) میں قرآن فہمی اور تفسیری خدمات کا علمی اور تنقیدی جائزہ**، (پشاور، شعبہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی، 2005ء)، 524

غلام احمد نے اپنی زندگی کو تنقید، تقلید اور تجدید ایمان کی ترتیب میں تین حصوں میں مرتب کیا ہے، خود لکھتے ہیں:

"میری زندگی کا پہلا تہائی حصہ، اندھی عقیدت کا تھا۔ اس زمانے میں، میں بھی اسی قسم کی باتیں محض تقلیداً کرتا تھا۔ اس کے بعد میری زندگی کا تنقیدی دور آیا جس میں اندھی عقیدت کا تراشیدہ ایک ایک بت پاش پاش ہو کر رہ گیا۔ یہ لا کا دور تھا، جس میں ہر اس عقیدے کی نفی ہوتی چلی گئی جسے بلا سوچے سمجھے اختیار کر رکھا تھا۔ اور اس کے بعد میری زندگی کا تیسرا دور شروع ہوا جس میں، میں نے جس عقیدہ کو بھی مانا علی وجہ البصیرت مانا اس طرح یوں کہیے کہ قرآن عظیم کی صداقتوں پر از سر نو ایمان لایا۔"[44]

1922ء میں غلام احمد پرویزی صاحب کو ایک حکومتی عہدہ ملا اس کے بعد وہ لاہور میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال سے بھی ملے چند سال بعد ان کی فکر میں جدت پسندی اور عقلی علوم کی وجہ سے ان کے فکر کی حدیث نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے راہ جدا ہو گئے تھے اور مستقلا مکتبہ اہل قران سے جڑ گئے تھے اور ان کے ذہن میں قرانک انسائیکلوپیڈیا کا خیال تھا۔ اس میں سے پہلے معارف القران کا اغاز ہوا۔[45]

1962 میں پرویز صاحب اور ان کے ہم مسلک افراد کے عقائد افکار و نظریات کی بنا جو کہ اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف تھے پر ان وجوہات کی بنا پاکستان و دیگر ممالک کے علماء نے ان پر کفر کا فتوی عائد کیا۔

تاریخ وفات

جناب غلام احمد پرویز نے اپنی زندگی کی تقریبا بیاسی بہاریں دیکھی، طلوع اسلام میں آپ کی تاریخ وفات کے متعلق لکھا ہے کہ آپ مختصر بیماری کے بعد 24 فروری 1985 کو شام چھ بجے انتقال کر گئے۔[46]

---

[44] چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، نومبر، ۱۹۷۳، ۲۲

[45] چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، اپریل، ۱۹۸۵، ۴

[46] ایضا: ۷/اپریل، ۱۹۸۵، ۶۵

تعارف تفسیر مطالب الفرقان

غلام احمد پرویز کی تفسیر مطالب الفرقان پورے قرآن کی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ ابتدائے قرآن (سورۃ الفاتحہ) سے سورۃ الحجر تک حصہ قرآن کی تفسیر ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ پرویز صاحب کے ہفتہ وار درس قرآن کا سلسلہ ہے۔ اگرچہ یہ سلسلہ قیام پاکستان کے بعد کراچی ہی میں آغاز پذیر ہو چکا تھا اور لاہور منتقل ہونے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو پایا کہ زندگی میں کتنی مرتبہ انہوں نے پورے قرآن کا درس دیا۔ قرائن کی روشنی میں ظن غالب یہ ہے کہ وہ دو مرتبہ اس سلسلہ درس کی تکمیل کر چکے تھے۔[47]

انداز و اسلوب تفسیر

پرویز صاحب نے اپنی تفسیر میں جو اسلوب رکھا ہے وہ عموماً سائنسی اور عقلی منہج پر مبنی ہے۔ وہ ہر آیت کریمہ کو عقل کے زاویہ نگاہ سے جانچتے ہیں۔ مزید بر آں یہ کہ بیوع اور خرید و فروخت کے مسائل میں مغربی فلسفے سے زیادہ مرعوب ہیں، ہر آیت کی ایسی انداز میں تشریح و تفسیر کرتے ہیں گویا وہ مغربی معاشی فلسفے کی عکاس ہے۔ اس کے علاوہ پرویز صاحب کا اسلوب تفسیر کچھ اصولوں پر مبنی ہے۔ مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1۔ پرویز صاحب جدت پسندی کے قائل اور متقدمین مفسرین سے نالاں نظر آتے ہیں۔

2۔ قرآن کی تفسیر کا مدار عقل اور سائنسی علوم پر رکھا ہے۔

3۔ ان کے تفسیری اصول جدت کی آمیزش سے بھرپور اور امت مسلمہ سے الگ تھلگ اور منفرد ہیں۔

4۔ ان کی تفسیر میں معتزلہ کے عقائد اور عقلیت پسندی کا بھی کچھ رجحان پایا جاتا ہے۔

5۔ وہ اپنی تفسیر میں روسی اشتراکیت کے بالکل حامی نظر آتے ہیں، کارل مارکس کی اشتراکیت پر مبنی اپنے عقلی فلسفہ اور فکر کے پروان کے لئے پرویز صاحب نے قرآنی نظام ربوبیت کا باقاعدہ ایک خاص فلسفہ ایجاد کیا۔

---

[47] چوہدری، غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، فروری 1985ء، 7

وہ جابجا امت کے مسلمہ مفسرین پر گرفت کرتے ہیں، ان کے گرفت کے طریقے مختلف ہیں:

1۔ان مفسرین نے اصول قائم نہیں کئے۔

2۔ان کا زیادہ تر مدار روایات پر ہے جو کہ خود محدثین کے یہاں بھی موضوع ہیں۔

3۔یہ نسخ کے قائل ہیں اور محکم کو بھی منسوخ قرار دیتے ہیں۔

4۔یہ لوگ اپنے دماغوں سے کام نہیں لیتے گزشتہ لوگوں کے اقوال نقل در نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

5۔ان کو قرآنی حقائق کی جستجو کم اور غیر متعلق باتوں کی کی جستجو زیادہ ہوتی ہے۔[48]

غلام احمد پرویز صاحب کے تفسیری اصول

فکر پرویز کے شارح اور ناقد ڈاکٹر محمد دین قاسمی کے بقول غلام احمد پرویز کی تفسیر کے کوئی اصول نہیں ہیں۔ اور نہ ہی ان اصولوں کو اپنی تفسیر میں کہیں بیان کیا ہے لیکن یہ مقدمہ پرویز صاحب نے نہیں بلکہ ان کے استاد جناب محمد اسلم جیراج پوری کا لکھا ہوا ہے۔ یہ اصول درج ذیل ہیں:

1. قرآن کی تفسیر قرآن ہی میں ہے۔ قرآن ہی میں قرآن کی تفسیر پائی جاتی ہے۔[49]
2. قرآن کی تفسیر میں احادیث قابل تقلید ہے لیکن اس میں کچھ احادیث ظنی اور غیر یقینی ہیں۔ اس وجہ سے حجت نہیں ہیں۔[50]
3. اختلاف قرات سے مکمل گریز ہیں۔[51]

---

[48] چوہدری، غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، 2003)، 6/35،34،33

[49] چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، (دہلی، ادارہ طلوع اسلام)، 1/37

[50] ایضا:

[51] ایضا:139

4. کتاب اللہ کی حدود سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا یہ خرابیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ بقول قاسمی صاحب فاضل مصنف نے اکثر وہ بیشتر مقامات پر اس سے نظر انداز کرتے ہوئے قرانی الفاظ کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔[52]
5. کتاب اللہ کی نزول کے وقت کے ہی معنی کا اعتبار ہو گا۔[53]
6. آیت نسخ سے دوری کہ کوئی بھی کتاب اللہ میں ایک بھی آیت منسوخ نہیں ہے۔

علماء امت جن قرآنی آیات کو ناسخ و منسوخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں انہی کو پرویز صاحب خود عبوری دور کے احکام کے نام سے بیان کرتے ہیں ان کے درمیان ایسی جوہری مخالفت نہیں ہے۔ یہ محض ایک لفظی نزاع تھا جس کو عمر بھر موضوع بحث بنائے رکھا گیا۔ پرویز صاحب نے علماء کے حوالے سے ناسخ و منسوخ کہ باب میں ایک ایسی توضیح پیش کی جو جمہور امت اسے قبول کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ اسی مذموم تشریح کی وساطت سے یہ لکھا کہ:

"قرآن پاک کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو منسوخ ہو۔"[54]

منسوخ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

منسوخ اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے ساقط ہو جائے اور کتاب اللہ میں اسی طرح کوئی امر یا عمل نہیں ہے جو نا قابل واجب العمل ہو۔"[55]

پرویز صاحب کا قول ہے کہ علماء و مفسرین میں سے جو لوگ ناسخ و منسوخ کے حق میں ہے اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اس کو ساقط یا کبھی واجب العمل نہ ہونے دے۔

غلام احمد پرویز کے اندازواسلوب تفسیر میں سے گذشتہ اصولوں کے علاوہ کچھ اہم اوراصولی اختلافات ایسے ہیں جو ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں، ان کی نشاندہی کچھ تفصیل سے کی جاتی ہے:

1. غلام احمد پرویز کے نزدیک حروف مقطعات انگریزی زبان کے مخففات (Abbreviations) کی طرح ہیں۔ نیز ان کا تعلق با معنی الفاظ سے ہے۔ جیسے الم میں الف، اللہ کے لئے، لام، علیم کیلئے اور میم حکیم کیلئے

---

[52] چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، (دہلی، ادارہ طلوع اسلام)، 1/37

[53] ۔ ایضا

[54] ۔ چوہدری، غلام احمد پرویز، **لغات القرآن**، (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ)، 1613

[55] ۔ ایضا:1613

ہے۔ اس اعتبار سے الم کا مفہوم ہو گا اللہ علیم و حکیم کا ارشاد ہے۔ جبکہ علماء کے نزدیک دراصل حروف مقطعات کا تعلق بامعنی الفاظ کی بجائے اسلوب بیان کیساتھ ہے اور اسلوب بیان تغیر ادوار کیساتھ خود تغیر پذیر ہے۔ دور نزول قرآن میں یہ اسلوب رائج و متداول تھا، بعد میں متروک ہو گیا۔[56]

2. جناب غلام احمد پرویز کی نظر میں تفسیر قرآن میں بغیر اسباب نزول کے تفسیر ہو سکتی ہے اسی بنا وہ تفسیر مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

> "خدا کی یہ کتاب عظیم اپنے مطالب کو واضح کرنے کے لئے نہ تو شان نزول کی محتاج ہے اور نہ کسی اور ترتیب کی۔ یہ خود مکتفی ہے اور اپنی توضیح آپ کرتی چلتی جاتی ہے۔"[57]

اسی طرح طلوع اسلام میں لکھتے ہیں کہ:

> "قرآن کسی شان نزول کے موقع نزول یا واقعہ نزول کا پابند نہیں ہے اور اس کی ہدایات، مخصوص زمان و مکان سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ بالاتر ہیں۔ اسباب نزول سے مکمل طور پر صرف نظر کرنے کی بناء پر مصنف کو خود ساختہ شان نزول اختیار کرنے پڑے ہیں۔"[58]

3. پرویز صاحب قرآن میں وہ شان نزول جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے منسوب ہے وہ تو نہیں مانتے جبکہ یہود نصاریٰ کی کتب اور خاص کر تورات اور انجیل کے مختلف مقامات سے اپنی من پسند اقتباس نکال کر اپنے نظریہ کے مطابق قران کی تفسیر پر فٹ کرتے ہیں جس کو بطور نمونہ دیکھا جا سکتا ہے۔[59]

---

[56]۔ قاسمی، محمد دین، **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ**، 1/190

[57]۔ ایضا 1/316

[58]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، دسمبر، 1959، 31

[59]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، 7/51

یہ کچھ بنیادی اصول اور قواعد وضوابط ہیں جن کی بنیاد پر آپ نے اپنی تفسیر کا اسلوب وانداز رکھا ہے اور انہی اصولوں کو اپنا منہج بنا کر تفسیر کرتے رہے ہیں گویا کہ یہی آپ کے پوری تفسیر اسلوب کا خلاصہ اور لب لباب ہے، جن ناقدین نے آپ پر جرح یا تعدیل کی ہے انہوں نے انہی چیزوں کو بنیاد بنایا ہے۔

غلام احمد پرویز صاحب مغربی فلاسفہ اور سائنسدانوں سے اتنا متاثر ہے کہ بعد کے ادوار میں جو غلط اور عقل کے برخلاف نظریات پیدا ہوئے ہیں ان کو بھی عقلی انداز میں ثابت کرنے کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ نظریہ ارتقاء یعنی یہ نظریہ کہ تمام مخلوق رفتہ رفتہ ترقی کر رہی ہے چنانچہ انسان بھی ادنی حالت سے ترقی کر کے انسانیت تک پہنچا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے مسئلہ میں آپ سر سید احمد خان کے ہمنوا ہی نہیں بلکہ اپ نے کتاب اللہ سے نظریہ کو اخذ کیا ہے اور پھر نسل انسانی کی اگلی ارتقائی عمل کی نشانی بھی کی ہے۔[60]

علامہ پرویزی کا اختلاف قراءت: ہمارے خطہ برصغیر میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کا ثبوت جس طرح یقینی ہے بعینہ اس طرح دیگر قراءات متواترہ کا ثبوت بھی یقینی اور قطعی ہے۔ قرآن مجید کی تصدیق ایک ایسی خبر پر اتفاق ہے جسے امت کے تمام علماء نے برحق مانا ہے۔ امت نے یہ قرآن مجید قراء کرام سے سیکھا ہے اور آج بھی انہی سے سیکھتی ہے اور مستند قاری کے پاس وہ سند موجود ہے جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید بین الدفتین موجود ہے۔ غلام احمد پرویز کا قراءت کا انکار اور نہ ماننا بھی امت مسلمہ کے متفقہ تواتر اور بدیہات سے سراسر انحراف اور تفرد ہے اس اصول کے متعلق جناب لکھتے ہیں:

> "تفسیر بالروایت کی ایک شاخ اختلاف روایت قراءت بھی ہے یعنی بعض مفسرین نے بعض آیات کے الفاظ شاذ قراءتوں سے اضافے کر لیے ہیں۔"[61]

جب پرویز صاحب نے قراءت کی حیثیت نہیں پہچانی تو کہنے لگے کہ اس کی حیثیت تو قرآن میں اضافے کی ہے گویا یہ قراءت قرآن میں احکام خداوندی کے اوپر اپنی رائے سے کچھ اور بڑھانا ہے جیسا کہ رقمطراز ہے:

---

[60]۔ عثمانی، مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، (کراچی، ادارۃ المعارف، 1987ء)، 4/429

[61]۔ ایضا، 1/39

شاذ قراء تیں کتاب اللہ میں تحریف ہیں جو کسی صورت قابل قبول نہیں
کیونکہ کلام اللہ کی حفاظت کا اللہ نے ذمہ لیا ہے اور وہ اس کے ایک ایک لفظ کا
محافظ ہے۔ ہمارا ایمان اس قرآن پر ہے جو بین الدفتین محفوظ ہے۔"[62]

مختصر یہ کہ پرویز کے تفسیری افکار، افکار سرسید ہی کا تسلسل ہے اور خود سرسید کی قرآنی فکر کو برصغیر میں تدبر فی القرآن کا نقش اول سے موسوم ہے اور ان کے بقول کہ سرسید نے صدیوں علمی تجمد کے بت کو توڑا اور نئی نسل کے لیے ایک بہترین اور واضح جدت پسندانہ راستہ اختیار کیا۔ یہ ایک ایسا عمل ہے کہ کئی عرصہ بعد آنے والی نسلوں میں بھی یہ علمی کاوش سے مستفید ہوں گے۔

---

[62]۔ ایضا 1/56

4-جاوید احمد غامدی کا تعارف:

جاوید احمد غامدی عصر حاضر کے ایک معروف دانشور، مفکر، شارح قرآن اور ماہر تعلیم ہیں۔ آپ ۱۹۵۱ء میں ساہیوال میں پیدا ہوئے۔

میٹرک آبائی گاؤں سے کیا ۱۹۶۷ میں لاہور آگئے اور پھر یہیں کے ہوگئے، گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۶۷ء میں بی۔اے آنرز کا امتحان پاس کیا، چنانچہ آغاز زندگی کے بارے لکھا گیا ہے کہ:

> "اپنی عملی زندگی کے آغاز پر وہ پاکستان کی مشہور اسلامی تحریک جماعت اسلامی سے وابستہ ہوئے۔ اس عرصہ میں امیر جماعت، سید ابوالاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء۔۱۹۶۹ء) کی قربت انہیں حاصل رہی۔ ۱۹۷۷ء میں انہوں نے "جماعت اسلامی" سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس مرحلہ پر انہوں نے جماعت کے سابق رکن مجلس شوریٰ اور مشہور مفسر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی (۱۹۰۴ء۔۱۹۹۱ء) سے وابستگی اختیار کی"۔[63]

اساتذہ کرام

یہ بات تو یقینی ہے ہر شخص کی زندگی میں کئی اساتذہ کرام کا عمل دخل ہوتا ہے مگر جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے دیگر استاتذہ تقریباً گم نام ہیں۔ ان میں اگر سب سے نمایاں کردار نظر آتا ہے وہ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا ہے۔ جاوید احمد غامدی کی جماعت اسلامی میں آپ کی وابستگی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب سے ہوگئی تب سے آپ اصلاحی صاحب کے شاگرد رہے اور اصلاحی صاحب کی شاگردی پر تاحال انہیں فخر ہے:

> "انہوں نے اپنے مابعد کے افکار کو اپنے استاد کی ہی خوشہ چینی اور ان کے فیضِ تربیت کا نتیجہ قرار دیا۔"[64]

---

[63] غامدی، جاوید احمد، **ماہنامہ اشراق**، روایتوں کی حقیقت، شمارہ 1۔2 جنوری فروری، 1998ء، ۹/۱۰

[64] غامدی، جاوید احمد، **میزان**، (دارالاشراق، لاہور، 2002)، ۲

عقائد وافکار:

علامہ جاوید احمد غامدی 1980 سے تحقیقی و علمی کام میں مشغول رہے ہیں۔ وہ علماء کی قرن اول سے رائج روایتی سوچ و فکر سے ہٹ کر عقلی بنیاد پر افہام و تفہیم اور سوچ و فکر کے استعمال کے وہ قائل ہیں علامہ کی وسیع علمی مطالعہ اور شعور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ایک روایتی اور مقید حدود سے ہٹ کر وسیع علم کے لیے مختلف افکار و نظریات تاریخ و دیگر علوم کا مطالعہ کیا اور فکری رجحان میں کافی زیادہ جدت پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے مروجہ روایتی علماء کی ضد میں آگئے۔ لیکن ایک علمی معاشرے کے لیے علامہ بہت ہی پسندیدہ عالم جانے جاتے ہیں اور کافی زیادہ ان کو پسند کیا جاتا ہے۔

غامدی صاحب نے ۱۹۰۸ء میں ادارہ "المورد" کی بنیاد رکھی۔ علوم اسلامیہ کے اس ادوار کی تاحال سرپرستی کر رہے ہیں۔[65]

ایک اور تنظیم "دانش سرا" کے بھی بانی سرپرست ہیں، اردو مجلہ "اشراق" اور انگریزی ماہنامہ Renaissance جاری کیے، جدید ذرائع ابلاغ، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور دیگر سمعی وبصری ذرائع (Audio Visual Aids) کو استعمال کر کے اپنا پیغام جدید تعلیم یافتہ، خاص طور پر نوجوان طبقہ تک پہنچایا۔ المورد سے متعلق اور ملحقہ ویب سائٹس حسب ذیل ہیں:

1. www.hamid-uddin-farahi.org
2. www.amin-ahsan-islahi.org
3. www.javedahmadghamidi.com
4. www.drfarooqkhan.com
5. www.abdus-sattar-ghauri.org
6. www.khalidzaheer.com
7. www.studying-islam.org

---

[65] http://www.al-mawrid.org, Retrived from 26 august, 2022.

8. www.monthly-renaissance.com
9. www.inzaar.org
10. www.tadabbur-i-quran.org

اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر سینکڑوں لیکچرز دیے ہیں۔ تفسیر البیان کے علاوہ میزان اور مقامات ان کی اہم کتابیں ہیں۔

مغربی فکر سے راہنمائی، حقوق انسانی، اسلامی قوانین، خصوصاً جرم و سزا کے قوانین، صحفِ سماویہ، قتال فی سبیل اللہ اور اجتہاد و دیگر مسلم امہ کو درپیش مسائل میں روایت پسند سکالرز کی سوچ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ بایں وجہ انہیں مختلف دینی حلقوں کی طرف سے کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ ۲۰۰۶ سے ۲۰۱۰ تک "اسلامی نظریاتی کونسل" کے ممبر رہے۔ آج کل ملائشیا کے شہر کوالالمپور میں مقیم ہیں۔

تفسیر البیان کا تعارف:

اس جہاں رنگ و بو میں مختلف اوقات میں مختلف لوگوں اور مختلف مکاتب فکر کے حامل افراد نے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے اور کرتے رہے ہیں، ان میں سے کچھ حضرات نے تو حقیقتا بھی اس کلام کی خدمت میں زندگی صرف فرمائی جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا گھرانہ اور کچھ حضرات نے بزعم خویش خدمت کی ہے انہی مفسرین کے گروہ اور طبقہ میں ایک نام نامی جاوید احمد غامدی صاحب کا بھی مشہور و معروف ہے چنانچہ پاکستان کا اردو تفسیری ادب کے مولف ڈاکٹر عاصم نعیم ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کے تفسیری رجحان کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں کہ:

> تدبر فی القران سے منسوب سکالرز کا کتاب اللہ سے ایک خاص شغف رہا ہے علامہ نے قران اور شرح قران کو اپنا خاص موضوع بنایا ہے۔ البیان آپ کی تفسیری کاوش ہے۔[66]

---

[66] عاصم نعیم، ڈاکٹر، **پاکستان کا اردو تفسیری ادب**، 327

یہ تو ڈاکٹر عاصم نعیم کا جناب جاوید احمد غامدی کی تفسیر کے بارے میں مختصر اور مربوط تبصرہ تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فراہی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والی یہ شخصیت صرف مفسر ہی نہیں بلکہ ایک عرصے دراز سے قرآنی علوم کے ساتھ مشغول ہے۔

تفسیر البیان کا اسلوب ترجمہ:

تفسیر البیان میں جو ترجمہ جاوید احمد غامدی نے پیش کیا یہ ترجمہ تفسیر قران کا بہت شاندار منظم اور مرتب ترجمہ ہے جو کہ ایک مستقل شاندار اور جدید تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے جاوید احمد غامدی کی ذاتی رائے اور فکر کے ساتھ ساتھ اس میں علامہ حمید الدین فراہی کے اصول اور مولانا محمد امین حسن اصلاحی کے دروس کا خلاصہ ہے اور یہ جمہور کے مسلمہ اصول تفسیر سے ہٹ کر اس تفسیر پر فکر فراہی کا پلڑا غالب رہا ہے۔ جاوید احمد غامدی کی یہ سوچ ہے کہ اس تفسیر قران میں نظم وضبط و ترتیب کے لحاظ سے ایک کلیدی کردار ہے غامدی صاحب نے البیان کے مقدمہ میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> "انہوں نے اسے نظم قرآن کی رعایت سے اردو زبان میں منتقل کیا ہے تراجم کی تاریخ میں یہ پہلا ترجمۂ قرآن ہے کہ اس میں قرآن کا نظم اس کے ترجمے ہی سے واضح ہو جاتا ہے۔"[67]

جاوید احمد غامدی کی البیان میں ابلاغ اور زبان و بیان کہ ایک عام فہم قاری کے لیے آیات کا ربط اور ان کی ترتیب اور مناسبت اور سمجھنے میں بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب ترجمہ اور تفسیر میں کسی کے پابند نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی عقل کی نگاہ میں ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں محذوف نکالنے کی ضرورت ہو وہ وہی ترجمہ میں ہی اس کو نکال دیتے ہیں اگرچہ اس روش سے قرآنی مطالب میں بے احتیاطی تو ہو جاتی ہے مگر تسہیل اور روانی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

---

[67] غامدی، جاوید احمد، **تفسیر البیان**، ۱/۱۳۔

مفسر نے اپنی تفسیر میں محذوفات کو بہت ہی واضح انداز سے بیان کیا ہے تا کہ ایک عام فہم قاری کے لیے ان محذوفات میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور عوام الناس پر ان خزائن کے دروازے کھل جائیں تا کہ ان کو اللہ کا کلام سمجھنے میں اسانی ہو۔ ایسی ادبیت وعلمیت ایک اچھے مفسر کی علامت بنتی ہے۔

تفسیر البیان کے تفسیری فکر کا رہنما

غامدی صاحب نے اپنے تفسیری راہنما اور استاد جناب امین احسن اصلاحی صاحب کو تسلیم کیا ہے جو کہ حمید الدین فراہی مکتب فکر کے حامل ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنے استاد گرامی امین احسن اصلاحی یا حمید الدین فراہی کی پیروی بھی نہیں کی بلکہ اپنے اساتذہ اور پوری امت کے آراء کے خلاف اپنی عقل کی پیروی کی ہے جو کہ تفسیر بالرائے ہے اور مذموم ہے۔ اس کی امثلہ آنے والی سطور میں بالتفصیل بیان کریں گے۔

تفسیر البیان میں عقلی رجحان:

جاوید احمد غامدی کے تفسیری رجحانات عموما عقلی ہی ہیں۔ وہ ہر چیز کی عقل پسند تشریح کے خوگر ہیں، خواہ وہ صحیح روایت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو، اس کی ایک مثال جو آپ کی تفسیر کے حوالے سے زیادہ شہرت کے حامل ہے وہ مسح خفین کے حوالے سے درج ذیل ہے:

> "ہمارے ہاں لوگ بالعموم کہتے ہیں کہ دین کا عقل سے کیا تعلق ؟ یہ تو بس مان لینے کی چیز ہے۔ چنانچہ اس باب میں علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ دین کے احکام اگر عقل پر مبنی ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں کے اوپر مسح کرنے کا حکم نہ دیتے۔ عقل کا تقاضا یہی تھا کہ پاؤں چونکہ زیادہ تر نیچے سے گندے ہوتے ہیں، اس لیے مسح بھی وہیں کیا جاتا۔ ہمارے نزدیک یہ نقطۂ نظر کسی طرح صحیح نہیں ہے۔"[68]

---

[68] غامدی، جاوید احمد، **ماہنامہ اشراق**، دین اور عقل، فروری 2007، 58

جبکہ آگے جو اس کا عقلی جواب اور علت اور سبب بیان فرمارہے ہیں۔ وہ عقل کے دائرہ کار سے ہٹ کر اور قابل غور ہے:

"ہم نہیں سمجھتے کہ علی رضی اللہ عنہ جیسے عاقل انسان نے مسح کے بارے میں وہ بات کہی ہوگی جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص بادنیٰ تامل سمجھ سکتا ہے کہ جرابوں پر مسح ان کی غلاظت دور کرنے کے لیے نہیں کیا جاتا۔ اس کی حیثیت تیمم کی طرح محض ایک علامت کی ہے جس سے ہم ایک طرح کی ذہنی پاکیزگی حاصل کرتے ہیں۔ ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں محض پاؤں کے اوپر ہاتھ پھیر لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اسے کسی طرح خلاف عقل قرار نہیں دیا جا سکتا۔"[69]

اس عبارت میں جو عقلی احتمال پیش کیا وہ یہ ہے کہ جرابوں پر مسح غلاظت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ تو تیمم کی طرح ہے۔ یہ توجیہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی صریح نص سے متصادم ہونے کی وجہ سے قابل رد ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے آپ کے تفسیری رجحان کو عموماً رد کیا ہے۔ جبکہ جدید عصری طبقہ میں آپ کی تفسیر کو بہت سراہا جاتا ہے۔

تفسیر بالرائے میں جمہور علماءِ اُمت کے خلاف آراء:

جاوید احمد غامدی نے اپنی تفسیر میں جابجا اپنے اساتذہ اور جمہور امت کے خلاف آراء اختیار فرمائی ہیں، جیسا سورۃ النصر کی تفسیر میں اپنے اساتذہ کرام اور جمہور امت سے ہٹ کر اپنی عقل کی بنیاد پر ایک منفرد رائے اختیار فرمائی ہے تفسیر البیان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

---

[69] غامدی، جاوید احمد، **ماہنامہ اشراق**، دین اور عقل، فروری، 58، 2007

"سورۂ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے یہاں اس سورۃ (النصر) کے مقام سے واضح ہے کہ سورۂ کوثر کی طرح یہ بھی، اُمّ القریٰ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلہ ہجرت وبراءت میں آپؐ کے لئے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔"[70]

اس عبارت کا واضح مطلب یہ ہے کہ سورۃ النصر ہجرت سے پہلے مکہ میں ہی نازل ہوئی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ سورۃ مدنی سورۃ ہے جو کہ ازل سے ابد تک جمہور امت صحابہ تابعین اور خاص کر غامدی صاحب کے اساتذہ کی رائے کے خلاف ایک منفرد عقلی رائے ہے دیگر مفسرین کی تفسیر کی روشنی میں یہ بحث طویل ہو جائے گی۔ لہذا یہاں صرف بطور مشتے نمونہ از خروارے غامدی صاحب کے استاد گرامی قدر امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن کی تفسیر سے ایک جھلک پیش خدمت ہے:

"ہجرت اور فتح ونصرت کے درمیان یہی وہ رشتہ ہے جس کے سبب سے یہ سورۃ جو بالاتفاق مدنی ہے ایک مکی سورۃ کی مثنیٰ قرار پائی۔ اس سورۃ کے زمانۂ نزول سے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ فتح مکہ کے بعد نازل ہونے والی سورتوں میں یہ سب سے آخری سورۃ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ فتح مکہ سے پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک اسی دوسرے قول کو ترجیح حاصل ہے۔"[71]

اپنے اس تفسیری قول کی توضیح میں فرماتے ہیں کہ قران کو ترتیب نزولی کے بجائے ایک الگ سی ترتیب پر مرتب کیا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسباب نزول کا قران کی تفسیر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر اس طرح ہوتا تو قرانی سورتوں کو ترتیب نزولی پر مرتب کرتے تو ایک الگ ترتیب کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تفسیر البیان کے منہج اور اسلوب میں صرف یہ ہی نہیں کہ اپنے اساتذہ اور جمہور امت کے آراء کے خلاف ہے بلکہ بہت سارے مقامات تو ایسے ہیں جہاں نص کو رد کر کے اپنی عقل کی روشنی میں آیت کریمہ کی تشریح

---

[70] غامدی، جاوید احمد، **تفسیر البیان**، ۳/231

[71] امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن**، 615،616/9

اور تفسیر کرتے ہیں۔اس کی ایک مثال غامدی صاحب کی تفسیر البیان میں زیادہ شہرت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ غامدی صاحب سورۃ البقرہ کی آیت کریمہ میں حلت اور حرمت کا معیار بتاتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہیں:

﴿"إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾۔"[72]

(اس نے تو تمہارے لیے صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھہرایا ہے۔ اس پر بھی جو مجبور ہو جائے۔ اس طرح کہ نہ چاہنے والا ہو، نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ یقیناً بخشنے والا ہے وہ سراسر رحمت ہے۔)

جناب غامدی صاحب نے اس آیت کریمہ کی توضیح کرتے ہوئے حلت و حرمت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان کیا ہے کہ:

"کھانے پینے کی چیزوں میں قرآن نے اصلاً یہ چار ہی چیزیں حرام قرار دی ہیں، ان کے علاوہ جو چیزیں کھانے کیلئے موزوں نہیں سمجھی جاتیں وہ ممنوعاتِ فطرت ہیں، انسان ہمیشہ سے جانتا ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوے اور گدھے دستر خوان کی لذت کیلئے نہیں، بلکہ سواری کیلئے پیدا کیے گئے ہیں ان جانوروں کے بول وبراز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے۔ نشہ آور چیزوں کی غلاظت کو سمجھنے میں بھی اس کی عقل عام طور پر صحیح فیصلہ کرتی ہے۔ چنانچہ خدا کی شریعت نے اس معاملے میں انسان کو اصلاً اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے۔۔۔۔"[73]

---

[72] سورۃ البقرہ:2:173

[73] غامدی، جاوید احمد، **تفسیر البیان**، 1/136-137

غامدی کے مختلف عقائد کو علماء نے دین اسلام سے انحراف سمجھا ہے جس کی وجہ سے غامدی پر خوب تنقید فرمائی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں کہ حدیث اور سنت نبوی کی کوئی حیثیت نہیں، سابقہ انبیاء کی کتب اور صحائف قابل حجت ہیں، قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔[74]

کفر کے بارے میں جمہور علماء اُمت کے بر خلاف غامدی کا مزاج یہ ہے کہ غلام احمد پرویزی اور ان کے تمام سربراہان اسلام سے خارج نہیں اور نہ ہی کوئی کسی کو اسلام سے خارج کیا جاسکتا ہے یہ حق کسی کو نہیں۔[75]

یہ جاوید احمد غامدی کی تفسیر البیان کا منہج اور اسلوب تحریر تھا جس کی روداد ہم نے یہاں پیش کی اس کا علمی اور تحقیقی جائزہ اور عقلی رجحان کے منتخب اردو تفاسیر کا باقاعدہ تنقیدی جائزہ آنے والے آیات عقائد کے مضامین میں الگ الگ عنوان کے تحت پیش کئے جائیں گے۔

---

[74] غامدی، جاوید احمد، **میزان**،، علامات قیامت، مئی 2014، 177

[75] غامدی، جاوید احمد، **ماہنامہ اشراق**، اکتوبر، 2008، ٦٧

فصل دوم: عقل انسان اور فہم قرآن

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں صرف تین قسم کی مخلوقات کو احکام کا مکلف بنایا ہے ان تینوں مخلوقات میں قدر مشترک عقل ہے یعنی جو ذی عقل ہو وہ احکام کا پابند ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی عقل ہی کے ذریعے اچھے برے قبح اور حسن کی تمیز ہوتی ہے اگر انسانوں میں عقل نہ ہوتی تو یہ بھی دیگر جانوروں کی طرح دنیا میں احکام کا مکلف نہ ہوتے اور آخرت میں اسے جزاء وسزاء نہ دی جاتی، شریعت نے جہاں دیگر امور میں عقل کو داخل کیا ہے وہاں فہم قرآن اور قرآنی مضامین کو سمجھنے میں بھی عقل کو مُمد اور معاون سمجھا ہے ایسی بات نہیں جیسا کہ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ عقل اور نصوص قرآنی اور عقل اور دین کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ فہم قرآن ہو یا نصوص قرآنی کا سمجھنا ہو ہر ایک میں عقل کا استعمال ناگزیر اور عین فطرت ہے اس سے دوری اصول فطرت سے دوری ہے اس سے قبل کہ ان امور کو ہم عقل سے ہی ثابت کریں قرآن کریم نے خود عقل، سوچنے، سمجھنے، فقہ، تدبر وغیرہ کی بار بار ہدایت فرمائی ہے چنانچہ جن آیات کریمہ میں ان اُمور کی تاکید کی گئی ہیں وہ تو بہت ہیں مگر بطور نمونہ کچھ آیات کریمہ پیش خدمت ہیں:

ا۔ سورہ البقرہ میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو بیان کرتے ہوئے آیت کریمہ کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

"﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾"[76]

(ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں)

2۔ اسی طرح سورہ النحل میں خلقت خداوندی کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو اس میں غور فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾"[77]

(اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے) غور کرنے والوں کے لئے اس میں

(قدرت خدا کی بڑی) نشانی ہے)

---

[76] سورہ البقرہ:162:2

[77] سورہ النحل:11:16

3۔اسی طرح سورۃ آل عمران میں دعوت فکر کا انداز بھی پہلے کی طرح ہے کہ بہت ساری چیزیں ذکر کر نے کے بعد فرمان خداوندی ہے:

"﴿لَاٰیٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾"[78]

(عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں)

4۔سورہ الرعد میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

"﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾"[79]

(اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقلمند ہیں)

یہ تو کچھ آیات بطور نمونہ تھیں جو اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ عقل خداداد کو برُوئے کار لاتے ہوئے قرآن فہمی میں اس سے کام لینا چاہیئے اس کے برعکس جو لوگ فہم قرآن میں یا اللہ کی دیگر مخلوقات میں عقل سلیم کو استعمال نہیں کرتے ان کے لئے بہت ہی بڑی وعید کا ذکر کیا گیا ہے:

"﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾"[80]

(کچھ شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔)

یہاں اس آیت میں تو حد ہو گئی کہ جو لوگ عقل کو استعمال کئے بغیر اندھے اور بہرے ہو کر صبح شام وقت گزارتے ہیں اور قرآن میں فکر نہیں کرتے وہ تو بدترین خلائق ہیں، سورہ المائدہ میں یہود کی سرکشی اور خدا بیزاری کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کا سبب ان کی بے عقلی بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اس وجہ سے سرکش ہوئے کہ عقل کو استعمال کرتے ہی نہیں تھے:

"﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾"[81]

---

[78] سورہ آل عمران:190:3

[79] سورہ الرعد:19:13

[80] سورہ الانفال:22:8

[81] سورہ المائدہ:58:5

(یہ اس لئے کہ سمجھ نہیں رکھتے۔)

سورہ یونس میں "رجس "یعنی کفر کا سبب بھی ان حضرات کی بے وقوفی اور بے عقلی ہی قرار دی گئی ہے ارشاد ہے:

"﴿وَمَاكَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّابِاِذْنِ اللهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَايَعْقِلُوْنَ﴾"[82]

(حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں کہ خدا کے حکم بغیر ایمان لائے اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر وذلت کی) نجاست ڈالتا ہے)

یعنی اس کی مشیت صرف انہی لوگوں کے ایمان لانے سے غیر متعلق رہتی ہے جو اپنی عقل وفہم کی آیتوں نے بار بار اسی حقیقت کو صاف کر دیا ہے کہ کسی کے ایمان وہدایت کی راہ میں اصلار کاوٹ حق تعالیٰ کی طرف سے ہر گز نہیں ہوتی صرف انسان کی اپنی کج نظری اور بد نفسی کی طرف سے ہوتی ہے۔(آیت) "الرجس "۔(یعنی کفر وبدعقیدگی کی گندگی) رجس یہاں ایمان کے مقابلہ میں آیا ہے اس لئے اس کے معنی کفر کے ہیں۔

سورہ محمد میں تو باقاعدہ قرآن فہمی کے لئے غور وفکر کو شرط قرار دیا ہے اور جو لوگ قرآن فہمی میں غور فکر اور تدبر سے کام نہیں لیتے ان کے دلوں پر تو تالے لگے ہوئے ہیں چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں یہ بیان کچھ یوں ہوا ہے کہ:

"﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾"[83]

(کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں)

یہ تمام غور وفکر اور تدبر اور دعوت فہم اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے مخلوقات میں جو عبرتیں اور نشانیاں رکھی ہیں وہ یہاں قرآن کریم میں یا تو واضح طور پر یا اس کی طرف اشارہ کر کے بیان فرمائی ہیں جیسا کہ سورہ فصلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

---

[82] سورہ یونس:100:10

[83] محمد 24/47

"﴿ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴾"[84]

(ہم انہیں اپنی نشانیاں کائنات میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اپنے وجود میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل کر سامنے آجائے کہ یہی حق ہے۔ کیا تمہارے رب کی یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کا گواہ ہے؟)

یہ نشانیاں تو اہل بصیرت کو ہی نظر آئیں گی جو عقل کو مد نظر رکھتے ہوئے غور فکر کرے یعنی سارے عالم کی چھوٹی بڑی مخلوقات آسمان اور زمین اور ان کے درمیان تمام مخلوقات میں غور وفکر کرنے سے ہر چیز میں باری تعالی کی ذات پائی جاتی ہے باری تعالی کی ذات کا پایا جانا ایک واضح ثبوت ہے ہر چیز کی تخلیق کائنات میں انسانوں کی تخلیقی سے بہت مختلف اور یکتا ہے ایک انسان کی مثال اس کے جسم اور تمام اعضاء کا اپنے اپنے مقاصد کے لیے پیدا کیے ہیں ہر ایک عضو میں اگر صحیح غور وفکر کی جائے تو کائنات کے تمام انسان ایک عضو کو بنانے کا قابل نہیں اور ان تمام اعضاء کو اتنا مضبوط بنایا کہ ان کامل عمر حیات میں کبھی خرابی نہیں آتی اور ہر عضو اپنے کام کو بخوبی سرانجام دیتے ہیں سائنس کے ایجادات میں اگر غور کیا جائے تو وہ جلد خراب اور مضر انسان یا تباہی کا ذریعہ بن جاتا ہے تو مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے دنیا میں ہر چیز کو اپنے مقاصد اور غرض کے لیے پیدا کیا ہے اس سے باری تعالی کی ذات کا انکار کرنا سراسر ظلم ہوگا لیکن انسان کو ان تمام چیزوں میں غور وفکر اور تدبر کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن فہمی اور مخلوقات الہی کی سمجھ کے لئے یہ طریقہ ازل سے ابد تک جاری رہے گا انبیاء کرامؑ بھی غور و خوض کے ذریعے علم کے درجات میں آگے سے آگے چھوٹیاں سر کرنے کی کوشش فرمائی ہے سورہ البقرہ میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

"﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾"[85]

---

[84] سورہ فصلت:53:41

[85] سورہ البقرہ:28:2

(تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرز عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو حالانکہ تم
بے جان تھے اسی نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر وہی
تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا اور پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے)

اس آیت کریمہ میں حیات بعد الموت کا ذکر ہے جبکہ انبیاءؑ کا ہر ہر حکم اور فرمان پر پورا پورا یقین ہونے کے باوجود برائے تحقیق مزید اور غور و فکر کے پھر سے اللہ سے سوال کیا کہ مجھے حیات بعد الموت کی عملی شکل دیکھا دیجئے[86] تا کہ علم الیقین سے حق الیقین ہو جائے اور میرے علم میں بڑھوتری آجائے یہ در حقیقت حکم خداوندی کو علی سبیل البصیرت سمجھنا ہے جو کہ ہر کسی کے لئے دعوت فکر ہے اور ہر عاقل کے لئے راستے کھولنے کا سبب ہے

ہر غور و فکر کے نتیجہ میں اللہ تعالی بندے کو بہت کچھ سکھاتا اور بتاتا ہے اور بہت ساری چیزوں کی طرف راہ دکھاتا ہے یہی وجہ ہے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی کے پاس کوئی ڈرانے والا اور بتلانے والا پیغمبر نہ بھی آیا ہو تو عقل خداداد کو بروئے کار لاتے ہوئے اللہ تعالی پر ایمان لانا ضروری ہے اگرچہ اس سے دیگر احکام کے بارے میں سوال نہیں ہو گا اور عقل کو استعمال کر کے آدمی اللہ کی پہچان کر سکتا ہے۔

یہ تو بطور نمونہ کچھ امثلہ تھی یہاں تمثیلاً ذکر کر دیئے ان کے علاوہ بھی بہت سارے مقامات ہیں جن کے لئے ایک طویل مقالے کی ضرورت ہے محقق نے اس حوالے سے ایک تحقیق کی جس سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں عقل اور عقل سے تعلق رکھنے والے الفاظ کا تذکرہ کتنی مرتبہ ہوا ہے:

أ. عقل	48 مرتبہ
ب. اولوا الالباب	16 مرتبہ
ج. تفکر	18 مرتبہ
د. فقہ اور تفقہ	19 مرتبہ
ہ. یقین اور اس کے متعلقات	27 مرتبہ
و. حکمت اور اس کے متعلقات	204 مرتبہ
ز. حق (تحقیق) اور اس کے متعلقات	261 مرتبہ

ح. علم اوراس کے متعلقات 902مرتبہ

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ قرآن فہمی میں عقل کابڑادخل ہے قرآن کا فہم عقل سلیم کے بغیر ناممکن ہے اس کی اصل وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن کانزول انسان کے لئے فرمایاہے جوکہ ذوی العقول میں سے ہے اگراس کے نزول میں عقل کااعتبار نہیں ہوتاتواسے آسمانوں زمینوں پہاڑوں اوردیگر مخلوقات وغیرہ پرپیش کیاجاتا جیساکہ اللہ تعالی کافرمان ہے:

"﴿ إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾"[87]

(ہم نے (بار) امانت کو آسمانوں اور زمینوں پر پیش کیاتوانہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیااور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ان ذی عقول انسانوں کے لئے قرآن کریم نازل فرماکرکہ اس میں غورفکر کرے اوراس سے اپنے لئے راہ نجات اورراہ ہدایت پالے اورساتھ ساتھ حکم دیاکہ قرآن فہمی اور قرآن کو سمجھنے اوراس میں غورفکر کرنے کے لئے تگ ودو کرے کیونکہ سمجھ بوجھ اور عقل میں لوگوں کے اعتبارسے فرق ہوتاہے کچھ لوگ ایک چیز سالہاسال سے ایک ایسی نظرسے دیکھتے ہیں جس کاکوئی نتیجہ نہیں نکلتامگرکچھ لوگ خاص کرفقہاء کرام جب کسی آیت کریمہ کودیکھتے ہیں تواس کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں جیساکہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حدیث مبارکہ میں ہے:

(("نَضَّرَاللَّهُ عَبْدًا،سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا،ثُمَّ أَدَّاهَاإِلَى مَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا،فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَا فِقْهَ لَهُ،وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ-"))[88]

(اللہ تعالی اس بندے کوتروتازہ رکھے جومیری بات سن کراسے محفوظ کرےاوردوسروں تک پہنچائے کیونکہ بہت سارے لوگ جن کے پاس فقہ

---

[87] سورہ الاحزاب:۳۳:۷۲

[88] دارمی، أبومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن، **المسند**، (دار المغني، المملكة العربية السعودية، ۲۰۰۰م)، ۱/۳۰۲

تو ہوتا ہے مگر وہ اسے سمجھتے نہیں نہیں اور جن کے پاس یہ بات پہنچائی جاتی
ہے وہ اسے خوب سمجھتے ہیں)

عقول انسانی اور شعور انسانی میں بڑا فرق ہوتا ہے اسی لئے ایک ہی آیت کریمہ میں ایک آدمی کو وہ چیزیں نظر نہیں آتی جو دوسرے کو آتی ہیں اسی تعقل اور فکر کی طرف دعوت دیتے ہوئے سورہ محمد میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

"﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾"[89]

(کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں)

اس ایت کریم کی تشریح بار بار گزر چکی ہے یعنی کائنات میں غور و فکر سے اللہ کی معرفت میں اسانی ہو گی انسان غور و فکر سے کام نہیں لیں گے تو خدا سے دوری کا ذریعہ ہو گا یہاں جو سمجھ بوجھ نہیں رکھتے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ان وجوہات کی بنا پر اللہ کا کلام اس پر موثر نہیں ہو گا۔ایک حدیث میں روایت ہے حضور اکرم کا ارشاد ہے

(("عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: يَأْتِي على النَّاس زمَان يخلق الْقُرْآن فِي قُلُوبهم يتهافتون تهافتاً قيل يَارَسُول الله: وَمَا تهافتهم قَالَ: يقْرَأ أحدهم فَلَايجدحلاوة وَلَا لَذَّة))[90]

(لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قرآن ان کے دلوں پر پرانا ہو جائے گا اور وہ گرتے ہی جائیں گے پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا گرنا کیا ہے؟ فرمایا ان میں سے کوئی قرآن کو پڑھے گا اور اس کی حلاوت اور لذت کو نہیں پائے گا)

---

[89] سورہ محمد:47/24

[90] السیوطی، عبد الرحمن بن اَبی بکر، **الدر المنثور**،(دار الفکر، بیروت، س ن)،۷/۴۹۸

قرآن نے بغیر سوچھے سمجھے اور خاص کر خود قرآن کریم کو فہم کے بغیر ویسے بے تحقیق بات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا:

"﴿وَلَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنه مَسْـُٔوْلًا﴾"[91]

(اور جس بات کا تمہیں یقین نہ ہو، (اسے سچ سمجھ کر) اس کے پیچھے مت پڑو۔
یقین رکھو کہ کان، آنکھ اور دل سب کے بارے میں (تم سے) سوال ہو گا)

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالی نے تحقیق اور غور و فکر کی ترغیب دی ہے یعنی صرف فہم قرآن میں ہی نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات اور شعبہ جات میں عقل کو استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے یعنی جس بھی بات کی تم کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل مت کیا کرو کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی قیامت کے دن) پوچھ ہو گی کہ عقل کو استعمال کیا یا نہیں اور صحیح استعمال کیا یا غلط؟ اور آنکھ اور کان جو کہ عقل کے مددگار ہیں اور ان کا استعمال کس کس کام میں کیا وہ کام اچھے تھے یا برے؟ اور بے دلیل بات کا خیال دل میں کیوں جمایا؟

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عقل پر مبنی تحقیق کے درجات مختلف ہوتے ہیں کونسی تحقیق میں کتنی یقین کا درجہ ہونا چاہیئے اس حوالے سے بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ بہت ہی خوب رقمطراز ہیں کہ:

"ایک ایسی تحقیق کہ یقین کامل کے درجہ کو پہنچ جائے مخالف جانب کا کوئی شبہ بھی نہ رہے دوسرے یہ کہ گمان غالب کے درجہ میں آجائے اگر جانب مخالف کا احتمال بھی موجود ہو اس طرح احکام میں بھی دو قسم ہیں ایک قطعیات اور یقینیات ہیں جیسے عقائد اور اصول دین ان میں پہلے درجہ کی تحقیق مطلوب ہے۔۔۔ عقائد اور اصول اسلام میں اس تحقیق کا اعتبار نہیں

[91] سورہ الاسراء:۱۷:۳۶

اس کے مقتضی پر عمل جائز نہیں اور ظنی فروعی امور میں دوسرے درجہ یعنی ظن غالب کے درجہ کی تحقیق کافی ہے۔"[92]

یہاں کان آنکھ اور دل کی تخصیص شاید اس بناء پر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حواس اور دل کا شعور ، عقل وادراک اسی لئے بخشا ہے کہ جو خیال یا عقیدہ دل میں آئے ان حواس اور ادراک کے ذریعہ اس کو جانچ سکے کہ یہ صحیح ہے تو اس پر عمل کرے اور غلط ہے تو باز رہے جو شخص ان سے کام لئے بغیر بے تحقیق باتوں کی پیروی میں لگ گیا اس نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی۔

البتہ عقل کے لئے ضروری ہے کہ عقل سلیم ہو کیونکہ فہم قرآن اور تدبر قران کے تناظر میں قرآن نے جس عقل کی بات کہ ہے وہ عقل سلیم ہی ہے جب قرآن فہمی میں عقل سلیم سے کام لیا جائے اور اس میں کسی اور چیز کی آمیزش نہ ہو تو اس وقت ہر انسان کی رائے قابل قدر ہے قرآن نے خود لیتذکر ،لیتدبر ،یتدبرون، کہہ کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے اور اس فکر کی تلقین جابجا کی ہے اس لیے جب عقل میں آمیزش نہ ہو اور سلیم ہی ہو تو کسی بھی رائے میں تفسیر کا راستہ نہیں روکنا چاہیے ایسی بات نہیں جیساکہ ایک طرف کچھ حضرات بغیر کسی قید وبند اور بغیر کسی اصول کے صرف اور صرف عقل خواہ کیسی بھی ہو کا سہارا لیکر کہتے ہیں کہ قرآن فہمی میں ہر کس وناکس کی عقل کافی ہے اور بطور استدلال یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں:

"﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾"[93]

(اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟)

اس آیت کریمہ میں ہر کس وناکس کو اور ہر عاقل آدمی کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اپنی فکر کے مطابق قرآن فہمی میں غور وتدبر کرے، دوسری طرف ان لوگوں کا قول بھی مردود ہے جو عقل انسانی کو کچھ بھی حیثیت نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ ہر چیز میں نص کی ضرورت ہے۔ امت مسلمہ نے ان دونوں آراء کو قبول نہیں کیا بلکہ ایک درمیانی

---

[92] تھانوی، اشرف علی، مولانا، **بیان القرآن**، (دارالاشاعت، کراچی، س ن)، ۱/ ۲۱۳

[93] سورہ القمر:17:54

راستہ اختیار کرتے ہوئے عقل سلیم کی اچھی رائے اور عقل سقیم کی بری رائے میں فرق کیا ہے جس کی تفصیل اصول تفسیر کی بحث میں آجائیگی۔

خلاصہ بحث یہ کہ کہ نصوص قرآن کے فہم کے لیے عقل کا استعمال ناگزیر اور عین فطرت ہے اس سے دوری اصول فطرت سے دوری ہے اور یہی قرآنی تعلیمات ہیں کہ قرآن میں بار بار عقل کے استعمال کرنے پر زور دیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے قرآنِ مجید میں جگہ جگہ اللہ کی آیات و بینات کو سمجھنے کی ترغیب دی گئی ہے جنہیں صرف عقل سے ہی سمجھا جا سکتا ہے البتہ عقل کے لئے ضروری ہے کہ عقل سلیم ہو کیونکہ فہم قرآن اور تدبر قران کے تناظر میں قرآن نے جس عقل کی بات کہ ہے وہ عقل سلیم ہی ہے گویا کہ قرآن کی سمجھ اسی پر موقوف ہے کیونکہ اللہ تعالی نے انسانوں کو ایک طرف عقل دی اور دوسری طرف ان کی رُشد وہدایت کے لئے قرآن کریم کو نازل فرما کر یہ تاکید فرمائی کہ قرآن کریم کی فہم اور سمجھ کے لئے عقل سے کام لیا جائے اور اس میں غور وفکر غور وخوض کیا جائے تاکہ اس قرآن کریم میں جو پوشیدہ اسرار و رموز ہیں وہ سامنے آجائیں اور عوام وخواص ہر کس وناکس اس سے فائدہ حاصل کر سکے۔ قرآن فہمی اور مخلوقات الہی کی سمجھ کے لئے یہ طریقہ ازل سے ابد تک جاری رہے گا انبیاء کرامؑ بھی غور وخوض کے ذریعے علم کے درجات میں آگے سے آگے چوٹیاں سر کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

فصل سوم: عقل کے فہم قرآن میں کردار متعلقہ جمہور مفسرین کے اصول و قواعد

اس فصل میں تفسیر بالرائے کا تعارف اس کی اقسام و احکام اور وہ اصول بیان کیے جائیں گے جن کی بنیاد پر مفسرین تفسیر قرآن کرتے ہیں وہ ان کے یہاں متفقہ اصول ہیں۔

ا۔ تفسیر بالرائے یا تفسیر بالدرایہ:

مناہج تفسیر میں سے ایک بڑی قسم تفسیر بالرائے ہے لفظ الرائے کا تعلق قیاس اور اجتہاد اور جہد سے ہے۔ قیاس اور اجتہاد کے تناظر میں تفسیر کی جانے والے کو مجتھدین اور اصحاب الرائے کہا جاتا ہے۔یعنی قرآن مجید میں تدبر و تفکر کے ذریعے مطالب و مفاہیم کے نئے جہات تلاش کرنا، قرآن اور آیات قرآنیہ کے نئے نئے پہلو اجاگر کرنا تفسیر بالرائے کہلاتا ہے۔

تفسیر بالرائے کی تعریف:

تفسیر بالرائے کی تعریف مختلف مفسرین نے مختلف انداز میں کیاہے بہتر اور جامع تعریف یہ ہے جس کو علامہ صابونی نے تحریر فرمایاہے:

"التفسیربالرای اوالتفسیربالمعقول ان المفسرلکتاب اللہ تعالیٰ یتعمد فیه علی الاجتهاد،لاعلی الماثورالمنقول عن الصحابة او التابعین-"[94]

(تفسیر بر الرائے یا تفسیر بالمعقول یہ ہے کہ اس میں مفسر کی تفسیر کا مدار اجتھاد پر ہوتا ہے نہ کہ ان روایات پر جو صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں)

تفسیر بالرائے کے احکام معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی اقسام بھی معلوم کی جائیں کیونکہ اس کے احکام کا مدار اقسام پر ہی ہے بالفاظ دیگر یہی اقسام تفسیر بالرائے کے احکام بھی ہیں۔

---

[94] الصابونی، محمد علی، **التبیان فی علوم القرآن**،215

تفسیر بالرائے کی اقسام واحکام:

تفسیر بالرائے سے متعلق علماء دو قسم کی آراء رکھتے ہیں ایک جماعت کی رائے میں یہ ناجائز و حرام ہے اور کہتے ہیں کہ تفسیر بالرائے سے متعلق علماء کے دو قسم کی آراء رکھتے ہیں ایک جماعت کی رائے میں یہ ناجائز اور حرام ہے اور کہتے ہیں کہ تفسیر قران مصادر اصلیہ کے علاوہ نہیں کرنی چاہیے۔

کیونکہ قران کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا قران اور حدیث میں ان کی ممانعت آئی ہے۔اور قرآن کے اصلی معنی سے ہٹ کے تفسیر ہو جاتی ہے اور یہ تحریف کے دائرے میں آجاتا ہے تو لہذا یہ تفسیر ممنوع ہے۔

اور دوسرا گروہ کہ تفسیر بالرائے جائز ہے کہ قران کی تفسیر اپنی صحیح رائے کوشش اور محنت سے یا قیاس اور اجتہاد سے کی جائے۔کیونکہ اس تفسیر کے بارے میں قران پاک میں کئی آیات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو کہ بشر انسانی کے لیے اللہ تعالی نے تفسیر بالرائے میں ایک خاص قسم کی خوشخبری سنائی ہے کہ انسان کو اپنی تدبر اور تفکر اور سوچ سمجھ کے ساتھ ان آیات میں اور مشکل الفاظ میں اپنی رائے سے تفسیر کریں۔اس میں کچھ حرج بھی نہیں ہے۔

تفسیر بالرائے محمود:

تفسیر بالرائے محمود کی تعریف یہ ہے کہ قران کریم کی تفسیر اس کے اصلی مصادر کے پیش نظر کی جائے اور قران کے مدعا کو صحیح اور واضح ثابت کیا جائے اور اس میں قران اور احادیث کے خلاف کوئی ایسی تفسیر نہ ہو جو ان کے اصلی معنی کے ساتھ ٹکر ہو ان تمام شرائط پر پوری اتر جائیں تو یہ تفسیر برائے محمود ہے۔

تفسیر بالرائے مذموم:

اگر اس کے برعکس رویہ اختیار کیا جائے تو ایسی تفسیر "تفسیر بالرائے مذموم" کہلاتی ہے عبد العظیم زرقانیؒ مناھل العرفان فی علوم القرآن میں ان دو اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے:

"فإن كان الاجتهادموفقا أي مستندا إلى ما يجب الاستناد إليه بعيدا
عن الجهالة والضلالة فالتفسير به محمود وإلا فمذموم -"[95]

(اگر اجتہاد موافق ہو ان اصول کے جن کی طرف تفسیر قرآن میں استناد کیا جاتا ہے، جہالت اور گمراہی سے دور ہو تو تفسیر بالرائے محمود کہلائی گی اور اگر ایسا نہ ہو تو تفسیر بالرائے مذموم کہلائی گی)

یہ دو اقسام اس لئے بنی کہ اس حوالے سے کچھ مفسرین کا کہنا ہیں کہ تفسیر بالرائے جائز ہے جبکہ کچھ کا خیال ہے کہ ناجائز ہیں دونوں جماعتوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں جنھیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

مانعین کے دلائل:

جو علماء تفسیر بالرائے کے جواز کے حق میں نہیں ہیں ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1۔ کلام اللہ کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا ایسا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ کی جانب بغیر علم کے ایک بات منسوب کرنا، ایسا شخص اپنے گمان کی بنا پر ایک بات کہہ رہا ہے اور گمان کی بنیاد پر کچھ کہنا بلا دلیل ایسا ہے کہ خدا پر افتراء کیا جائے اور یہ سخت حرام کام ہے۔[96]

2۔ قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[97]

(اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ الذکر (قرآن) اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیں جو ان کی طرف نازل کی گئیں ہیں)

---

[95] الزُّرقاني، محمد عبد العظيم، **مناهل العرفان في علوم القرآن**، 2/49

[96] الذهبي، الدكتور محمد السيد حسين، **التفسير والمفسرون**، ۱/۱۸۳

[97] النحل: ۱۶/۴۴

اس سے واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سواء کسی دوسرے کو قرآن کریم کے مطالب بیان کرنے کا حق نہیں ہے۔

3۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ:

((من قال فی القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ من النار')) [98]

(جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی وہ اپنا

ٹھکانہ جہنم میں بنالے)

4۔ مانعین کہتے ہیں کہ علماء سلف صحابہ و تابعین سے جو اقوال روایت کرتے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تفسیر میں کتنی احتیاط سے کام لیتے تھے چنانچہ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:

''فاما تفسیر القرآن بمجرد الراءی فحرام[99]''

(صرف اپنی رائے سے تفسیر کرنا حرام ہے)

ان حضرات کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائے مطلقاناجائز ہے اوراسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

مجوزین کے دلائل:

جو علماء تفسیر بالرائے کو جائز سمجھتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ کلام اللہ میں بکثرت آیات ایسی ہیں جن میں فکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے جیسا کہ سورہ محمد میں ہے"

﴿"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا"﴾[100]

(بھلا کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے، یا دلوں پر وہ تالے پڑے ہوئے

ہیں جو دلوں پر پڑا کرتے ہیں؟)

---

[98] الترمذی، ابو عیسیٰ **محمد** بن عیسیٰ، **السنن**، باب ماجآء فی الذی یفسر القرآن برایہ، حدیث:۲۸۵۷، ۲/۴۳۵

[99] الطیّار، مساعد بن سلیمان بن ناصر، **شرح مقدمہ فی اصول التفسیر لابن تیمیہ**، ۲۶۰

[100] سورہ **محمد**:۴۷/۲۴

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾[101]

((اے پیغمبر) یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تم پر اس لیے اتاری ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غوروفکر کریں اور تاکہ عقل رکھنے والے نصیحت حاصل کریں)

یہ اوران جیسی دیگر آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آیات الٰہیہ میں فکر و تدبر کر کے ان کی تفسیر کرنا جائز ہے تفسیر بالرائے کو جائز قرار دینے والے یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے حضرت معاذ کو جب گورنر بنا کر یمن بھیجا تو سوال کیا کہ پیش آمدہ امور کا فیصلہ جب قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو تو فیصلہ کیسے کرو گے، اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں اجتہاد سے کام لوں گا، حضور ﷺ اس جواب پر بہت خوش ہوئے اس حدیث کے الفاظ یوں ہے:

(("اجتهدبرائی فقال رسول اللهؐ الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله"))[102]

(کل تعریف اس اللہ کی ہے جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے پیامبر کو حق بات کی توفیق دی)

اور یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے صحیح اجتہاد کرنے والے کو دوہرا اجر اور خطا کرنے والے کو اکہرے اجر کی نوید سنائی اس طرح اجتہاد و قیاس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے صحابہ کرام قرآن مجید پڑھتے اور باہم اس کے معانی و مطالب میں اختلافات بھی کرتے ظاہر ہے کہ اس اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ سب کچھ نبی ﷺ سے ان تک نہیں پہنچا تھا۔[103]

تفسیر بالرائے کا حکم اصلی:

---

[101]۔ سورۃ ص ۲۹/۳۸

[102] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، **سنن ابی داود**، باب الاجتھاد الرائی فی القضا، رقم الحدیث: ۳۵۹۲، (بیروت: مکتبۃ العصریہ، س ن)، ۳۰۳/۳

[103] الذھبی، الدکتور محمد السید حسین، **التفسیر والمفسرون**، ۱۸۸/۱

اس لمبی بحث کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تفسیر بالرائے جائز ہے یا حرام امام راغب اصفہانیؒ دونوں طرف کے دلائل ذکر کرنے کے بعد رقمطراز ہیں کہ:

"یہ دونوں مذاہب دراصل افراط و تفریط پر مبنی ہیں جس نے تفسیر منقول پر انحصار کیا اس نے تفسیر کے نہایت ہی ضروری حصے کو نظر انداز کر دیا اور جس نے ہر کس و ناکس کو تفسیر قرآن کریم کی اجازت دی اس نے کتاب عزیز کو اختلاط و امتزاج کا نشانہ بنا دیا۔"[104]

اگر فریقین کے دلائل کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے نزدیک تفسیر بالرائے جو کہ اصلی مصادر اور لغت عرب کے موافق ہو اور اس میں وہ تفسیر کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں جو تفسیر بالرائے کے ہیں۔ تو اس طرح تفسیر جائز اور درست ہے۔ تو ایسی ہی تفسیر کو تفسیر بالرائے محمود کہا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو تفسیر لغت عرب اور کتاب اللہ کہ اصلی مقاصد اور تفسیر کے اصولوں کے بر خلاف ہو تو اس کو تفسیر برائے مذموم کہا جاتا ہے علامہ صابونیؒ تفسیر بالماثور محمود کی صحت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"یکون فیه الاعتمادعلی اللغة العربیة وفهم اسلوبها علی طریقة العرب ومعرفة الطریقة التخاطب عندهم وادراک العلوم الضروریة،التی ینبغی ان یکون ملما بهاکل من اراد تفسیر القرآن کالنحواوالصرف وعلوم البلاغة،واصول الفقه،ومعرفة اسباب النزول الٰی غیرماهنالک من العلوم التی یتحاج الیها المفسر۔"[105]

((تفسیر بالرائے تب صحیح اور درست ہوگی) جب اس کا مدار لغت عربی اور اہل عرب کی طرح اس کے اسلوب کی سمجھ، اور ان کے یہاں کم کلام ہونے کا طریقہ اور دیگر ضروری علوم کا جاننا یعنی وہ علوم جو ایک مفسر تفسیر کرتے وقت اس کا اردہ کرتا ہے جیسا کہ علم الصرف، علم النحو، ولم

---

[104] الذهبی، الدکتور محمد السید حسین، **التفسیر والمفسرون**، ۱/۱۸۸

[105] الصابونی، محمد علی، **التبیان فی علوم القرآن**، ۲۱۵

بلاغت،اصول فقہ،اسباب نزول وغیرہ علوم جن کی طرف ایک مفسر تفسیر کرتے وقت ضرورت مند ہوتا ہے)

یعنی بالرائے اور بالاجتھاد کا یہ مطلب قطعانہیں ہے کہ آدمی اپنی ہی عقل پر مدار رکھ کر قرآن کی تفسیر لکھنا شروع کردے بلکہ تفسیر بالرائے سے مراد یہ ہے کہ کچھ علوم ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے تفسیر بیان کی جائے جو شریعت کے اصولوں کے برخلاف نہ ہوں یہ علوم مختلف علماء مفسرین نے مختلف انداز میں بیان کئے ہیں علامہ سیوطیؒ ان کی تعداد پندرہ بیان کرتے ہیں جیسا کہ الاتقان میں ہیں:

"۱۔ علم اللغۃ ۲۔ علم النحو ۳۔ علم الصرف ۴۔ علم الاشتقاق ۵۔ علم المعانی ۶۔ علم البیان ۷۔ علم البدیع ۸۔ علم القرآآت ۹۔ علم اصول الدین ۱۰۔ علم اصول الفقہ ۱۱۔ علم اسباب النزول والقصص ۱۲۔ علم الناسخ والمنسوخ ۱۳۔ علم الفقہ ۱۴۔ علم الاحادیث المبنیۃ لتفسیر المجمل والمبھم ۱۵۔ علم الموھبۃ۔"[106]

کیونکہ جب کوئی آیت کریمہ متشابہات پر مشتمل ہو تو اس صورت میں عقل پر مدار رکھنے کے بجائے ان علوم کی طرف مراجعت کی جائے گی جو اس حوالے سے معاون ثابت ہوسکتے ہیں اور پھر ان علوم کو عقل کی روشنی میں بروئے کار لایا جائے جیسا کہ علماء مفسرین کے مسلمہ اصول ہیں:

"أَنَّ الْقُرْآنَ إِذَا كَانَ مُشْتَمِلًا عَلَى الْمُتَشَابِهِ افْتُقِرَ إِلَى الْعِلْمِ بِطَرِيقِ التَّأْوِيلَاتِ وَتَرْجِيحِ بَعْضِهَا عَلَى بَعْضٍ وَافْتُقِرَ فِي تَعَلُّمِ ذَلِكَ إِلَى تَحْصِيلِ عُلُومٍ كَثِيرَةٍ"[107]

(قرآنی آیت اگر متشابہ پر مشتمل ہو تو اس صورت میں ایسے علم کی ضرورت ہوگی جو تاویل کے ذریعے مشابہ کی تفسیر کرے اور بعض کو بعض پر ترجیح دے اس حوالے سے بہت سارے علوم کی ضرورت پڑے گی)

---

[106]۔ السیوطی، جلال الدین، **الاتقان فی علوم القرآن**، ۴/ ۲۱۴

[107]۔ ایضا: ۳/ ۳۷

الغرض تفسیر بالرائے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف اور صرف اپنی عقل پر ہی تفسیر کا مدار رکھ کر کلام اللہ کی معانی بیان کئے جائیں بلکہ تفسیر بالرائے سے مراد ہے کہ ان علوم سے تعاون حاصل کی جائے جن کی علم تفسیر میں ضرورت پڑتی ہیں جن کی نشاندہی گزشتہ عبارات میں ہوچکی جمہور مفسرین کے برخلاف عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ تفسیر بالرائے محض عقل ہی کے تناظر میں کی جائیگی باقی جن علووم کو مفسرین نے بیان فرمایاہے ان کو عقلیت پسند حضرات کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اسے تو قرآن کے خلاف ایک محاذ سمجھتے ہیں جیسا کہ تمنا عمادی صاحب فرماتے ہیں:

(محاذ تفسیر ایک اہم محاذ ہے جو قرآن مجید کے خلاف قائم کیا گیا ہے۔ اس محاذ کے ضمن میں بہت سے اہم محاذ اور بھی ہیں۔ جیسے کہ محاذ شان نزول، محاذ وقف ووصل، محاذ تقدم وتاخر نزول، محاذ اسرائیلیات شامل ہیں)[108]

یعنی تفسیر اگر کی جائیگی تو محض قرآن سے ہی کی جائیگی باقی جتنے بھی اصول اور قواعد وضوابط ہیں خواہ وہ تفسیر بالرائے کے لئے ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ شان نزول، علم قراءت اور اسرائیلیات وغیرہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ یہ تو قرآن کے خلاف محاذ جنگ ہے۔

جمہور مفسرین کے تفسیر بالرائے کے مسلمہ اصول:

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے میں تعارض کی صورت میں ترجیح کا اصول:

دور حاضر میں مغربی تہذیب سے متاثر مصنفین بعض اوقات الفاظ قرآن میں محض اس بنا پر دور دراز کی تاویلات اختیار کرتے ہیں کہ ان کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے اور دلیل میں علمائے متکلمین کا یہ قاعدہ نقل کرتے ہیں کہ "اگر نقلی دلائل عقلی دلائل کے خلاف ہوں تو عقلی دلائل پر عمل کیا جائے گا، نقلی دلائل پر نہیں۔ اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لیے اس اصول کی مکمل وضاحت ضروری ہے۔

عقلی و نقلی دلائل میں تعارض کی کل چار صورتیں ممکن ہیں 1. دونوں قطعی ہوں۔ 2. نقلی قطعی ہو عقلی ظنی ہو۔ 3. عقلی قطعی ہو اور نقلی ظنی ہو 4. دونوں ظنی ہوں[109]

---

[108]۔ عمادی، علامہ تمنا، **اعجاز القران**، ۲۸۹

[109] تھانوی، اشرف علی، **الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ**، مکتبہ رحمانیہ، ص ۲۴

1. پہلی صورت جس میں نقلی و عقلی دلائل دونوں ہی قطعی ہوں ان میں تعارض عملا ممکن نہیں کہ کوئی دلیل عقلی قطعی کسی دلیل نقلی قطعی کے مخالف نہیں ہو سکتی کیوں کہ صادقین میں تعارض محال ہے یعنی دو مبنی بر حقیقت چیزوں میں تعارض نہیں ہو سکتا تو اس کی کوئی مثال بھی نہیں۔

2. دوسری صورت یہ کہ دلیل عقلی ظنی ہو اور دلیل نقلی قطعی ہو اس صورت میں ظاہر ہے دلیل نقلی کو ترجیح ہو گی اس کی مثال وہ آیات جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے بنی ادم کی تخلیق مٹی سے کی اور پھر اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر اس سے بشر انسانیت کا سلسلہ جاری رہا۔

﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ﴾[110]

(اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو مٹی بدبودار سیاہ گارے کی ہے۔)

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا﴾[111]

(اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے)

ان قطعی دلائل کے مقابلے میں تخلیق انسان کے وہ ظنی دلائل و نظریات ہیں جن میں تخلیق انسانی کے مختلف قیاسی اور ظنی دعوے کیے گئے ہیں جیسا کہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء۔ ظاہری بات ہے یہاں قطعی دلائل کو ظنی دلائل پر ترجیح ہو گی۔

3. تیسری صورت یہ ہے کہ دلائل نقلی ظنی ہوں اور دلائل عقلی قطعی ہوں اس صورت میں دلائل عقلیہ کو نقلیہ پر ترجیح ہو گی اور یہی وہ ایک صورت ہے جس میں علمائے متکلمین نے کہا ہے کہ دلائل عقلیہ کو نقلیہ پر ترجیح

---

[110] الحجر:۱۵/۲۸

[111] النساء:۴/۱

ہو گی[112] اور اس کو متجد دین نے اتنا عام کر دیا کہ جہاں بھی کوئی بات خلاف عقل نظر آئی اس میں ایسی تاویلات شروع کر دیں جس سے بہت زیادہ گمراہیاں پھیلیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ﴾[113]

(یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتا ہوا پایا)

اس آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ سورج زمین میں ڈوبتا ہے جب کہ مشاہدہ اور عقل یہ بتاتی ہے کہ زمین اور سورج کا کہیں ملاپ نہیں ہوتا یہاں دلیل عقلی قطعی ہے جب کہ دلیل نقلی ظنی ہے لہذا اس اصول کے مطابق عقلی قطعی کو ترجیح ہو گی اور نقلی میں تاویل ہو گی کہ ذوالقرنین کو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے سورج دلدل میں غروب ہو رہا ہے۔

4. چوتھی صورت یہ کہ جس میں دونوں ظنی ہوں یعنی دلائل عقلیہ اور نقلیہ دونوں ظنی ہوں۔ اس صورت میں بھی تمام علمائے متکلمین کا اتفاق ہے کہ دلائل نقلیہ کو ترجیح ہو گی کیونکہ الفاظ میں اصل حقیقت ہے۔ مجازی معنی کسی مجبوری کی بناپر اختیار کیے جاتے ہیں جیسا کہ ان کے متعارض عقل قطعی کے دلائل ہوں لیکن جب ان کے مخالف عقلی ظنی دلائل ہوں تو مجازی معنی مراد لینے کی کوئی مجبوری نہیں کیوں عقلی ظنی دلائل کبھی عالمگیر اور ابدی نہیں ہوتے ایک شخص انہیں تسلیم کرتا ہے تو دوسرا شخص ان کا انکار کرتا ہے۔ ایک زمانے میں انہیں علم سمجھا جاتا ہے تو دوسرے زمانے میں انہیں جہالت۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بیسوں مثالیں موجود ہیں ایک زمانے میں اشتراکی نظام کو انسانوں کا نجات دہندہ سمجھا جاتا تھا پھر اس کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام آگیا۔

تفسیر بالرائے کے دیگر اصول

مختلف علماء نے تفسیر بالرائے کے کچھ اصول مقرر کیے ہیں جن کا خاصہ درج ذیل ہے

1. مفسر تفسیر کے لیے ضروری علوم میں مہارت رکھتا ہو یعنی ایسی کوئی تفسیر معتبر نہ ہو گی جو قواعد عربیہ اور اہل لسان کے استعمال اور ان کے اصول وضوابط اور طرق متعارفہ کے خلاف ہو۔ علامہ سیوطی نے بڑی تفصیل سے ان علوم کو بیان کیا ہے جو مفسر کے لیے ضروری ہیں ان میں کسی بھی علم و فن میں کمی تفسیر میں گمراہی کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ان علوم میں سب سے پہلا علم لغت ہے بدیہی بات ہے کہ قرآن عربی میں ہے تو عربی زبان اور اس کے محاورات سے نابلد شخص تفسیر قرآن میں گمراہی کا شکار ہی ہو گا۔ اس کی مثال

---

[112] الحوالی، سفر بن عبد الرحمن، مناہج الاشاعرہ فی العقیدہ، دار المنابر، الفکر، ۱/ ۶۴

[113] سورہ الکہف ۱۴/ ۸۶

﴿وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِه فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ-فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾[114]

(اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے)

اس آیت کا سیدھا سیدھا مطلب ہے کہ بنی اسرائیل نے پانی مانگا تو موسی علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے عصا کو پتھر پر مارا پھر اس سے بارہ چشمے نکلے یہاں سر سید نے حجر سے مراد پہاڑ اور ضرب سے مراد چلنا لیا ہے۔[115]

ان کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ موسی علیہ السلام اپنی لاٹھی کے سہارے چل کر پہاڑ پر چڑھے اس پہاڑ کے آگے ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے ہیں سر سید صاحب چونکہ معجزات کو نہیں مانتے اس لیے انہوں نے عربی لغت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی مرضی کے معانی مراد لیے ہیں جو عربی میں استعمال ہی نہیں ہوتے۔

2. تفسیر ماثور کو معقول پر فوقیت دے یعنی ایسی کوئی تفسیر مقبول و معتبر نہ ہو گی جو حدیث مرفوع اور اقوال صحابہ کے خلاف ہو اس اصول کی اوپر بڑی تفصیل سے وضاحت کر دی گئی ہے یہاں صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ-وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾[116]

(بیشک (وہ جو اپنے آپ کو) مسلمان (کہتے ہیں) اور یہودی اور ستاروں کی پوجا کرنے والے اور عیسائی (ان میں سے) جو (سچے دل سے) اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور اچھے عمل کرے تو ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

اس آیت مبارکہ سے وحدت ادیان کا تصور پیش کرنا اور یہ کہنا کہ جو لوگ باری تعالی پر ایمان لائے اور یوم اخرت پر ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے وہ بھی مسلمانوں کی طرح آخرت میں کامیاب ہو گا اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابو الکلام آزاد اس نظریے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس آیت مبارکہ سے وحدت ادیان کا تصور پیش کرنا اور یہ کہنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ یوم آخرت پر ایمان لائے اور اچھے اعمال کرے وہ بھی مسلمانوں کی طرح آخرت میں کامیاب ہو گا اس آیت کی تفسیر میں مولانا ابو الکلام آزاد اس نظریے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[114] البقرہ:۲/۶۹

[115] تفصیل کے لیے دیکھیے، سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، خدا بخش لائبریری، انڈیا، البقرہ ۲:۶۰

[116] البقرہ:۲/۶۲

"اس اصل عظیم کا اعلان کہ سعادت و نجات ایمان و عمل سے وابستہ ہے نسل و خاندان یا مبنی گروہ بندی کو اس میں کوئی دخل نہیں یہودی جب ایمان و عمل سے محروم ہو گئے تو ان کی نسل ان کے کام نہ آئی نہ یہودیت کی گروہ بندی سود مند ثابت ہو سکی خدا کے قانون نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ کون ہیں اور کس گروہ بندی سے تعلق رکھتے ہیں؟ بلکہ صرف دیکھا کہ عمل کا کیا حال ہے؟"[117]

اس آیت مبارکہ کی یہ تفسیر درست نہیں کیونکہ بہت سی مرفوع احادیث سے ایمان باللہ کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے ہوتی ہے۔ مثلا

((عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعًا: والذي نفسُ مُحمَّد بيدِه، لا يسمعُ بي أحدٌ من هذه الأمة يهوديٌّ، ولا نصرانيٌّ، ثم يموتُ ولم يؤمن بالذي أُرْسِلتُ به، إلَّا كان مِن أصحاب النار)) .[118]

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس امت کا کوئی بھی یہودی اور عیسائی جو میری بعثت کے بارے میں سنے اور پھر وہ اس حال میں مرے کہ وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان نہ لائے تو وہ اصحاب النار میں سے ہو گا)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ تفسیر درست نہیں اور وہ تفسیر مذموم کے ذمرے میں آتی ہے

3. شریعت کے مسلمہ اصولوں اور مزاج کے خلاف تفسیر نہ کرے یعنی ایسی تفسیر معتبر نہ ہو گی جس میں اصل شریعت کا ابطال و انکار لازم آئے۔

مثلا کسی تفسیر سے انکار معجزات، حشر و نشر، وزن اعمال اور ملائکہ و شیاطین کے وجود کا انکار لازم آتا ہو یا جنت و جہنم کی تردید ہوتی ہو ایسی تمام تفاسیر تفسیر مذموم کے زمرے میں آتی ہیں۔

مثلا سر سید احمد خان فرشتوں کے بارے لکھتے ہیں

"قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا بلکہ بر خلاف اس کے پایا جاتا ہے جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی اصلی وجود نہیں

---

[117] ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامک اکیڈمی، لاہور، ج ۱، ص ۲۷۷

[118] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، باب وجوب الایمان برسالہ نبینا محمد، حدیث: ۴۰۳

ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہاء قوتوں کے ظہور کو اور ان قوی کو جو خدا نے اپنی مخلوق میں مختلف قسم کی پیدا کی ہیں ملک یا ملائکہ کہا جاتا ہے۔'[119]

مولانا کاندھلوی لکھتے ہیں۔

"بعض لوگوں نے تفسیر کے عنوان سے ایسی کتابیں لکھی ہیں کہ ان کے مطالعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کی غرض صرف یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے ہوئے ان حقائق کا رد ہو جن پر دین قائم ہے۔ لھذا قیامت، حشر و نشر، جنت و جہنم اور معجزات کی آیات و مضامین کی ایسی تشریح کی جاتی ہے کہ اس سے نہ قیامت باقی رہتی ہے نہ جنت و جہنم نہ حشر و نشر"۔[120]

4. رائے کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کرے، اصل بنا کر قرآن کو اس کے تابع نہ کرے۔

سر سید احمد خان اور غلام احمد پرویز کی تفاسیر میں اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں سر سید احمد خان نے اپنی رائے مذمومہ سے فطرت کا ایک اصول وضع کیا پھر جہاں قرآنی آیات اس کے خلاف نظر آتی گئیں ان میں تاویل کرتے گئے چنانچہ انہوں نے تمام معجزات کا انکار اسی اپنے خود ساختہ اصول کی بنا پر کیا ہے یہی حال غلام احمد پرویز صاحب کی تفسیر کا ہے۔

5. مفسر کی نیت مراد الٰہی تک پہنچنا ہو اپنے قائم کردہ نظریات کا ثبوت مقصود نہ ہو قرآن اللہ کی کتاب ہے تو اس کی صحیح تفسیر وہی ہو گی جو اس نیت سے ہو کہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی مراد و منشا کو سمجھنا ہے اس کے برعکس جو شخص محض اپنی عقل کی بنا پر پہلے سے چند نظریات اپنے ذہن میں بٹھالے اور پھر ان مخصوص نظریات کی بنیاد پر قرآن پاک پڑھے تو مقصد اس کا یہ ہوا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالی کی کتاب سے ہدایت کے بجائے ذلالت اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ لوگ قران کریم سے اللہ کا مقصد نہیں بلکہ اپنی نظریات کو پیش کر رہے ہیں تو ایسی تفسیروں سے ہدایت نہیں ذلالت ہی مل جاتی ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾[121]

(اللہ بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے)

---

[119] تفسیر القرآن ج ا، ص ۲۷۷

[120] کاندھلوی، محمد مالک، منازل العرفان فی علوم القرآن، ناشران قرآن، لاہور، ص ۲۶۴

[121] البقرہ: ۲/ ۲۶

لھذا قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے ذہن کو دوسرے نظریات سے خالی کر کے ایک طالب حق کی طرح قرآن کی طرف رجوع کیا جائے اور ساتھ ساتھ اللہ سے مدد ونصرت مانگنے کے ساتھ ہدایت کی دعا کی جائے۔

6. کسی آیت کی منقول تفسیر کو محض اس وجہ سے رد کرنا کہ اس کی حکمت ہماری عقل اور رائے سے بالا ہے یا ہمارے زمانے سے مطابقت نہیں رکھتی، بہت بڑی گمراہی ہے۔ مثلا

﴿وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ [122]

(اور جو مرد یا عورت چور ہو تو اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر ان کے عمل کے بدلے میں ان کے ہاتھ کاٹ دو)

یہ اور دیگر اسلامی سزاؤں کے بارے میں بہت سے لوگ مغرب سے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان میں کوئی ایسی تاویل کی جائے۔ جہاں سے مغرب راضی ہو جائے یہ طریقہ جہالت و گمراہی ہے۔

7. جہاں کوئی بات سلف سے منقول نہ ہو اور مذکورہ اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جب مفسر رائے دے تو اسے رائے کے درجے میں ہی رکھے قطعیت کے درجے میں نہ لے جائے کیونکہ اس میں دوسرے علماء کو بھی رائے دینے کا حق ہے یہ آراء کیونکہ منصوص نہیں ہیں لہذا ان کو ظنی درجہ میں رکھا جائے گا ان آراء کو قطعیت کا درجہ دینا جہالت اور گمراہی ہے۔

8. مقاصد قرآن کو مد نظر رکھتے ہوئے جو تفسیر کی جائے وہ معتبر اور درست ہو گی جب کہ اس کے برعکس وہ تفسیر جس میں آیات قرآنیہ کو قرآن کے حقیقی معانی اور مقاصد پر محمول کرنے کی بجائے اصول سائنس و فلسفہ، معاشی و صنعتی، زرعی ایجادات اور جدید ٹیکنالوجی کی تحقیقات پر منطبق کیا جائے اور قرآن کا مقصود اصلی انہی کو قرار دیا جائے تو یقینا ایسی تفسیر ذہنی اختراع۔ غرب سے مرعوبیت اور مزاج شریعت کے بعد کا شاخسانہ ہو گی۔

اس نوع کی مثال وہ تمام تفاسیر ہیں جن میں قرآن جو مکمل طور پر ایک سائنسی، معاشی، سیاسی، اور فلسفہ کی کتاب کے طور پر لیا گیا ہے۔

تفسیر بالرائے کے حوالے سے مشہور دو تفاسیر حسب ذیل ہیں:

1۔ تفسیر مفاتیح الغیب المعروف بتفسیر کبیر: مولف محمد بن عمر بن حسین فخر الدین الرازی (م606ھ)

---

[122] المائدہ:۵/۳۸

آپؒ اپنی تفسیر میں آیتوں اور سورہ وں کے درمیان ربط و تعلق کو بیان کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ ایک سورہ کے نقطہ ء اختتام کا دوسری سورہ کے آغاز سے کیا تعلق و مناسبت ہے وہ بیان کرتے ہیں اور بعض اوقات متعدد مناسبات ذکر کرتے ہیں اسی طرح، ریاضی، علوم طبیعی اور دوسرے علوم جدیدہ کا بھی اکثر و بیشتر ذکر کرتے ہیں۔ آپؒ کی یہ تفسیر تفسیر بالرائے محمود کی بہترین مثال ہے۔[123]

2۔ الکشاف عن حقائق التنزیل و عیون الا قاویل فی وجوہ التاویل المعروف تفسیر کشاف: مولف محمود بن عمرؒ

آپؒ نے، لغت عرب اور کلام اللہ کے بلاغی پہلو کو خوب اجاگر کیا ہے اور معانی، بیان، بدیع کی توضیح کے ساتھ ساتھ معتزلہ کے نظریات کی بھی خوب وکالت کی ہے۔ بہر حال ہر دور کے علماء نے کلام اللہ کے لغوی اور بلاغی پہلوؤں کے حوالے سے اس تفسیر کی خوب قدر کی ہے۔[124]

---

[123]۔ الصابونی، محمد علی، **التبیان فی علوم القرآن**، ۲۱۵

[124]۔ محمود، منیع بن عبد الحلیم، **مناہج المفسرین**، ۱۰۵

باب سوم: آیات عقائد کے فہم میں عقلی رجحان کا جائزہ

فصل اول: آیات توحید میں عقلی رجحان مفسرین کے آراء

فصل دوم: وحی اور ختم نبوت کے مفاہیم میں عقلیت پسند مفسرین کی آراء

فصل سوم: معجزات سے متعلق آیات کی عقلی تعبیرات کا جائزہ

فصل چہارم: آیات آخرت سے متعلق عقلیت پسند حضرات کی آراء

باب سوم: آیات عقائد کے فہم میں عقلی رجحان کا جائزہ

تمہید:

آج کل پوری امت میں عقائد کے لحاظ سے جن مشہور فرقوں کا وجود پایا جاتا ہے وہ عموماً دو ہی ہیں یعنی اہلسنت والجماعت جس میں حنفی، مالکی، شافعی و حنبلی وغیرہ شامل ہیں جبکہ دوسرا فرقہ شیعہ کے نام سے جانا جاتا ہے اس کی مشہور ذیلی شاخیں لگ بھگ تقریباً 32 بتائی جاتی ہیں، ان کے علاوہ امت میں کسی معتدبہ فرقے کا کوئی وجود نہیں ہے البتہ انیسویں صدی میں خال خال کچھ عقل پرست لوگوں کی ایک جماعت برصغیر پاک وہند میں نظر آتی ہے جو عقل کے تفسیر بالروایہ اور شرعی دلائل یعنی قرآن، حدیث اور اجماع پر ترجیح کے قائل ہیں، انہی عقلیت کے پرچار کرنے والوں میں جناب غلام احمد پرویز صاحب، تمنا عمادی صاحب، قادیانی مکتبہ فکر کے روح رواں مولوی محمد علی لاہوری قادیانی صاحب اور ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

یہ حضرات برملا کہتے ہیں کہ عقل ہر چیز پر فوقیت رکھتی ہے جس کی وجہ سے انہوں نے دین کے متفق علیہ عقائد میں شگاف پیدا کر دیا، اس ہدف کا نشانہ صرف اہل سنت ہی نہیں بنے بلکہ ایسے عقائد جو جمیع امت اہلسنت اور شیعہ حضرات کے مسلمہ عقائد تھے ان کے بھی تانے بانے لگادئے جن کی وجہ سے قرآن کریم کی آیات عقائد کے صحیح فہم میں خلل پیدا ہو گیا ہے جس سے امت کو بہت سا نقصان ہوا اور اس کا مداوا کرنا ایک ناممکن سی بات تو نہیں البتہ مشکل ضرور ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد آنے والی سطور میں ایک ایک کر کے جناب غلام احمد پرویز صاحب، تمنا عمادی صاحب، مولوی محمد علی لاہوری قادیانی صاحب اور ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب کے آیات عقائد سے متعلق تفسیر بالرائے اور عقلی رجحانات پیش کئے جانے کے بعد اس کا مرحلہ وار تجزیہ کیا جائیگا کہ ان حضرات کا آیات عقائد کے فہم میں عقلی رجحان کیا ہے؟ اور یہ لوگ کن اصول کی بنیاد پر عقل کو ترجیح دیتے ہیں؟ اور ان کے مقابلے میں جمہور اُمت اور علماء کرام کی رائے کیا ہے؟ اور جمہور اُمت کے مسلمہ اصول سے انہوں نے کیسے روگردانی کی ہے؟

عقائد اسلام میں کچھ اُمور ایسے ہیں جن میں ان تمام عقل پرست حضرات نے مل کر مخالفت کی ہے مگر ان میں کچھ اُمور ایسے بھی ہیں جن کی ایک ایک نے علیحدہ علیحدہ مخالفت کی ہے باقی جمہور علماء اُمت کی تائید کر رہے ہیں وہ اُمور جن میں اتفاقی طور پر مخالفت رہی ہے ان میں معجزات کا بیان بطور خاص قابل ذکر ہے اور جن امور میں جزوی

مخالفت رہی ہے ان میں توحید الٰہی اور ختم نبوت کا مسئلہ سر فہرست ہے جبکہ تصور آخرت بھی ان میں اکثر کے یہاں ایک معمہ ہے۔

فصل اول: آیات توحید میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء

عقیدہ توحید کی اہمیت وافادیت:

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے پہلا نظریہ اور سب سے اہم "عقیدۂ توحید" ہے۔ توحید تمام عقائد کی جڑ اور ابتدا ہے عقیدۂ توحید کے علاوہ انسانیت کی تکمیل نہیں ہوتی اور انسان کے لیے یہی ایک راستہ ہے کہ توحید پر ایمان لے آئیں اور اس پر ایمان لائے بغیر دنیا اور اخرت کی کامیابی ادھوری ہے کیونکہ اس دنیا کا چلانے والا ایک ہی ذات پاک ہے جس کی مشیت میں ساری کائنات عالم تابع ہیں اگر کسی انسان میں یہ عقیدہ رچ بس جائے تو ان کے لیے جنت کی خوشخبری ہو گی اور مشکلات اور آفات سے دور ہو جائے گا اور اگر اس عقیدے سے ہٹ کے کام کریں گے تو فساد اور بربادی کا سبب بنے گا۔

لا الہ الا اللہ کلمہ توحید ہے توحید کا اصلی مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ اقرار بالسان اور تصدیق بالقلب کے ساتھ ایمان لائے اور محمد رسول اللہ کلمہ کا دوسرا جز کے محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں یہ ایمان کی تکمیل کا دوسرا جز ہے اس کے بغیر ایمان نامکمل ہے اللہ تعالی نے قران میں عام اعلان کر دیا کہ:

"﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾"[125]

(خدا کے لیے اس کے مقابل اور مماثل اور شریک نہ بناؤ اور حالانکہ تم خوب جانتے ہو)

یعنی تم سب کو یہ معلوم ہے کہ کائنات کو چلانے والا ایک ہی ذات لاشریک ہے اور اس کا پورا کا پورا انتظام اور رزق اور پیدا کرنا مارنا سب اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔

اللہ کی ذات یاصفات میں کسی کو شریک کرنا دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے ایک حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

(("عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الذنب أعظم عند الله؟ قَالَ:أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ۔))"[126]

---

[125] سورہ البقرہ:۲/۲۲

[126] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب التفسیر، سورۃ البقرہ، حدیث نمبر:۴۴۷۷،۶/۱۸

(حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑا گناہ کونسا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمہارا خالق ہے کسی کو شریک ٹھہرانا)

اسی طرح معاذبن جبل رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے توحید کی اہمیت کو کچھ اس طرح اُجاگر فرمایا ہے:

((أَتَدْرِي مَاحَقُّ الله على عباده؟أن يعبدوه ولا يُشْرِكُوابِهِ شَيْئًا))[127]

(جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں)

قرآن کا اولین موضوع توحید ہے قرآن کے مدنی اور مکی سورتوں میں عقیدہ توحید کی واضح دلائل پائے جاتے ہیں سورۃ سباء سے لے کر سورۃ احقاف تک مکی سورتیں اور اسی طرح سورۃ محمد سے لے کر الحجرات تک مدنی سورتیں ہیں ان تمام صورتوں کے موضوعات ہی توحید باری تعالیٰ ہے اور بہت ہی تفصیلا بعض مقامات پر عقیدہ توحید کو بالکل واضح اور صاف صاف ذکر کیا گیا ہے توحید کو مختلف جہاد سے بیان کیا جا سکتا ہے مثلا توحید فی العبادات توحید فی الدعا اور مزید تفصیل قران کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔

دعوت کا پہلا مرحلہ جس کی طرف سیرت طیبہ سے رہنمائی ملتی ہے دعوت توحید (ایمان) کی دعوت ہے مگر اس دور میں نظریہ توحید کی عملی تشریح کے ساتھ دعوت رکھنی پڑے گی۔یعنی معاشرتی توحید،وحدت الٰہ،اس کے ضمن میں،انسانی مساوات اور اخوت وحریت کا بیان کرنا ہوگا۔معاشی سطح پر ملکیت کے بجائے ”امانت“ کے تصور کو بیان کرنا ہوگا کہ انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ اماناً ہے در حقیقت مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور سیاسی توحید میں ”اللہ کی حکمرانی“ اور بندوں کے لیے خلافت ونیابت کی دعوت دی جائے گی اور اس ضمن میں آلہ دعوت ”قرآن مجید“ ہوگا۔

اور یہ عقیدہ توحید ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق صرف اُمت محمد اور شریعت نبوی ﷺ سے ہے بلکہ آپ ﷺ سے پہلے جو اُمتیں گزری تھی ان میں بھی توحید کو بنیادی حیثیت حاصل تھی تمام انبیاء کی تعلیمات کا مرکزی خیال بھی خالقِ کائنات کی وحدانیت رہا ہے۔

---

[127] ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب اللباس، بَابُ إِرْدَافِ الرَّجُلِ خَلْفَ الرَّجُلِ، حدیث نمبر: ۵۹۶۷،،۷/ ۱۷۰

عقلیت پسند حضرات بھی عقیدہ توحید میں جمہور مفسرین سے متفق نظر آتے ہیں۔ البتہ کچھ الفاظ میں اپنی منفرد تشریح کرتے ہیں۔ جیسا کہ توحید فی الذات میں لفظ "اللہ کی تشریح میں جناب غلام احمد پرویز نے کچھ عقلی توجیہات پیش کی ہیں۔ جن کا ذکر اگلی مباحث میں کیا جائے گا۔ اسی طرح غلام احمد پرویز نے توحید فی الصفات کے معاملے میں بھی لفظ "رب" کی جو تشریح کی ہے اس میں بھی جمہور سے منفرد نظر آتے ہیں جبکہ باقی عقلیت پسند جمہور کے ساتھ متفق ہیں۔ جناب غلام احمد پرویز صاحب نے کارل مارکس کی اشتراکیت پر مبنی اپنے عقلی فلسفہ اور فکر کے پروان کے لئے قرآنی نظام ربوبیت کا فلسفہ ایجاد کیا پھر انہوں نے ایسا حل تلاش کیا جو واقعی ساری امت مسلمہ کے مسلمات کے خلاف تھا اور روسی اشتراکیت کے بالکل مماثل بلکہ عین مطابق تھا۔ اسی عقیدہ کی بنا پر پرویز صاحب نے ایسی تمام آیات کی تفسیر بالعقل اور تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے جن سے کسی بھی ذاتی ملکیت کا ثبوت فراہم ہوتا تھا، رب العالمین کی تفسیر اور اس کا مفہوم پرویز اکثر نظام ربوبیت لیتے ہیں، جو کہ اللہ تعالی کی صفت ہے۔ تو کیا جہاں نظام ربوبیت قائم نہیں ہو گا وہاں سے "رب" کا وجود ختم ہو جائیگا۔ جبکہ باقی عقلیت پسند توحید اور ربوبیت کے باب میں جمہور مفسرین سے متفق نظر آتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ توحید کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرتا اور عقل کے موافق ہونے کی وجہ سے ہمارے مسلم اُمت کے دانشور حضرات بھی اس کی حقیقت پر متفق ہیں البتہ توحید فی الصفات میں کچھ الفاظ کی خود ساختہ تفسیر بالرائے مذموم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مبحث اول: توحید فی الذات میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء:

عقیدہ توحید کے حوالے سے عموماً جمہور مفسرین اور عقلیت پسند حضرات متفق نظر آتے ہیں البتہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن میں عقلیت پسند منفرد تشریح کرتے ہیں اور جمہور اُمت سے تنہا نظر آتے ہیں اور ان میں سے صرف غلام احمد پرویز کی رائے مختلف ہے باقی عقلیت پسند حضرات جمہور کے ساتھ متفق ہیں۔

توحید فی الذات میں لفظ "اللہ" کی تشریح میں جناب غلام احمد پرویز صاحب نے کچھ عقلی توجیہ ضرور نقل فرمائی ہے پرویز صاحب جب اور جہاں کوئی بات کرتے ہیں یا کوئی تفسیر بیان کرتے ہیں وہ تفسیر بالروایہ کے بجائے عقل کو قرآنی فکر کی روح رواں سمجھتے ہیں مگر یہ بات عقائد کے میدان میں کچھ زیادہ ہے یعنی عقائد میں عقل پر کچھ زیادہ زور دیتے ہیں اور پرویز کی بیشتر کتابوں میں اس کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ ہر چند کہ پرویز صاحب

زبانی طور پر عقل کے مقابلہ میں وحی کی برتری کے قائل ہیں لیکن عملاً اپنے کسی مخصوص نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش میں تاویلات سے کام لیتے ہیں۔

غلام احمد پرویز صاحب تفسیری مصطلحات میں ایک تفرد رکھتے ہیں اور ہر چیز کی تفسیر اپنے عقلی زاویہ سے اپنے ہی انداز میں کرتے ہیں، ذات باری تعالی کے متعلق پرویز صاحب کا جو عقیدہ ہے اس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"اللہ اور رسول سے مراد مرکزی نظام اسلامی ہے۔"[128]

جناب غلام احمد پرویز صاحب تفسیر مطالب الفرقان کے ایک اور مقام پر اس کی تفسیر و تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اللہ اور رسول سے مراد اسلامی مملکت یا قرآنی نظام حکومت ہوتا ہے۔"[129]

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی یہ تفسیر بالرائے ایک مفصل اور اہم فلسفہ ہے اور یہی فلسفہ پرویز صاحب کی دیگر کتب میں کچھ اس طرح مذکور ہے:

چونکہ خدا ان صفات عالیہ سے عبارت ہے جنہیں اپنے اندر انسان منعکس کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے حقیقتا بندہ اللہ تعالی کی فرمانبرداری کو اپنی فطرتی قاعدے کا فرمانبردار ہے[130]

---

[128]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/ ۳۴۰

[129]۔ ایضا:۶/ ۴۷۰

[130]۔ چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، ۲/ ۲۴۱

پرویز صاحب نے ہر لفظ میں اپنی ایک الگ اصطلاح بنا رکھی ہے جیسا کہ لفظ اللہ جل جلالہ کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾[131]

(بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں ان کے لیے اب جنت ہے)

پرویز صاحب اس آیت میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ سے مراد قرآنی معاشرہ ہے اور مؤمنین سے مراد افراد معاشرہ اور جنت سے مراد روٹی کپڑا اور مکان یا ضروریات زندگی ہیں"[132]

گویا قرآنی حکومت افراد و معاشرہ کو ضروریات زندگی دے گی (ایتائے زکوۃ اور اس کے عوض افراد معاشرہ کی جانیں بھی اور اموال بھی سب کچھ قرآن حکومت کے ہوتے ہیں اسی معاہدہ کی رو سے افراد معاشرہ اپنی انفرادی ملکیت رکھ ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ تو اپنا سب کچھ حتی کہ جانیں بھی قرآنی حکومت کے ہاتھ "جنت" کے عوض فروخت کر چکے ہیں۔

لفظ اللہ باری تعالی کے نام کو جو انہوں نے ایک خاص معنی میں لیا ہے اسی طرح غلام احمد پرویز اور ان کے حواریوں کے یہاں لفظ جلالۃ "اللہ" کی بھی ایک عقلی تفسیر اور خاص تصور ہے وہ اکثر اللہ کا قانون مراد لیتے ہیں، ایک مقام پر قرآن فہمی کا گر بتاتے ہوئے پرویز صاحب نے سلیم کے نام ایک خط میں لکھا:

---

[131] سورۃ التوبہ:۹/۱۱۱

[132] چوہدری غلام احمد پرویز، **نظام ربوبیت**، (لاہور، طلوع اسلام، طبع چہارم، ۱۹۹۵ء)، ۱۱۷

"سلیم! اگر تم ایک اہم نکتہ کو سمجھ لو تو قرآن فہمی میں تمہاری بہت سی مشکلات کا حل خود بخود نکل آئے گا، یعنی ان مقامات میں اللہ کی جگہ اگر تم "اللہ کا قانون" کہہ لیا کرو، تو بات بالکل واضح ہو جائے گی"[133]

مذکورہ بالا قاعدے کے تناظر میں غلام احمد پرویز صاحب "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کچھ یوں رقمطراز ہے:

"انہوں نے قانون خداوندی سے موافقت پیدا کر لی اور قانون ان کا رفیق اور یاور بن گیا"[134]

جبکہ جناب پرویز صاحب لفظ "اللہ" سے بعض دفعہ "قرآنی معاشرہ" بھی مراد لیتے ہیں، سلیم کے نام ایک خط میں تحریر ہیں:

"مذہب نے جس خدا کو کائنات سے ماورا، عرش پر بٹھا رکھا ہے وہ واقعی کسی انسان کے رزق کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ اس کے رزاق ہونے کے دعوی کے باوجود اس کی خدائی میں کروڑوں بندے بھوکے سوتے اور لاکھوں انسان فاقوں سے مرتے ہیں، اس بلند آہنگ اعلان کے باوجود کہ:

"﴿ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾"[135]

(زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو)

چوہدری غلام احمد پرویز لکھتے ہیں:

---

[133] چوہدری، غلام احمد پرویز، غلام احمد پرویز، **سلیم کے نام خطوط**، ۱/۱۰۸

[134] چوہدری غلام احمد پرویز، **نظام ربوبیت**، ۱۲۵

[135] سورۃ ھود: ۱۱/۶

"آج آدھی دنیا کو پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہو رہی ہے۔لہذا انسانوں کے خود ساختہ مذہب پیدا کردہ "خدا" پر ایمان لانے اور اس سے دعاؤں پر توکل کرنے سے وہ یقین کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتا جو انسانوں کو احتیاج کی فکر سے بے خود کر دے لہذا جب ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک کا رزق اللہ کے ذمے ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نظام جو قوانین خداوندی کی رو سے قائم ہو تمام افراد کی ضروریات زندگی کا کفیل ہوتا ہے۔"[136]

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

ان مفاہیم سے یہ بات اجاگر ہو جاتی ہے کہ پرویز صاحب کی توحید فی الذات میں ان کے نزدیک اللہ تعالی کوئی ایسی ہستی نہیں جو قادر، خالق، رزاق، محی، ممیت اور حی و قیوم جیسی صفات کی حامل ہو، بلکہ سارے اختیارات اللہ کے قانون اللہ کے نظام، ربوبیت اور قرآنی معاشرے کو حاصل ہیں، اللہ رب العزت تو بڑی وسعتوں کا مالک اور محض علم وبصیرت والا ہے لیکن خدا کی ان صفات کو خدا کے نظام یا قانون کیساتھ تشریح کر ڈالنا اور پھر اس نظام یا قانون ہی کو بڑی وسعتوں سے مالک اور سراپا عالم وبصیرت قرار دینا، قطعی مہمل بات ہے۔ بلاشبہ، اللہ تعالی نے قرآن کی صورت میں ایک دستور اور قانون حیات دیا ہے جس کے ایک قانون کا انکار بھی کفر ہے لیکن اس کے باوجود خدا کے قانون اور دستور کو خود خدا قرار نہیں دیا جا سکتا (خواہ وہ بقول پرویز، قانون ربوبیت ہی کیوں نہ ہو۔) اللہ اور اس کے قانون کو شے واحد یا مترادف المفہوم قرار دینا، کھلی کھلی تلبیس و تدلیس ہے۔ یقیناً ہم سجدہ اللہ تعالی کے حکم کی اطاعت ہی میں کرتے ہیں اور صرف اسے ہی سجدہ کرتے ہیں (نہ کہ اس کے حکم اور قانون کو) لاریب، حکم خداوندی پر چلنا ہی، اس کی عبادت وبندگی اور اطاعت و فرمانبرداری ہے مگر معبود اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے نہ کہ اس کا حکم یا قانون۔

حافظ دین محمد قاسمی صاحب اللہ تعالی کی صفت کے بارے میں غلام احمد پرویز صاحب پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[136] چوہدری، غلام احمد پرویز، **سلیم کے نام خطوط**، (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، طبع ششم، اگست ۱۱۹۴اء)، ۱/ ۲۳۶

"بے شک، اللہ تعالی، دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں، خیالات، محرکات و مقاصد
واغراض وغایت سے واقف و باخبر ہے لیکن خدا کی اس صفت (علیم بذات
الصدور) کو خدا کی بجائے، اس کے "قانون مکافات" سے وابستہ کر دیا جائے
تو یہ نہ صرف یہ کہ خلاف حقیقت ہو گا۔۔۔ قانون کی خوبی ہی یہ ہوتی ہے کہ
وہ اندھا ہو، تاکہ وہ امیر و غریب، شاہ و گدا، ادنی و اعلی اور شریف و وضیع میں
فرق و امتیاز نہ کر سکے اور سب کیساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنا اس کا شیوہ
ہو۔"[137]

اللہ کی ذات سے لیکر اللہ کی صفات تک تبدیل کر دیں اور تبدیل کرنے کے پیچھے جناب غلام احمد پرویز صاحب کی تفسیر بالرائے اور عقل پسند اقوال ہیں اور یہ عقلی محور بھی عجیب ہے کہ دوسروں کی عقل کے بر خلاف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم میں جس چیز کی بھی تفسیر کی جائے اور جو بھی چیز ناپی جائے اور اس کی صحت اور سقم نکالا جائے تو عقل مخصوص کو پیمانہ بنایا جائے اگر اس نے اسے صحیح قرار دیا تو سمجھیں صحیح ہے ورنہ غلط، کیا دنیا میں عقلاء کے یہاں عقل کا یہی معیار ہے؟

خلاصہ کلام یہ کہ جناب غلام احمد پرویز نے لفظ اللہ سے مراد ایک خاص نظام لیا ہے جو کہ نہ صرف جمہور مفسرین کے بر خلاف ہے بلکہ عقلیت پسند حضرات میں سے تاحال کسی نے بھی یہ تشریح اور تفسیر ذکر نہیں کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جناب غلام احمد پرویز صاحب کی اپنی اور خود ساختہ تشریح ہے جو تفرد در تفرد ہونے کی وجہ سے مقبول نہیں ہے۔

---

[137] قاسمی، محمد دین، حافظ، **غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر**، (لاہور، بیت الحکمت، ۲۰۰۷ء)، ۲۸۹

مبحث دوئم: توحید فی الصفات میں عقلیت پسند مفسرین کی آراء:

توحید فی الصفات سے مراد ہے کہ اللہ تعالی جس طرح ذات میں یکتا اور تنہا ہے اسی طرح اللہ تعالی صفات میں بھی تنہا ہے یعنی جو صفت اللہ کے لئے جس انداز میں ثابت ہیں ایسا کسی کے لئے بھی ثابت نہیں ہے یہ صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے۔

توحید فی الصفات میں بھی عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات اور جمہور مفسرین متفق نظر آتے البتہ غلام احمد پرویز صاحب توحید فی الصفات میں لفظ "رَب" کی جو تشریح اور تفسیر کرتے ہیں وہ کچھ منفرد ہے جو نہ صرف جمہور مفسرین سے علیحدہ ہے بلکہ عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات میں سے کسی نے بھی تا حال یہ تشریح نہیں کی ہے۔ ان کے علاوہ باقی مفسرین جمہور کے ساتھ متفق نظر آتے ہیں۔

آیات ربوبیت میں عقلی رجحان مفسرین کے آراء:

اللہ کی صفاتی ناموں میں سے ایک نام "رَب" ہے یہ لفظ غلام احمد پرویز کی تفسیر بالرائے میں شامل ہے اور توحید فی الصفات کی بحث میں مروج ہے قرآن کریم میں جہاں جہاں لفظ "رَب" کا استعمال ہوا ہے جناب غلام احمد پرویز صاحب نے اس سے "نظام ربوبیت" لیا ہے جو کہ ان کے یہاں ایک خاص اصطلاح اور مخصوص فلسفہ ہے اس فلسفے کا پس منظر یہ ہے کہ پرویز صاحب کے معاشی نظریات ان کی فکر کا اہم جزو سمجھے جاتے ہیں، وہ کمیونزم کے کلی طور پر قائل ہیں اور اس کو "نظام ربوبیت" کا نام دیتے ہیں۔[138]

پرویز صاحب کا "قرآنی نظام معیشت" ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس کی خود ساختہ تفسیر کر کے اس نظام کو "نظام ربوبیت" کا نام دیتے ہیں۔ اپنے اس مؤقف کو ثابت کرنے کیلئے انہوں نے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ اپنے کتب، رسائل، تحریروں اور تقریروں میں بتکرار اس بات پر زور دیا کہ قرآن کسی شخص کی ذاتی ملکیت رکھنے کی اجازت نہیں دیتا، جملہ وسائل و ذرائع، خواہ وہ قدرتی ہوں یا مصنوعی، انہیں شخصی ملکیت میں رکھنے کا جواز، ازروئے قرآن نہیں ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد دین قاسمی نے پرویز صاحب کی کتب و رسائل سے ایک سو اقتباسات بطور نمونہ درج کیے ہیں جن میں انہوں نے ذاتی ملکیت کو خلاف قرآن قرار دیا ہے اس قسم کی

---

[138]۔ چوہدری، غلام احمد پرویز، کمیونزم، ۶۷

تفسیر بالعقل والی عبارات مطالب الفرقان کے علاوہ پرویز صاحب کی دیگر کتب میں بھی بہت ساری ہیں جس سے پرویز صاحب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جہاں قرآن میں لفظ "رَب" آیا ہے اس سے مراد اللہ کی وہ مخصوص صفت نہیں ہے جس کو علماء استعمال کرتے ہیں بلکہ اس سے مراد قرآن کا نظام ربوبیت اور قرآن کا معاشی فلسفہ ہے جیسا کہ طلوع اسلام میں لکھتے ہیں:

"قرآن کا معاشی نظام اور کمیونزم کا معاشی نظام، ایک ہی ہے یا ان دونوں میں مماثلت ہے تو آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ دنیا کی کسی قوم نے اسلام کے معاشی نظام کو اپنایا ہے قرآن کریم نے یہ نظام چودہ سو سال پہلے دیا تھا اور کمیونزم کا نظام بیسویں صدی کی پیداوار ہے اس لیے یہی کہا جائے گا کہ کمیونزم نے یہ نظام اسلام سے لیا ہے۔ نہ کہ اسلام اس نظام کو کمیونزم سے مستعار لے رہا ہے۔"[139]

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

جناب غلام احمد پرویز اس اصلاح میں کئی خامیوں کا شکار ہیں ان میں سے سب سے پہلے یہ کہ انہوں نے مارکسزم کی نظام کو پروان چڑھانے کے لئے قرآن کریم سے بے جا استدلال کر کے اصطلاح گھڑلی ہے ڈاکٹر محمد دین قاسمی نے مذکور نظریات پر اپنی کتاب "تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" کی دوسری جلد میں بہت ہی اچھوتے انداز میں گرفت کیا ہے مبصر کی رائے یہ ہے کہ:

پرویز صاحب اسلام اور اشتراکیت، ہر دور میں، ان کے معاشی نظام اور ان کے فلسفہ حیات میں ائتلاف و تلازم کے معتقد رہے اس کے بعد ان کے

---

[139] چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، مارچ، ۱۹۶۶ء، ۲۷

معاشی نظام کو فلسفہ حیات سے جدا کر دیے اور یہ دلیل دی کہ کہ معاشی نظام کو کمیونزم نے قرآن مجید سے لیا ہے۔[140]

تفسیر مطالب الفرقان" پر مذکورہ بالا بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے اللہ تعالی کے صفاتی ناموں میں سے لفظ "رَب" کی تفسیر میں امت مسلمہ کے متفق علیہ عقائد اور مسلمہ افکار سے انحراف کی راہ اختیار کی ہے۔ علمی دیانت بھی ان کی تحریروں میں مفقود ہے۔ مفسر کی عربی زبان و قواعد سے ناواقفیت کی گئی مثالیں بھی اس میں موجود ہیں۔ اپنے مدعا و مقصد کی بر آری کیلئے قواعدِ زبان کی بھی مخالفت کی اور تاریخی حقائق کو بھی نظر انداز کیا۔

جناب غلام احمد پرویز صاحب نے کارل مارکس کی اشتراکیت پر مبنی اپنے عقلی فلسفہ اور فکر کے پروان کے لئے قرآنی نظام ربوبیت کا فلسفہ ایجاد کیا پھر انہوں نے ایسا حل تلاش کیا جو واقعی ساری امت مسلمہ کے مسلمات کے خلاف تھا اور روسی اشتراکیت کے بالکل مماثل بلکہ عین مطابق تھا، پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"جو کچھ قرآن سے میں سمجھا ہوں وہ یہی ہے کہ قرآن کسی کے پاس فاضلہ دولت نہیں رہنے دیتا اور وسائل پیداوار پر خواہ وہ فطری ہوں یا مصنوعی، کسی کی ذاتی ملکیت کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا، خواہ ملکیت افراد کی ہو یا سٹیٹ کی۔"[141]

اسی عقیدہ کی بنا پر پرویز صاحب نے ایسی تمام آیات کی تفسیر بالعقل اور تحریف معنوی کا ارتکاب کیا ہے جن سے کسی بھی ذاتی ملکیت کا ثبوت فراہم ہوتا تھا، رب العالمین کی تفسیر اور اس کا مفہوم پرویز اکثر نظام ربوبیت لیتے ہیں، جو کہ اللہ تعالی کی صفت ہے۔ تو کیا جہاں نظام ربوبیت قائم نہیں ہوگا وہاں سے "رب" کا وجود ختم ہو جائیگا۔ رب العالمین کا معنی "نظام ربوبیت" پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ محمد دین قاسمی رقمطراز ہیں:

"رب العالمین کا معنی "نظام ربوبیت" بیان کرنا، گویا جدت طرازی کی ماؤنٹ ایورسٹ کو سر کر لینا ہے۔ علاوہ ازیں، اس معنی میں "جدت طرازی" اور

---

[140] قاسمی، محمد دین، **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ**، ۱/ ۵۴۵

[141] چوہدری غلام احمد پرویز، **نظام ربوبیت**، ۲۳

"نرالا پن" دونوں ہی جمع ہو گئے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ (فرض کیجئے) کسی مقام پر "نظام ربوبیت" کا وجود قائم نہ ہو اس وقت تک "رب العالمین" کا خاتمہ ہو گا؟ اور جو نہی، جس مقام پر "نظام ربوبیت" وجود پذیر ہو جائے تو کیا اس کے معنی، خود "رب العالمین" کا معرض وجود میں آجانا ہو گا؟ اور پھر کیا "نظام ربوبیت" کے فنا کے گھاٹ اترتے ہی (معاذاللہ) "رب العالمین" کا وجود بھی مٹ جائے گا؟ ان پر سرسری غور و فکر ہی "مفکر قرآن" کی الحاد فی الآیات کی عادت مالوفہ کو واضح کر دیتا ہے۔"[142]

خلاصہ کلام یہ کہ توحید میں اُمت کے علماء و مفسرین متفق نظر آتے ہیں سوائے جناب پرویز صاحب کے کہ وہ توحید کی بحث میں تمام اُمت کو چھوڑ کر صرف اپنی عقل کے بل بوتے لفظ "رَب" کی خود ساختہ تشریح فرماتے ہیں کیونکہ وہ روسی نظام اشتراکیت سے بہت حد تک متاثر ہیں اور اس کے لئے انہوں نے "نظام ربوبیت" کے نام سے ایک خاص اصطلاح اور فلسفہ فکر قائم کیا تاکہ اس کا کارل مارکس سے اخذ شدہ معاشی فلسفہ وجود پکڑے، اس کے لئے قرآن کریم میں ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے انہوں نے گریز نہیں کیا اور اسی کو ہی وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔

توحید کے لحاظ سے اُمت کے متفقہ عقائد میں سے صرف یہ دو مقامات ایسے ہیں جن میں جناب غلام احمد پرویز صاحب اپنے عقلی فلسفے کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں اس کے علاوہ باقی کوئی ایسی صورت نہیں ہے جس میں عقلیت پسند رجحان رکھنے والوں میں سے کوئی شخصیت اس میں اختلاف کرتی ہو بلکہ توحید میں باقی علماء کرام کی طرح عقلیت پسند رجحان رکھنے والے بھی متفق نظر آتے ہیں۔

---

[142] قاسمی، محمد دین، حافظ، **غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر**، ۲۸۹

فصل دوم: وحی اور ختم نبوت کے مفاہیم میں عقلیت پسند مفسرین کی آراء

ہم جس دور سے تعلق رکھتے ہیں آئے روز نئے نئے نظریات پیش کئے جارہے ہیں لیکن اسلامی معاشرے میں تمام قسم کے افکار و نظریات کی بنیاد وحی قرار پاتی ہے اور دیگر ہمہ قسم کے نظریات قابل تردید ٹھہرتے ہیں انبیاء کرام پر یہ وحی ایک خاص معاشرے میں نازل ہوتی ہے جہاں وہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنی خاص دعوت کا آغاز کرتے ہیں خالق کائنات کی جانب سے نبی پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں ایسے احکام ہوتے ہیں جو اس معاشرے کے انسانی حقوق کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دنیاوآخرت کی زندگی میں کامیابی کی ضمانت دیتے ہیں دین اسلام نے اپنی برحق تعلیمات کے ذریعے ہر دور میں انسانوں کی ہر لحاظ سے مکمل رہنمائی کی ہے، قرون اولی سے اب تک بلکہ قیامت تک خیر وشر کے پیمانوں اور برائی اور بھلائی کے معیارات کی بنیاد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں وحی الٰہی قرار دی گئی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ آغاز اسلام سے ہی مسلم معاشروں میں چند ایسے گروہ اور افراد جنم لیتے رہے، جنھوں نے شرعی احکامات کو وحی کے بجائے عقلی بنیادوں پر پرکھنا چاہا، جس کے باعث مسلم معاشروں میں فکری انتشار پیدا ہوا۔ چنانچہ حدیث وسنت کے حوالے سے جدید تعبیرات کا سلسلہ بھی اسی فکر کا شاخسانہ ہے۔

اسلام میں نقل (وحی) کو عقل پر فوقیت ہے مگر نقل کی فوقیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اسلام عقل کو بالکل کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرعی احکامات میں انسانی عقل وشعور کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور قرآن وحدیث کے طرز بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے خطاب میں انسانی عقل ودماغ کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ وہ لوگوں سے قطعاً یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ ان کی تعلیمات کو آنکھیں بند کر کے قبول کیا جائے بلکہ وہ تو اسلام اور دیگر مذاہب کے پیروکاران سے یہ کہتا ہے کہ وہ خالق کائنات کے پیغام کو سمجھنے کیلئے اپنی عقل وشعور کو استعمال میں لائیں اور اپنے قلوب اور اذہان پر تالے مت لگائیں مگر توجہ طلب بات یہ ہے کہ شرعی احکامات میں عقل کی مداخلت کہاں تک ہے ؟ کیا معروف ومنکر کے تعین میں تنہا انسانی عقل، فیصلہ کن حیثیت کی حامل ہے ؟ کیا عقل کو شریعت پر بالادستی ہے یا عقل ہمہ وقت وحی کی محتاج اور تابع ہے ؟ اب ہم نے اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ قرآن مجید دین کی تفہیم کے حوالے سے عقل کے استعمال کی کہاں تک اجازت دیتا ہے ؟ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جن میں خود انسان کو غور وفکر کی اجازت دی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ:

"﴿اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا﴾"[143]

(کیا غور نہیں کرتے یہ اشرف المخلوقات کلام اللہ پر یا ان کے قلوب پر قفل لگے ہوئے ہیں؟)

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:

﴿کِتٰبٌ انزلنه اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا ایته وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[144]

(اے نبی یہ جو مقدس کتاب اپ پر نازل کی گئی ہے تا کہ لوگ غور وفکر کریں اس کتاب پر تا کہ نصیحت حاصل کریں عقل رکھنے والے)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام عقل کو کافی اہمیت دیتا ہے مگر شرعی احکام کا اصل مدار وحی پر ہے اور عقل کی حیثیت تابع کی ہے متبوع کی نہیں۔ اسلام میں ایمان لانے کے بعد وحی کو پہلی اور عقل کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے جبکہ ایمان لانے سے پہلے عقل کو اولیت حاصل تھی۔ ایمان قبول کرنے کے بعد کسی مسلمان کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ جو وحی سے ثابت شدہ شرعی حکم اسے عقلی طور پر سمجھ میں نہ آئے، وہ اسے نہ مانے اور جو سمجھ آجائے صرف اسے ہی تسلیم کرے، بلکہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے لئے عقل کو معیار نہیں بنایا جاسکتا ہاں البتہ احکامات کو سمجھنے اوراطمینان قلب کے لئے کوئی انسان عقلی توجیہات کر سکتا ہے اس حوالے سے "درء تعارض العقل والنقل" نامی کتاب میں امام ابن تیمیہ حنبلیؒ کے نقطہ نظر کا خلاصہ ہے کہ:

"ان العقل لالاثبات الشريعة ولايكمله ويتمه ولايزيدشياءبل الشريعة كامل يتم بجميع اجزاءه مستقل فى نظام حياته،الشريعة لايحتاج الى علم الانسان وعقله وفهمه بل انسان يحتاج الى علم الشريعة"[145]

(عقل شریعت کے اثبات کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی عقل شریعت کے اندر کسی وصف کو پورا کرتی ہے اور نہ ہی کسی چیز کا اضافہ کرتے ہوئے اس کی

---

[143]۔ سورۃ محمد: 24/47

[144]۔ سورۃ ص 29/38

[145]۔ ابن تیمیہ، محمد بن عبد الحلیم، **درء تعارض العقل والنقل**، (قاہرہ، دارالکتب س ن)، 881

تکمیل کرتی ہے بلکہ شریعت خود ایک مکمل اور مستقل نظام حیات ہے
شریعت کا وجود انسان کے علم اور عقل و فہم کا محتاج نہیں ہے۔ جبکہ انسان
خود شریعت کے بارے میں علم کا محتاج ہے)

عقل کا یہ کام نہیں کہ وحی الٰہی کی جگہ براجمان ہو جائے یا اس سے آگے بڑھے بلکہ عقل کو وحی کے تابع ہونا چاہیے اور وحی سے ثابت شدہ کوئی بھی حقیقت عقل سلیم کے خلاف نہیں ہو سکتی البتہ ایسی عقل جو اتباع ہوی پر مبنی ہو، یعنی عقل غیر مسلم یہ اکثر خلاف شریعت ہوتی ہے۔ شریعت کے نزدیک ایسی عقل سرے سے عقل ہے ہی نہیں بلکہ اتباع الہوی ہے۔

عقلیت پسند براہِ راست وحی کا انکار نہیں کرتے بلکہ وحی جلی یعنی قرآنی آیات جو انسانی عقل کی پہنچ سے دور ہیں ان کی تاویلات کرتے ہیں اور اپنی من پسند تشریحات کرتے ہیں۔ ان میں مولوی محمد علی لاہوری نے وحی کو غیر انبیاء کے لیے بھی ثابت کیا ہے اور دوسری طرف اپنی جماعت قادیانی کی عقل پرستی کو مقدم رکھتے ہوئے جمہور امت کے مسلمہ اصولوں کو رد کیا ہے۔ اسی طرح مولانا تمنا عمادی نے تواتر کا صریحا انکار کیا ہے حالانکہ تمام سلف و خلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو روایات تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہوں تو وہ قرآن کریم کی طرح قطعی الدلالہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح مولانا نے قرآن کے سبعہ احرف کو بھی باطل قرار دیا ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں سبعہ احرف کی تمام روایات کو باطل اور موضوع کا درجہ دیا ہے۔ اسی طرح جناب غلام احمد پرویز قربانی اور نسک کا بھی انکار کرتے ہیں۔ دیگر عقلیت پرستوں کی طرح جناب جاوید احمد غامدی صاحب بھی قرآن اور وحی جلی کی حیثیت کو مجروح کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن سب سے آخری اور کمزور درجے کا ماخذ شریعت ہے۔ اسی طرح جناب غامدی صاحب جب قرآن کی تفسیر کرتے ہیں تو اسے عقل کے تابع بنا کر اس کی عقلی تاویلات کرتے ہیں۔

وحی جلی کے علاوہ وحی خفی یعنی حدیث رسول کے معاملے میں بھی عقلیت پسند حضرات جمہور سے منفرد نظر آتے ہیں۔ مثلاً مولوی محمد علی لاہوری جو احادیث ان کے دین کے اصول و قواعد کے موافق ہوتی ہیں انہیں من و عن لے لیتے ہیں اور جہاں ان کے دین اور اصول کے ساتھ ٹکراؤ آجائے وہاں حدیث کو پس پشت ڈال کر تفسیر بالرائے مذموم کر ڈالتے ہیں۔ مولانا تمنا عمادی کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ منکرِ حدیث ہیں جس پر ان کے شاگردوں کی متعدد گواہیاں بھی موجود ہیں۔ ان کے نزدیک صرف وہ احادیث صحیح ہوتی ہیں جن کو قرآن سے صریح مطابقت ہوتی

تھی اور اپنی رائے کے مطابق ہدایت کو صرف قرآن کریم کے ساتھ محصور کر لیا اور اس کے علاوہ وہ تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی قرآن کریم سے صریح مطابقت وموافقت نہ تھی کو رد کر دیا۔ اسی طرح جناب غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک بھی حدیث حجت نہیں ہے بلکہ شریعت کے اصول صرف قرآن سے ہی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اور صرف اللہ کے پاس ہے۔ دیگر عقلیت پسند حضرات کی روش پر چلتے ہوئے جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے بھی وحی خفی یعنی حدیث اور سنت نبوی ﷺ کا انکار کیا ہے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب بظاہر حدیث کی حجیت کا دعوی کرتے ہیں مگر حقیقت یہ کہ وہ سنت کی تشریعی حیثیت کو نہیں مانتے مگر اسے اپنانے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اچھا سمجھنے کا مطلب ہے کہ دین اسلام میں اس کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے مگر اگر کوئی اس پر عمل کرے تو اچھی بات ہے مگر دین کا جزء اسے نہ سمجھے۔

مبحث اول: وحی جلی / قرآن کریم کے عقیدہ میں عقلی رجحان مفسرین کی آراء:

عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات براہ راست وحی جلی کا انکار کبھی بھی نہیں کرتے اصولی طور پر وہ قرآن کریم کو بالکل مانتے ہیں اور اس کی آیات مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں کا انکار کچھ یوں ہے کہ وہ وحی جلی یعنی قرآن کریم کی آیات میں تاویل کرتے ہیں اور وحی کے کچھ امور کے بارے میں بعض عقل پرست حضرات کا خیال ہے کہ یہ عقل کے خلاف ہیں حالانکہ وحی بالکل عقل انسانی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کی پہنچ سے دور ہیں ان چیزوں میں صرف اور صرف وحی الہی پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے یہاں عقل کے گھوڑے دوڑا کر گمراہ ہونے سے بہتر ہے کہ وحی کی لگام تھام لے تاکہ منزل مقصود تک رسائی ہو جہاں عقل کام چھوڑ جائے اس کی کئی امثلہ عقلیت پسند حضرات کی کتب تفاسیر میں موجود ہیں۔

مولانا محمد علی لاہوری صاحب کی رائے:

وحی جلی یعنی قرآن کریم میں مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے دو طرح کی مَن پسندی فرمائی ہے پہلی یہ کہ مولوی صاحب نے تمام اُمت اور اپنے دیگر عقلیت پسند رجحان رکھنے والے عقلاء کے برخلاف وحی کو انبیاء تک محدود نہیں رکھا بلکہ غیر نبی کو بھی اس میں شامل کیا اور یہ عقل پرستی نہیں بلکہ اپنے دین کی ترویج اور اس کو بے جا قرآن سے ثابت کرنے کی سینہ زوری ہے۔

دوسری مَن مانی یہ فرمائی کہ تفسیر قرآن میں اپنی قادیانی عقل پرستی کو مقدم اور جمہور اُمت کے مسلمہ اصول کو رَد کرتے ہوئے تفسیر بالرائے مذموم کی کوشش کی ہے یہ ایک طرف عقل پرستی ہے دوسری طرف اپنے دین کی ترویج اور اثبات ہے ان دو باتوں کی تفسیر اور تفصیل یوں ہے:

وحی کی اصطلاحی حقیقت کے بارے میں اس باب کے آغاز میں بیان ہو چکا اس میں ایک یہ چیز بھی داخل ہے کہ شریعت مطہرہ میں وحی کا اختصاص صرف اور صرف انبیاء کے ساتھ ہے جبکہ محمد علی لاہوری وحی کی حقیقت میں اپنے نئے مذہب کو داخل کرنے کے لئے اور اس کو بگاڑتے ہوئے وحی کو نبی کے ساتھ خاص نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ مجدد دین زمانہ کو بھی وحی ہوتی ہے جبکہ دوسری طرف غیر متعلقہ آیات کریمہ سے استدلال کرکے اپنے مدعا کے حصول کے لئے من مانی تاویلات کرکے اپنا مقصودی معنی اخذ کرتے ہیں جو کہ اس کی عقل کا خمیازہ ہے چنانچہ سورۃ الغافر میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِينْذِرَ يوْمَ التَّلَاقِ﴾"[146]

(وہ اونچے درجوں والا، عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح (یعنی وحی) نازل کر دیتا ہے تاکہ ملاقات کے اس دن سے (لوگوں کو) خبردار کرے)

یہاں لفظ روح استعمال ہوا ہے تمام سلف وخلف نے اس کا ترجمہ روح سے ہی کیا ہے مگر محمد علی قادیانی لاہوری صاحب اپنا من مانا مقصد نکالتے ہوئے اپنے عقلی دائرہ کار میں سورہ الغافر کی اس آیت کریمہ کے بارے میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"یہاں روح سے مراد وحی ہے "من عبادہ" سے مجدد دین وقت مراد ہیں ان کو وہی شخص جھوٹا کہہ سکتا ہے جسے قرآن وحدیث کی پرواہ نہ ہو۔"[147]

---

[146]۔ سورۃ الغافر: ۱۵:۴۰

[147]۔ لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، (احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور، س ن)، ۱/۲۹۰۱

علامہ تمناعمادی صاحب کی رائے:

اسی طرح علامہ تمنا عمادی نے وحی جلی کا انکار کرنے کے مختلف طریقے اپنائے۔ کبھی قرآن کریم میں شکوک وشبہات پیدا کیے، کبھی تواتر کے ضمن میں قرآن پر وار کیا، کبھی احادیث کی طرح قرآن کو بھی منافقین اور اعداء اسلام کا ہدف قرار دیا تاکہ قرآن میں تحریف ثابت کی جاسکے، کبھی علم تفسیر، شان نزول، قرآت اور قرآن کریم میں رموز او قاف وغیرہ کو عجمیوں کی سازش قرار دے کر عقل کے ذریعے وحی کی حیثیت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ کرنے کی وجہ قرآن کریم کی حقیقت مجروح کی جاسکے اور اس کی قانونی حیثیت کو کم یا ختم کیا جاسکے۔

اُمت مسلمہ میں تمام سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ وہ روایات جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوں قرآن کریم کی طرح وہ قطعی ہوتی ہیں اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اوراس کے خلاف کرنے والے کو شریعت مطہرہ نے اسلام کے دائرہ سے خارج قرار دیاہے یہی شان ان احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کاہے جو متواتر ہیں جبکہ قرآن تو تمام کا تمام متواتر ہے۔ علامہ تمنا عمادی نے شریعت اسلام کے مذکورہ اصول کو ہی من گھڑت قرار دیتے ہوئے تواتر کا انکار کیاہے اور کہتے ہیں کہ تواتر کی ایک قسم مصنوعی بھی ہے یعنی کسی جماعت نے اپنے کسی خاص مقصد کے ماتحت ایک جھوٹی بات گھڑی اور باہمی صلاح ومشورہ کرکے اس جماعت کے افراد مختلف دور ونزدیک مقامات میں پھیل کر اس جھوٹی بات کو سچی قرار دے کر مشہور کرنے لگے اور پھر جن لوگوں نے اس جماعت کے افراد سے سنا وہ اسے دوسروں سے بیان کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ دنوں میں جھوٹی بات ایک سچی خبر بن کر متواتر ہوئی اور رفتہ رفتہ دنیامیں مشتہر ہوگئی۔ عجمی ملحدین ومنافقین نے ایک زبردست سازش کرکے اس طرح کتنی جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر پھیلائیں۔ اور باوجود محدثین کی چھان بین کے آج تک ان کے مجلات میں کتنی موضوع ومکذوب روایات موجود ہیں اور انہی روایات کی بدولت آج امت میں اس قدر دینی فرقہ بندیاں اور اختلافات نظر آرہے ہیں۔

پھر کہتے ہیں کہ اگر غلو وتعصب، ضد اور ہٹ دھرمی سے الگ ہو کر دیانتا ان مصنوعی متواترات کو دیکھا جائے اور ان کے تجربے کے بعد قرائن کی روشنی میں حقیقت کی جستجو کی جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حقیقت امر کا پتہ نہ ملے، انہوں نے وحی متلواوروحی غیر متلو کو غیر قرآنی تقسیم قرار دے دیاہے جو کہ وحی متلو یعنی قرآن کے انکار کا پہلو اس میں صاف نمایاں ہے:

"وحی غیر متلو کو "غیر قرآنی" کہہ کر رد کرنا اور اس کے اتباع سے انکار کرنا
در حقیقت قرآن مجید کا انکار ہے۔"[148]

مسئلہ جمع القرآن میں علامہ تمنا عمادی کا تفرد:

اب اس کے بعد انہوں نے قرآن کی حیثیت کو متزلزل کرنے کے لئے جمع قرآن پر جرح وقدح کیا اور جمع قرآن کے واقعے کو من گھڑت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مثلاً جمع قرآن ہی کا واقعہ لے لیجئے، عوام میں مشہور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جامع قرآن تھے یہاں تک کہ جمعہ و عیدین میں عام طور سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ جامع قرآن کا لفظ پڑھا جاتا ہے اور جاھل خطیب ہی نہیں بلکہ علماء بھی بغیر کسی جھجھک کے جامع قرآن امیر المومنین عثمان بن عفان پڑھتے ہیں"۔[149]

پھر علامہ تمنا عمادی لکھتے ہیں کہ:

"کوئی صاحب انصاف و دیانت بتائے کہ جو واقعہ ایسا اہم ہو جس کی اطلاع ساری دنیائے اسلام کو ہونی چاہیے۔ اس کی خبر سو برس تک کی طویل مدت میں صرف ایک ہی شخص کو ہو۔(عبید بن ساق) کہ جس سے صرف ایک چار سال کے بچے کو ملے یعنی (شہاب زہری کو) اور وہ اپنے سن کہولت میں صرف

---

[148] طاہر، ماہنامہ، **فاران**، کراچی، جنوری ۳۵، ۱۹۷۱

[149] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**، ۱۴۴

ایک ہی شخص سے بیان کرے۔ کیا ایسی خبر کو کبھی متواتر کہا جا سکتا ہے چاہے وہ خبر دنیا بھر میں مشہور ہو کر متواتر کا لبادہ اوڑھ لے۔"[150]

اس طرح جمع القرآن کی روایات کو من گھڑت ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری شریف، سنن ترمذی، سنن نسائی اور مسند احمد کو بھی موضوع روایات کا مجموعہ مان لیا ہے حالانکہ قرآن مجید کا دعوی دراصل اس بات سے متعلق ہے کہ اس کتاب میں کسی طرح کی تحریف و تصحیف اور کسی قسم کی تغیر و تبدیل کا امکان بھی نہیں ہے۔[151]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ جن منافقین و ملحدین کا برتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ رہا ہو اور ان کی احادیث کے ساتھ بھی۔ وہ کتاب اللہ کو کب محفوظ چھوڑ سکتے تھے باوجود اس کے کہ اختلاف قراءت کا ایک انبار ان مفسدین نے لگا دیا۔ لیکن قرآن مجید حفاظت الہیہ کے ماتحت عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک صرف ایک ہی قراءت ثابتہ وصحیحہ و متواترہ کے ساتھ قراءۃ، تلاوتا، تعلیما، تعلما، حفظا، کتابۃ اور پھر طباعۃ چلا آرہا ہے اور ساری دنیائے اسلام میں صرف ایک قراءت متواترہ قدیمہ کے مطابق لکھا اور پڑھا جا رہا ہے۔[152]

اسی طرح علامہ تمنا عمادی کی اپنی کتاب "اعجاز القرآن و اختلاف قراءات" میں قرآن کے سبعۃ احرف کو باطل قرار دیا اور کہا کہ قرآن ایک ہی قراءت صحیحہ و متواترہ پر نازل ہو کر اسی پر لکھا اور پڑھا جاتا ہے اور حدیث کی کتابوں میں موجود سبعۃ احرف کی تمام روایات باطل اور موضوع ہیں۔ کہ جس کا ایک ہی راوی صرف ابن زہری ہے۔

اس کے علاوہ علامہ تمنا عمادی نے ایک کتاب "جمع القرآن" کے نام سے لکھی۔ جس کو الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ ناظم آباد کراچی نے شائع کیا۔ اگرچہ یہ کتاب بھی مستقل تفسیر نہیں ہے۔ لیکن اس کتاب میں علامہ تمنا عمادی کے کچھ تفسیری رجحانات مذکور ہیں اور اس کتاب میں بھی انہوں نے جمع القرآن عہد صدیقی اور حضرت عثمان غنی کی

---

[150] ایضا:۱۴۶

[151] علامہ تمنا عمادی، **اعجاز القران واختلافات القرآن**، ۱۴۴

[152] ایضا

روایات کو جھوٹ اور موضوع قرار دیا ہے اور جمع القرآن بعہد صدیق اکبر اور اس کا جھوٹا پروپیگنڈا کی مناسبت سے مبحث باندھا ہے۔

تو ان راویوں کو اور عبید بن اسباق کو جھوٹا قرار دیا ہے اور لکھا ہے۔ کہ جمع قرآن کی اصل روایت یہ ہے[153] کہ ابو بکر نے میرے پاس مقتل اہل یمامہ بھیجا (مطلب کے اہل یمامہ کے واقعہ قتل کے بعد میرے پاس مجھے بلانے کے لئے کسی کو بھیجا تو عمر بن الخطاب ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ حضرت عمر ائے اور فرمایا کہ امامہ کے دن حفاظ کے قتل کا بازار گرم رہا میں ڈرتا ہوں کہ اگر حفاظ کرام کے قتل کا بازار اسی طرح مختلف مقامات میں گرم رہا تو قران کا بہت سارا حصہ ختم ہو جائے گا اس مناسبت سے میں نے یہ سمجھا کہ کتاب اللہ کو اکٹھا کر لوں۔

تو حضرت ابو بکر فرماتے ہیں کہ میرے پاس حضرت عمر بار بار آئے اور یہی ترغیب دیتے رہیں کہ قرآن کو جمع کرتے ہیں میں نے فرمایا کہ یہ کام کیسے ہو گا کہ حضور کے زمانے میں نہیں ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کار خیر ہیں یہاں تک کہ مجھے بھی اللہ تعالی نے دل میں یہ بات ڈال دی اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت زید رضی سے فرمایا کہ اپ ایک عاقل اور سمجھدار ہیں کہ آپ اس کو لکھنے کی اور جمع کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ یہ بات مجھ پر بہت بھاری پڑ گئی کہ ایک پہاڑ کو دوسری طرف لے جانا اتنا مشکل نہیں تھا جتنا یہ کام مشکل پڑ گیا تو بالاخر مجھے جمع قران کے کام پر مامور کیا اس سے زیادہ میرے لیے گران نہ تھا زید کہتے ہیں کہ میں نے لکڑی کے چھلکوں اور ٹکڑیوں سے اور مختلف لوگوں کے سینوں سے حضرت خزیمہ انصاری کے پاس دو آیتیں سورۃ توبہ کی ملی اور کہیں نہیں پایا

﴿لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾[154]

(بیشک تمہارے پاس تم میں سے وہ عظیم رسول تشریف لے آئے جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت بھاری گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر بہت مہربان، رحمت فرمانے والے ہیں)

---

[153] امام بخاری، موسی بن اسماعیل سے، وہ ابراہیم بن سعد سے وہ ابن شہاب زہری سے وہ عبید بن اسباق سے اور وہ زید بن ثابت سے روایت کرتے ہیں

[154] سورہ التوبہ ۱۲۸/۹

خاتمہ سورۃ براٗءۃ تک جمع کردہ صحیفہ ابو بکر کے پاس ان کی زندگی تک رہا اس کے بعد حضرت عمر تک حفاظت کی خاطر ان کے پاس رہا پھر پھر حضرت عمر کی بیٹی حضرت حفصہ کے پاس یہ نسخہ رہا۔۔[155]

اسی طرح علامہ تمنا عمادی نے اپنی کتاب "جمع القرآن" میں ان تمام روایات کو موضوع قرار دیا ہے اور ان کے راویوں پر بھی جرح کی ہے جو کہ سراسر قواعد علوم الحدیث کے خلاف ہے اور اس جمع القرآن کے حدیث کے متن پر تنقید کر کے لکھتے ہیں کہ:

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اتنے بڑے کام کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے بالکل تخلیہ میں کیوں کہا اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کو ہی کیوں بلایا۔ کاتب وحی اور بھی صحابہ تھے۔"[156]

پھر سب پر نقد کر کے قرآن کی جمع و تدوین کے عمل کو رد کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"جب پورا قرآن اتر چکا اور صحابہ کے پاس کتابی شکل میں آ گیا۔ تبھی تو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے تھے کہ قرآن کتنے دنوں میں ختم کریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دنوں سے کم میں ختم کرنے کی اجازت نہ دی ۔۔۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ ہیں۔ اگر قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مرتب و مدون نہ ہوا تھا۔ تو پورے قرآن مجید کے سات حزب کس طرح بنائے گئے تھے۔[157]

---

[155] عمادی، علامہ تمنا، **جمع قرآن**، ۱۳۱

[156] ۔عمادی، علامہ تمنا، **جمع قرآن**، ۱۵۱

[157] ۔عمادی، علامہ تمنا، عمادی، علامہ تمنا، **جمع قرآن**، ۳۲۸

اعتقاداً اور عملاً دونوں اعتبار سے ہر جگہ وحی جلی یعنی قرآن پر عقل کو فوقیت دی ہے خواہ وہ قرآن کی آیات کی تفسیر ہو یا روایات اور ان کے متون کی تحقیق ہر جگہ ان کی عقل متفوق رہی ہے علامہ تمنا عمادی نے "محاذ تفسیر کے نام سے ایک باب لکھا ہے کہ جس میں نقل یعنی وحی کو عقل کے تابع کر کے بہت سی تفسیری روایات کو موضوع قرار دے کر ان کو من گھڑت اور موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اعتقاداً تو نشاندہی ہو گئی اگرچہ عملاً عقل کو وحی پر فوقیت ہمارا موضوع نہیں ہے مگر بطور نمونہ اور وضاحت کے ایک مثال عملاً کی بھی پیش کی جاتی ہے چنانچہ قرآن کریم کی عملی تفسیر کرتے ہوئے علامہ تمنا عمادی لکھتے ہیں کہ:

> " محاذ تفسیر ایک اہم محاذ ہے جو قرآن مجید کے خلاف قائم کیا گیا ہے۔ اس محاذ کے ضمن میں بہت سے اہم محاذ اور بھی ہیں۔ جیسے کہ محاذ شان نزول، محاذ وقف و وصل، محاذ تقدم و تاخر نزول، محاذ اسرائیلیات شامل ہیں"۔[158]

لکھتے ہیں کہ منافقین کی ایک جماعت نے جو ایک محاذ تفسیر کا قرآن مجید کے خلاف قائم کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کی آیات کا جو درست مفہوم ہے۔ اس کے خلاف مفہوم پیدا کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ تو ایک فصیح و بلیغ عبارت کے مفہوم کو کہنے والے کے منشا کے خلاف بیان کرنا، کہ جس کو سننے والا اور پڑھنے والا دونوں قبول کر سکیں۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ بھی تو عربی زبان سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ ایک آیت کے معنی کو عبارۃ نص کے خلاف کیوں ماننے لگے تو اس کام کے لیے شان نزول کی روایتیں وضع کی گئی پہلے ایک واقعہ لکھتے اور بعد میں اس کو کسی آیت پر چسپاں کر کے اس آیت کو اسی واقعے سے متعلق کر کے مشہور کیا جاتا ہے کہ یہ فلان آیت اس واقعے کے وقت اتری تھی۔[159]

جاوید احمد غامدی کی رائے:

دیگر عقلیت پسند حضرات کی طرح جناب جاوید احمد غامدی صاحب وحی جلی یعنی قرآن کا براہ راست انکار یا اس میں عقل پرستی کے قائل نہیں ہیں البتہ وہ دو طریقوں سے قرآن اور وحی جلی کی حیثیت کو مجروح کر رہے ہیں پہلا یہ کہ

---

[158]۔ عمادی، علامہ تمنا، **اعجاز القران**، ۳۸۹

[159]۔ ایضا: ۳۹۰

ماخذ دین میں اُمت مسلمہ کے مسلمہ اصول میں وحی جلی یعنی قرآن کی حیثیت سب سے اوّل ہے جبکہ جناب غامدی صاحب کے یہاں سب سے آخری اور سب سے کمزور درجے کا اصول قرآن کریم ہے آپ نے ماخذ دین یا اصول دین چار بتائے ہیں یہی بات انہوں نے دین کے اصول اور مبادی میں لکھی ہے جیسا کہ رقمطراز ہیں:

"ماخذ دین درج ذیل ہیں: ا۔ دین فطرت۔ ۲۔ سنت ابراہیمی۔ ۳۔ نبیوں کے صحائف۔ ۴۔ قرآن۔"

اور یہی ترتیب اس کے یہاں درجات میں بھی ملحوظ ہے یعنی سب سے پہلا ماخذ دین فطرت پھر سنت ابراہیمی پھر نبیوں کے صحائف اور آخر میں وحی جلی یعنی قرآن ہے جس سے وحی جلی یعنی قرآن کی حیثیت جمہور اُمت کے مقابلے میں کم ہو جاتی ہے جیسا کہ اپنے اصول کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"سنت صرف دینِ ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔ اگر کہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود و نصاریٰ کے فکر و عمل سے ہو گا تو قرآن کے بجائے یہود و نصاریٰ کے متواتر عمل کو ترجیح ہو گی۔"

دوسرے نمبر پر جب جناب جاوید احمد غامدی صاحب قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں تو اسے عقل کے تابع بنا کر اس میں عقلی تاویلات کرتے ہیں جو کہ اگر صرف تاویل کی حد تک محدود ہوتی تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا جبکہ یہاں تو تاویل سے کہیں بڑھ کر تحریف ہو جاتی ہے جو کہ شریعت اسلام اور تفسیر، خاص کر وحی جلی کی حقیقت کو ختم کر دیتی ہے۔

مختصر یہ کہ جاوید احمد غامدی صاحب وحی جلی یعنی قرآن کو بطور ماخذ شرعی کے مانتے ہیں مگر جمہور مفسرین سے فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور وحی جلی یعنی قرآن کو شریعت کے اصول میں پہلا نمبر دیتے ہیں جبکہ غامدی صاحب اسے چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ استدلال میں بھی اسے چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں یعنی جب قرآن کریم کا غامدی

صاحب کے کسی اور ماخذ سے تعارض آجائے تو ان ماخذ کو قرآن پر ترجیح دیتے ہوئے قرآن میں کوئی تاویل کرتے ہیں۔

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

مذکورہ مسئلہ میں تمام عقلیت پسند حضرات کی رائے کا مرحلہ وار تنقیدی جائزہ درج ذیل ہے۔

ا۔ مولانا محمد علی لاہوری نے تفسیر میں اپنی من مانی کی ہے۔ محمد علی صاحب وحی کو غیر انبیاء کے لئے تسلیم کرتے ہیں یا غیر انبیاء کو بھی اس میں داخل کرتے ہیں یہ جمہور علماء سے مخالفت ہے اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ لفظ وحی کے لغوی معنی ایسے خفیہ کلام کے ہیں جو صرف مخاطب کو معلوم ہو دوسرے اس پر مطلع نہ ہوں اس لغوی معنی کے اعتبار سے وحی کسی کے لئے مخصوص نہیں ہے نبی رسول اور عام مخلوق بلکہ جانور تک اس میں شامل ہوسکتے ہیں اسی پس منظر میں سورہ النحل میں اللہ تعالی کا شہد کی مکھیوں کے بارے میں ارشاد گرامی قدر ہے:

"﴿وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔﴾"[160]

(تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کو وحی فرمائی)

اس آیت کریمہ میں شہد کی مکھیوں کو بذریعہ وحی تلقین و تعلیم کرنے کا ذکر اسی معنے کے اعتبار سے ہے اور اسی طرح اس آیت کریمہ میں:

"﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓي﴾"[161]

(جب ہم نے وحی کے ذریعے وہ بات کہی تھی تمہاری ماں سے جو اب وحی کے ذریعے (تمہیں) بتائی جارہی ہے)

اس ایت کریمہ میں بھی اس لغوی معنی کی مناسبت سے ہی نبی اور رسول کا ہونا یہ مستلزم نہیں ہے۔

---

[160]۔ سورہ النحل:۱۶:۶۸

[161]۔ سورہ طہ:۲۰:۳۸

تو اسی طرح اللہ تعالی کے بہت سارے ارشادات حضرت مریم علیہ السلام تک پہنچے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوا کہ وہ حضرت مریم پر وحی اتری بلکہ بعض انسانوں پر الہامات رب کی طرف سے ہوتا ہے اور بعض کچھ بزرگوں اور اولیاء پر بھی الہامات ہوتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ وہ نبی بن گئے کیونکہ ان پر وحی نازل ہوئی۔

تو ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہوا کہ الہام اور وحی یعنی لغوی اور اصطلاحی تعریف سے دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق واضح ہو چکا ہے اور وہی لغوی کا سلسلہ تو جاری رہے گا لیکن وہی اصطلاحی کا سلسلہ اخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رک گیا ہے اس کے بعد یہ وحی کسی پر نہ ہو گی اور نہ قیامت تک کسی انسان پر یہ وحی آئے گی۔

باوجودیکہ محمد علی صاحب کے کہنے کے مطابق ان کو وحی جلی اور وحی خفی یعنی قرآن اور حدیث کی پرواہ ہے اور اسے اہمیت بھی دیتے ہے مگر پھر بھی وہ ایسی تاویلات کرتے ہیں جو نہ قرآن کے موافق ہے اور نہ ہی حدیث کے موافق ہے اور نہ ہی جمہور اُمت کے مسلمہ اصولوں کے اور تا حال کسی مفسر و محدث اور فقیہ نے بھی اب تک یہ تاویل نہیں فرمائی ہے۔

1. علامہ تمنا عمادی نے وحی جلی کا انکار کرنے کے مختلف طریقے اپنائے۔ کبھی قرآن کریم میں شکوک وشبہات پیدا کیے، کبھی تواتر کے ضمن میں قرآن پر وار کیا، کبھی احادیث کی طرح قرآن کو بھی منافقین اور اعداء اسلام کا ہدف قرار دیا تاکہ قرآن میں تحریف ثابت کی جاسکے، کبھی علم تفسیر، شان نزول، قرآت اور قرآن کریم میں رموز او قاف وغیرہ کو عجمیوں کی سازش قرار دے کر عقل کے ذریعے وحی کی حیثیت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ یہ سب کچھ کرنے کی وجہ قرآن کریم کی حقیقت مجروح کی جاسکے اور اس کی قانونی حیثیت کو کم یا ختم کیا جاسکے۔

اُمت مسلمہ میں تمام سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ وہ روایات جو تواتر کی حد کو پہنچی ہوں قرآن کریم کی طرح وہ قطعی ہوتی ہیں اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے خلاف کرنے والے کو شریعت مطہرہ نے اسلام کے دائرہ سے خارج قرار دیا ہے یہی شان ان احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو متواتر ہیں جبکہ قرآن تو تمام کا تمام متواتر ہے۔ علامہ تمنا عمادی نے شریعت اسلام کے مذکورہ اصول کو ہی من گھڑت قرار دیتے ہوئے تواتر کا انکار کیا ہے

2. جاوید احمد غامدی صاحب وحی جلی یعنی قرآن کو بطور ماخذ شرعی کے مانتے ہیں مگر جمہور مفسرین سے فرق صرف اتنا ہے کہ جمہور وحی جلی یعنی قرآن کو شریعت کے اصول میں پہلا نمبر دیتے ہیں جبکہ غامدی صاحب اسے چوتھے

نمبر پر رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ استدلال میں بھی اسے چوتھے نمبر پر رکھتے ہیں یعنی جب قرآن کریم کا غامدی صاحب کے کسی اور ماخذ سے تعارض آجائے تو ان ماخذ کو قرآن پر ترجیح دیتے ہوئے قرآن میں کوئی تاویل کرتے ہیں جس سے قرآن کی قانونی حیثیت کم ہوتی ہے اور یہ جمہور کے مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے۔

مسئلہ قربانی اور نسک کی ضمن میں عقلیت پسند حضرات کا وحی جلی قرآن کا انکار:

ایسے بہت سارے مقامات ہیں جن میں ایک طرف عقل انسانی ہے جبکہ دوسری طرف شریعت الاسلام اور وحی الہی ہے بظاہر ان میں تعارض نظر آتا ہے جبکہ در حقیقت ان میں کوئی تعارض نہیں ہے ان میں سے ایک قربانی ہے عقل کا تقاضا ہے کہ یہ تو نسل کشی ہے اور مخلوقات خداوندی پر بے رحمی ہے جبکہ وحی کا فیصلہ ہے کہ یہ قربانی خداوند کریم کی قربت کا ذریعہ ہے اسی عقلی علت میں الجھ کر اور وحی کو نظر انداز کرتے ہوئے، جناب غلام احمد پرویز نے عید الاضحی کے موقع پر کی جانے والی قربانی کی شدید مخالفت کی اور قرآن واحادیث کی صریح نصوص کے ہوتے ہوئے اسے خلافِ قرآن وحدیث فعل اور عمل قرار دے دیا، یعنی جناب پرویز صاحب اس قربانی کے وجوب کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ:

> آج کل جس طرح بیت اللہ میں لاتعداد جانور ذبح کر کے پھینکتے چلے جاتے ہیں اور اسے حکم خداوندی کی تعمیل تصور کیا جاتا ہے یا تقریب عید الاضحی کی قربانی دین اسلام میں نہیں۔[162]

بلکہ وہ تو اس کو جانوروں کی نسل کشی قرار دیتے ہیں جناب غلام احمد پرویز صاحب اس کے متعلق ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

---

[162] چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۱۴۶/۳

یہاں پر علامہ صاحب کا مفہوم یہ ہے کہ عید الاضحی پر جتنی قربانیاں ہوتی
ہیں اسلام کا اس سے کیا تعلق ہے؟روایتی مذہب نے اس سے واجب قرار دیا
کچھ ایسی روایات پیش کی جس کا مطلب قران میں کوئی واضح نہیں ہے۔[163]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں مذکور لفظ نسک جس سے مراد قربانی ہے جاوید احمد غامدی صاحب اس کا انکاری نظر آتے ہیں۔

نسک کے مفہوم کا انکار:

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی عقل پرستی اور قربانی سے متعلق وحی کے انکار کی تمام بحث کا مدار سورۃ الانعام کی ایک آیت کریمہ ہے جس میں قربانی کے حوالے سے سورۃ الانعام میں اللہ تعالی کی نازل کردہ مشہور آیت کریمہ میں کچھ یوں ہے:

"﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُكِی وَمَحْیای وَمَمَاتِی لِله رَبِّ الْعٰلَمِینَ﴾"[164]

(اے پیغمبر فرمادیجئے کہ صلاۃ اور قربانیاں اور میرا مرنا اور زندگی یہ تمام کے تمام باری تعالی کے ہاتھ میں ہے)

قربانی کے ضمن میں وحی کے انکار سے متعلق پرویز صاحب نے گزشتہ آیت کریمہ میں لفظ نسک کے لغوی معنی بتاتے ہوئے اصلی معنی نظر انداز کیا اور اپنے مطلب کے کوئی مفید معانی ہی اخذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مطالب الفرقان میں پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت میں نسک کا معنی قربانی کئے جاتے ہیں،لغت میں اس مادہ
(ن۔س۔ک) کے معنی پاک اور صاف کرنا ہے۔"[165]

---

[163] ایضا:۲۴۸

[164]۔سورۃ الانعام:۶/۱۶۲

[165]۔چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**،۵/۲۳۴

اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب کے یہاں لفظ "نسک" سے مراد قربانی نہیں بلکہ اس سے مراد پاک صاف ہونا ہے،

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

اس طرح پرویز صاحب تفسیر بالرائے میں اپنی عقل سے من مانی تاویلات یا تحریفات کر کے قربانی کے ضمن میں وحی کا انکار کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی عربی لغت اس معنی سے خالی ہے بطور نمونہ اہل عرب کی مشہور لغت لسان العرب دیکھی جاسکتی ہے۔[166]

ائمہ لغت نے اس لفظ کی جہاں جہاں تحقیق فرمائی ہے وہاں ان حضرات نے اس لفظ کا مفہوم اور معنی ذبیحہ اور قربانی لکھا ہے مفردات القرآن میں علامہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ علیہ لفظ نسک کا لغوی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" النَّسِيكَةُ: مُخْتَصَّةٌ بِالذَّبِيحَةِ، قال:
فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ"[167]
(لفظ نسک ذبیحہ کے ساتھ خاص ہے فرمایا کہ فدیہ دے روزہ رکھ کر یا صدقہ دیکر یا ذبیحہ کر کے)

مقام کعبہ کی قربانیوں کیلئے قرآن حکیم نے "ہدی" کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ جبکہ "نسک" و "نحر" مطلق قربانی کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لہذا قربانی کیلئے مقام کعبہ کی شرط وحی الہی اور احکام خداوندی میں خود ساختہ ایک اور اضافے کرنے کے مترادف ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ عقلیت پسند حضرات قرآن کریم / وحی جلی کو مانتے ہیں اس کو اپنا اُصول سمجھتے ہیں مگر اس کا انکار بھی کرتے ہیں انکار کا انداز براہ راست نہیں ہے بلکہ وہ تاویل کے انداز میں انکار کرتے ہیں جو کہ در حقیقت

---

[166]۔ابن منظور، محمد بن المکرم الافریقی، **لسان العرب**، (بیروت، دار الصاد، طبع سوئم، ۱۴۱۴ھ) ۴۹۹/۱۰

[167] اصفہانی، امام راغب، **مفردات القرآن**، ۸۰۲

تاویل ہی نہیں بلکہ تحریف ہوتی ہے تحریف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر تاحال کسی نے بھی یہی تفسیر نہیں فرمائی یہ تفسیر ان کی خود ساختہ ہے جس کی وجہ سے اسے تحریف ہی کہا جائے گا۔

مبحث دوئم: وحی خفی / حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عقلیت پسند حضرات:۔

عقلیت پسند رجحان رکھنے والے مفکرین اور مفسرین نے جہاں وحی جلی یعنی قرآن کریم کی تاویل اور تحریف کر کے انکار کی کوشش کی ہے وہیں اس سے کہیں زیادہ اور صاف الفاظ میں حدیث نبوی ﷺ کے انکاری نظر آتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے اس روش میں اگرچہ اصل مصدر مولانا جیراج پوری صاحب ہیں مگر اس کی اتباع میں سب منکرین حدیث شامل ہیں جن کا ہم ایک ایک کر کے یہاں ذیل کی سطور میں جائزہ لیں گے۔

مولوی محمد علی لاہوری قادیانی اور وحی خفی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

مولوی محمد علی لاہوری بالخصوص اور دیگر قادیانی حضرات بالعموم یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم احادیث رسول کو حجت مانتے ہیں اور یہی ان کے اصول بھی ہیں اور ان کا دعوی بھی یہی ہے مگر ان کے ماننے کا انداز جمہور اُمت اور دیگر عقلیت پسند حضرات سے کچھ الگ تھلگ ہے وہ یوں کہ قادیانی حضرات اور مولوی محمد علی لاہوری صاحب کا ایک مخصوص دین ہے اور اس کے کچھ مخصوص اصول اور قوانین ہیں جو احادیث ان اصول اور قواعد کے موافق ہوتے ہیں ان کو مِن وعَن لے لیتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ہم احادیث رسول کو حجت مانتے ہیں مگر جہاں ان کی دین اور اصول کے ساتھ احادیث کا ٹکراو آجائے وہاں یہ لوگ حدیث کو پس پشت ڈال کر تفسیر بالرائے مذموم کر ڈالتے ہیں بالفاظ دیگر قولا تو احادیث کو حجت مانتے ہیں مگر عملا اس کے بر خلاف عمل کرتے ہیں۔[168]

۔ اپنے اصول کو اپنا کر احادیث کو نہ ماننے کی بہت ساری مثالیں ہیں جیسے کہ احادیث متواترہ نے شادی شدہ مرد و عورت کے لئے زنا کا سزاء رجم یعنی سنگسار قرار دیا ہے اس حوالے سے تو روایات کی بہتات کے ساتھ اجماع امت بھی ہے بطور مثال دو احادیث ائمہ حدیث سے پیش خدمت ہیں:

---

[168] بلخی، افتخار احمد، **فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر**، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۱/ ۵۵

((وعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ، وَالرَّجْمُ))[169]

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے احکام لو مجھ سے احکام لو، اللہ تعالی نے زانی کے لئے راستہ نکال دیا اگر وہ دونوں غیر شادی شدہ غیر محصن ہوں تو ان کو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے ملک بدر کرو اور اگر شادی شدہ ہو یعنی محصن ہو تو ان کو پتھر مار کر قتل کر دو)

اس حوالے سے ایک اور روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو شیخین نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

((عن ابی هريرة قال اتى النبي صلى الله عليه وسلم رجل وهو في المسجد فناداه يا رسول الله انى زنيت فاعرض عنه النبي صلى الله عليه وسلم فتنحى لشق وجهه الّذي اعرض قبله فقال انى زنيت فاعرض عنه النبي صلى الله عليه وسلم فلما شهد اربع شهادات دعاه النبي صلى الله عليه وسلم فقال ابك جنون قال لا فقال أحصنت قال نعم يا رسول الله فقال اذهبوا به فارجموه))[170]

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے مجلس میں ایک شخص آیا آپ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ کہنے لگا کہ میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے منہ دوسرے طرف پھیر لیا پھر دوسرے طرف

---

[169]۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، كِتَابُ الْحُدُودِ، باب حدالزنا، حدیث نمبر: ۱۶۹۰، بیروت، دار إحياء التراث العربی، ۳/۱۳۱۶

[170] بخاري، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب لایرجم المجنون، حدیث نمبر: ۶۸۱۵، ج: بیروت، دار الطوق النجاة، ۸/۱۶۸

آکر اس نے کہا میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے منہ دوسرے طرف پھیر لیا اس طرح چار بار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا آپ پاگل تو نہیں ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے اس نے کہا کہ جی ہاں آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے لے جاو اسے سنگسار کرو)

یہ اور ان جیسی دیگر روایات کا خلاصہ یہ کہ شادی شدہ مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے جبکہ ان روایات کے بر خلاف عقل کے نر سے دیکھنے والے محمد علی لاہوری کے یہاں محصن مرد و عورت کی لئے رجم کی سزا ان کے نزدیک خلاف قرآن ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے نبی ﷺ کی احادیث، عہد نبوی کے واقعات، تعامل صحابہ اور اجماعِ امت کے دلائل کو ماننے سے انکار کر دیا ہے جیسا کہ یہی بات مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے بیان القرآن ج:2، ص:955 میں ذکر کر دی ہے۔[171] اسی طرح حد سرقہ کے بارے میں تاویلات کی ہیں اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔[172]

ان احکام کی علت یہ قرار دے رہے ہیں کہ یہ احکام قرآن میں نہیں ہیں کیا وحی خفی حدیث مبارکہ شریعت کے ماخذ میں سے نہیں ہے؟ کیا ان کو آپ لوگ اصول دین نہیں سمجھتے ہیں جس طرح گذشتہ احکام کو مولوی محمد علی صاحب نے یہ کہہ کر منسوخ کر دیا کہ یہ قرآن میں موجود نہیں ہے یہی روش انہوں نے ارتداد کے بارے میں بھی اپنائی ہے شریعت میں جو حکم قتل کا ہے اس کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہے:

"قرآن مجید میں کسی بھی جگہ قتل مرتد کا حکم نہیں بلکہ برصغیر میں اسلام سے عیسایت کی طرف ارتداد کا سلسلہ حضرت مرزا صاحب کی وجہ سے ختم ہوا۔"[173]

---

[171] لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**،:۲/۹۵۵

[172] ایضاً/۲۴۴

[173] ایضاء۱/۱۲۵

خلاصہ بحث یہ کہ مولوی محمد علی صاحب بیان القرآن نے عام طور پر سب سے الگ تھلگ یہ انداز اختیار کیا ہے کہ جہاں جو احادیث ان کے دین اوران کے اصول و قواعد کے موافق ہوتی ہیں ان کو قبول کر کے یہ دعوی کرتے کہ ہم تو احادیث کو حجت مانتے ہیں مگر جہاں احادیث کا ایک بہت بڑا مجموعہ ان کے دین اوراصول و قواعد کے بر خلاف ہوتے ہیں تو اس وقت مولوی محمد علی لاہوری صاحب احادیث کے برعکس اپنی دانشوری سے تفسیر بالرائے مذموم کرتے نظر آتے ہیں اور آیات قرآنیہ کا تعلق واقعات سے منقطع کر دیتے ہیں جیسے کہ حرمت شراب کے احکامات کو زمانہ ماضی سے جوڑا، اصحاب کہف کو موجودہ عیسائیوں سے ملایا، اسی طرح بعض آیات کی من پسند تاویلات کرنے کے لئے انہیں زمانہ ماضی کے ساتھ مخصوص ومقید کر دیا تا کہ احکام شریعت میں تحریف کے لئے کوئی مضبوط سہارا میسر آجائے تفسیر میں بیشتر مقامات پر قرآن وحدیث کے صریح نصوص سے گریز اختیار کیا گیا ہے نقل و آثار کے بجائے رائے مذموم کو اولیت دی گئی ہے متعدد مقامات پر اپنے دین کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے احادیث کو پس پشت ڈال دیا، آیات کو اپنے انحرافی عقائد و نظریات کے تابع کر دیا ہے انہی وجوہات کی وجہ سے اُمت کے علماء کرام نے منکرین احادیث میں اُن کا شمار کیا ہیں۔

وحی خفی / حدیث رسول اور تمنا عمادی:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے کہ تمنا عمادی کا خاندان ایک صوفی خاندان تھا جس میں تصوف کا ورود عام تھا اور ہر ایک شخص عالم با عمل اور متصوف تھا ان کے دادا اور ان سے بھی پہلے کے لوگ بارھویں اور تیرویں صدی کے شیوخ اور بڑے علماء تھے ان کے پر دادا کو ان کی علمیت کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث محدث دھلوی عبد العزیز رحمہ اللہ نے حدیث کی سند عطا کی لیکن اس کے برعکس اگر ہم تمنا عمادی کی سوانح پر نظر دوڑائیں تو یہ کہنا بجا ہو گا کہ حضرت علامہ تمنا عمادی تصوف سے شدید تر اختلافات رکھتے تھے اور اپنے آباؤاجداد کے مسلک تصوف کو نہ صرف ترک کیا بلکہ اس پر شدید تر نقد بھی کیا اور سخت رد کیا۔ علامہ صاحب خود کو ایک مجتھد کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اپنے آباؤاجداد کے مسلک کو اختیار کرنا انہیں ناپسند تھا۔

انہوں نے احادیث کی اسناد پر سیر حاصل بحث کی ہے حتیٰ کہ ہر راوی پر نقد اور جرح کی کہ حضرت علامہ تمنا عمادی منکر حدیث ہیں لیکن ان کے شاگرد مولانا افتخار احمد بلخی نے علامہ تمنا عمادی کے انکار حدیث کی تردید میں ایک کتاب لکھی ہے[174]

لیکن یہ اقوال ان کے شاگرد مولانا محمد افتخار بلخی کے ہیں اور علامہ موصوف پر فتنہ انکار حدیث کا ایک خاصا لمبا دور گزرا ہے ان کی تحریریں اور مضامین منکرین حدیث کے رسائل اور جرائد میں چھپنے لگے تھے اور ان کو منکرین حدیث کا سرغنہ مانا جانے لگا اور پرویزی رسائل میں ان کے ایسے مضامین چھپتے کہ جن میں صریح طور پر احادیث کی حجیت مشکوک اور ان پر سخت نقد ہوتی تھی۔

اور ان کے نزدیک صرف وہ احادیث صحیح ہوتی ہیں جن کو قرآن سے صریح مطابقت ہوتی تھی اور اپنی رائے کے مطابق ہدایت کو صرف قرآن کریم کے ساتھ محصور کر لیا اور اس کے علاوہ وہ تمام احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جن کی قرآن کریم سے صریح مطابقت وموافقت نہ تھی کو رد کر دیا حالانکہ کوئی بھی صحیح اور مشہور حدیث قرآن کے خلاف نہیں ہوتی صرف انسان کا فہم ناقص اس تک پہنچ نہیں پاتا اس نظریہ سے حدیث شریف کی وقعت ومقام باقی نہیں رہتا اور اس کی بنیادی حیثیت جو قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر ہے وہ باقی نہیں رہتی اور پھر قرآن کریم کی تفسیر اور تشریح من پسند خیالات سے کرنے پر آتے ہیں انہی میں سے علامہ تمنا عمادی بھی ہیں۔[175]

جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے۔ ﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾"[176] جس سے ثابت ہوا کہ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعت خداوندی ہے اور اتباع رسول ہی اصل دین پر عمل کرنا ہے اور اتباع رسول احادیث سے معلوم ہوتی ہے لہذا احادیث ہی اصل اتباع رسول اور اطاعت خداوندی ہے۔

عقلیت پسند رجحانات کے حامل افراد جب احادیث رسول پر وار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو احادیث رسول کو مانتے ہیں اس سے استدلال بھی کرتے ہیں البتہ اس کی تشریعی حیثیت کو وہ درجہ نہیں دیتے جو اُمت میں بالعموم اسے حاصل ہے یا مذہبی لوگوں نے اسے دی ہے جبکہ ان کے برعکس جناب علامہ تمنا عمادی صاحب نے تو

---

174 بلخی، افتخار احمد، **فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر**، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۱/۵۵

175 **جریدہ الواقعہ** کراچی شمارہ اول۔ اپریل ۲۰۱۲

176 سورہ النسآء ۴/ ۸۰

احادیث کے سارے مجموعے کو ہی سرے سے سازش عجم اور منافقین قرار دیا ہے وہ نہ اس کی تشریعی حیثیت مانتے ہیں اور نہ ہی احادیث کو مانتے ہیں بلکہ اسے سازش کا نام دے کر رَد کرتے ہیں کچھ حضرات کا یہ کہنا کہ علامہ تمنا عمادی صاحب حدیث کی تشریعی حیثیت کو مانتے ہیں اوراس کے لئے یہ حضرات علامہ صاحب کی کتب کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں جبکہ یہ ان کا پہلا دور تھا تنزیل صدیقی الحسنی نے آپ کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے اس میں آخری دور وہ تھا جس میں انہوں نے مجموعہ احادیث کا بالکل صاف انکار کیا جناب تنزیل صدیقی صاحب آپ کے آخری دور کا تذکرہ کرکے لکھتے ہیں کہ علامہ تمنا کے آخری دور میں انہوں نے حجیت حدیث کا صریح اور صاف لفظوں میں انکار کیا، وحی غیر متلو اور وحی متلو کو غیر قرآنی تقسیم کے تناظر میں احادیث سے انکار کیا، فرماتے ہیں:

"وحی غیر متلو کو "غیر قرآنی" کہہ کر رد کرنا اور اس کے اتباع سے انکار کرنا در حقیقت قرآن مجید کا انکار ہے۔"[177]

عجیب بات تو یہ ہے کہ علامہ تمنا عمادی صاحب قرآن کریم کی تفسیر اپنی عقل سے کرنے کو تو جائز کہتے ہیں اور احادیث متواترہ سے ثابت تفسیر کو رَد کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے احادیث کی قانونی حیثیت کو ہی مجروح کرکے اسے راستے سے یک طرف کردیا اب یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اگر اخبار احاد میں جرح قدح کی جائے تو مجتھدین کرتے رہتے ہیں جبکہ یہاں تو اخبار متواترہ کی بات ہے کہ متواتر روایات سے ثابت شدہ حکم سے بھی علامہ عمادی صاحب انکار کرتے ہیں مثلا: سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے شان نزول کو رد کرکے اس کو موضوع اور گھڑا ہوا ثابت کیا ہے۔[178]

حالانکہ اگر دیکھا جائے تو عقائد سے جڑی ہوئی بات ہے۔ جس کے شان نزول پر قرآن کی دو سورتوں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی تفسیر کا دارومدار ہے جسے ہم موضوع روایت نہیں کہہ سکتے۔

سب سے پہلے ہم سورۃ فلق اور سورۃ الناس کا شان نزول اور اس کے تفسیری واقعے کی طرف مختلف تفاسیر اور کتب احادیث سے مختصر اشارہ کرتے ہیں:

راوی کہتے ہیں کہ حضرت محمد کی خدمت ایک یہودی غلام کیا کرتا تھا وہ آپ کے بال اور کنگھی کے دانت رکھے تھے۔ اس نے وہ بال مبارک اور آپ علیہ وسلم کی کنگھی کے دانت یہود کو دے۔ تو یہود نے اس کی مدد سے آپ

---

[177] ۔ماہنامہ، **فاران**، کراچی، جنوری ۲۵، ۱۹۷۱

[178] ۔عمادی، علامہ تمنا، **جمع قرآن**، ۱۵۴

علیہ وسلم پر جادو کیا۔ جس شخص کو اس نے بال مبارک اور کنگھی حوالہ کی تھی۔ اس کا نام لبید بن اعصم تھا۔ پھر لبید بن اعصم نے اس جادو شدہ چیزوں کو بنی زریق کے کنویں میں کہ جس کا نام ذروان تھا میں ڈال دیا جس سے آپ بیمار ہوئے۔[179]

اسی طرح واقعہ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے اس کی تفصیل صفحہ 271 جلد نمبر 9 پر موجود ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے باب السحر عنوان سے ایک مبحث بنایا جس میں آپ کے سحر کی حدیث پورے وثوق اور سند تواتر کے ساتھ مذکور ہے کہ جس میں عائشہ تک روایت متصل ہے ۔ اماں صدیقہ سے یہی روایت ہے جس کی تفصیل صحیح البخاری کے باب سحر میں حدیث نمبر 5430 پر موجود ہے۔

اب آتے ہیں علامہ تمنا عمادی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کی تحقیق کی طرف کہ ان تمام ثقہ راویوں اور قوی تفاسیر کے خلاف اپنی ذاتی اور عقلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں اور ان کی کتاب اعجاز القرآن میں تحریر کی ہوئی ۔ تحقیق کا جائزہ بھی لیتے ہیں۔ علامہ تمنا عمادی کی کتاب اعجاز القرآن کے حصہ سوم محاذ تفسیر میں تفسیر کے حوالے سے کچھ آیات کی تشریح کرتے ہیں جن کو وہ موضوع اور گھڑی ہوئی شان نزول اور روایات مانتے ہیں۔

انہی امثلہ میں سے ایک مثال یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ جن کے شان نزول و روایات کو وہ موضوع لکھتے ہیں جبکہ یہ بھی فاسد عقیدہ کی مثال ہے کہ قرآن کی دو سورتوں کو جو کہ خاص نبی کریم کی شان مبارک میں اور ان کی صحت کے لیے اتاری گئی ۔ گویا کہ اس کا انکار بھی مغیبات کا انکار ہے۔ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی آخری دو سورتوں کا شان نزول بھی بہت مشہور ہیں کہ اس سے حضرت محمد پر بالواسطہ چوٹ پڑتی تھی۔ کہ ان آخری سورتوں کے شان نزول میں براہ راست کہ حضور پر حملہ ہوا تھا کہ مدینہ میں کسی مرد یا عورت نے حضور پر سحر کیا اور اس سے کئی عرصہ متاثر رہیں۔

یوں تو یہ روایات سحر ہر تفسیر و سیرت کی کتاب میں ملتی ہے۔ مگر زیادہ افسوس تب ہوتا ہے کہ بخاری اور مسلم میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً بخاری میں کتاب الطب باب ھل یستخرج السحر جلد ۲، صفحہ ۸۵۸ اور کتاب الادب باب ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان ص ۸۹۶ میں یہ روایت مذکور ہے۔

179- ترجمه تفسير الثعلبي، الكشف والبيان عن تفسير القرآن المؤلف: أحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي، أبو إسحاق (المتوفى: 427هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى 1422، هـ - 2002 م ج 10 ص 338

اور مسلم کی کتاب السلام، باب سحر میں بھی موجود ہیں۔ لہذا یہ روایت بخاری و مسلم دونوں کی متفق علیہ ہے اور اب تو ان روایات پر شک کرنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے۔

تمنا عمادی صاحب کہتے ہیں کہ:

> اس اقتباس میں علامہ صاحب کا مفہوم یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا تھا یہ مسلمہ عقیدے کے بالکل مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ہمیں قرآن میں انبیاء کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ شیطانی تصرفات سے بالکل دور رکھا گیا ہے اور یہاں پر روایت میں ضعف پائی جاتی ہے کیونکہ سفیان بن عیینہ نے ابن جریر سے پہلی مرتبہ سنا ہے اور یہ واقعہ زمانہ نبی کے سو سال بعد شہرت پائی۔

دراں حال کہ یہ چند لوگوں تک محدود تھا ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ حضور پر یہ سحر چھ ماہ تک با اثر تھا تو اتنا بڑا واقعہ کیسا غیر مشہور ہو سکتا ہے اور یہ حدیث ہم تک تواتر کی حیثیت سے پہنچی ہے۔[180]

پھر تمنا عمادی صاحب بخاری اور مسلم پر جرح کر کے لکھتے ہیں کہ:

> یہاں پر اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو والی روایت علامہ صاحب کے بقول یہ قرآن اور حدیث کے منافی ہیں کیونکہ انبیاء ان چیزوں سے معصوم ہیں اور اس جیسی چیزیں شریعت کی خلاف ہیں بہر حال یہ روایات ناقابل اعتماد ہیں ۔ پھر اتحاد کے متعلق غیر متواتر احادیث سے استدلال کرنا ہی غلط ہے ۔عقائد کی بنیاد صرف قرآن کریم ہے یا متواتر احادیث ہیں جبکہ جادو کی یہ روایات غیر متواتر ہیں ۔ پھر ان سب سے قطع

---

[180] ۔ ایضا:٦٦٦

نظر راجح روایات کی رو سے سورۃ فلق اور سورۃ ناس کا نزول مکی ہے۔ تو جادو والی روایات مدینہ میں بتانے کا قصہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔[181]

یہ سحر کی روایات کے بارے میں علامہ تمنا عمادی کا نقطہ نظر تھا کہ جس میں صحیح بخاری و مسلم کی روایت کو موضوع اور من گھڑت ثابت کیا گیا ہے۔ حالانکہ ہم نے تفسیر الثعالبی اور صحیح بخاری و مسلم کی صحیح روایت کو نقل کیا ہے۔ جہاں تک علامہ تمنا عمادی نے امام جصاص کی عبارت کو نقل کیا ہے۔ تو اس میں موسی علیہ السلام کے ساتھ جادوگروں کے مقابلے کا قصہ ہے۔ جس میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ﴿ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴾"[182] جادوگر کہیں سے بھی آجائے وہ موسی علیہ السلام کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو گا کیونکہ وہ نبوت اور معجزے کا مقابلہ جادو اور سحر سے تھا کہ موسی علیہ السلام حق پر تھے اور دوسری طرف جادوئی عمل تھا کہ جس کی کامیابی ممکن نہ تھی کیونکہ جو چیز قرآن میں ثابت ہے کہ جو منسوب ہے اللہ کے نبی موسی علیہ السلام کی طرف، کہ موسی علیہ السلام کو وہ رسیاں سانپ بن کر ملتے ہوئے محسوس ہوئے تو کیا وہ قرآن کی قطعیت کا انکار کریں گے اور کیا موسی علیہ السلام کا یہ رسیوں کو سانپ اور اژدہا تصور کرنا منصب نبوت کے خلاف تھا۔ اگر قرآن کے اس واقعے کو انہوں نے تسلیم کیا اور موسی علیہ السلام کا رسیوں کو سانپ تصور کرنا عصمت و نبوت کے خلاف نہ تھا تو حدیث سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سحر کو کیوں عصمت و نبوت کے منافی خیال کرتے ہیں لیکن یہ فقط منکرین حدیث کی رائے ہے۔ حالانکہ صریح قرآن سے یہ واقعہ ثابت ہے۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ علامہ تمنا عمادی نے یہ دعوی کیا کہ یہ حدیث سحر قرآن کے خلاف ہے تو یہ ان کی کم فہمی پر دال ہے۔ اس لیے مشرکین کا قول﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾[183] سے ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ دیر کے لیے جادو کیا گیا تھا۔ اس طرح کے ان کا جادو ان کے امور رسالت و تبلیغ سے متعلق نہ تھا پھر اللہ تعالی نے ان کو شفا دی۔ بلکہ ان کی اس قول سے مراد یہ تھی کہ یہ جو کر رہا ہے سن رہا ہے۔ جو کچھ بھی اس سے دین کی مد میں صادر ہو رہا ہے وہ خیال ہے اور جنون ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور یہ کوئی رسول یا پیغمبر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی وحی نام کی چیز ہے جو اس کو آسمان کی طرف سے آئی ہے تو ان کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہ صرف ایک جنوں خیال ہی ہے اور ان کا اس قول سے رسالت کا انکار تھا نہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ

---

[181] ۔ عمادی، علامہ تمنا، **اعجاز القران**، ۶۱۷

[182] سورہ طہٰ: ۲۰/۶۹

[183] سورۃ الاسراء ۱۷/۴۷

عرصہ کیلیئے کسی نے جادو کیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خاص حال جس کو ذکر کیا گیا وہ ایک خاص وقت تک تھا ۔نہ کہ وہ کہ جس کو مشرکین خیال کرتے تھے۔ تو مشرکین کے اس خیال اور گمان کو قرآن کی تکذیب اور حدیث سحر کے عدم وقوع پر دلیل اور حجت ماننا درست نہیں اور دوسری بات یہ دعوی کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا تھا تو یہ حدیث اور واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت عصمت اور تبلیغ کے کاموں کے منافی تھا۔ تو اس میں بھی دو طرح کے امور ہیں۔ پہلے تو یہ کہ جنہوں نے حدیث ذکر کی ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جیسے کہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ۔

دوسری بات کہ یہ جادو اور سحر بھی ان امراض کی طرح ایک مرض تھا جو تمام انسانوں کو لاحق ہوتے ہیں اور جن کا تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے نہ کہ بالکل عقل سے اور یہ ایسا امر بشری ہے کہ جن کا تعلق تمام انبیاء سے ہے قاضی عیاض[184] نے کہا ہے کہ:

"فظهربهذا ان السحره انما تسلط علی جسد وظواهره جوارحه لا علی تمییزه ومعتقده "[185]

(اس سے ظاہر ہوا کہ اس جادو کا تعلق صرف جسم اور ظاہر اعضاء سے ہے نہ کہ اعتقاد اور عقل سے کہ وہ تمیز کرتا ہے حق اور باطل کی)

حتی کہ ان تمام روایات جس کی دلیل قرآن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے، سلف کے اقوال سے، بلکہ ان کا اجماع اور جس طرح کے سب اسلاف نے نقل کیا ہے یہ اتنے دلائل ہیں۔ کہ جس کو شمار کرنا ناممکن ہے۔

اس کے علاوہ صحیحین میں اس حدیث کا وجود ہی کافی ہے کہ اس کی صحت اور ثبوت کو مانا جائے کیونکہ امت نے ان دونوں کتابوں کو تلقی بالقبول کے طور پر مانا ہے اور یہ ایسی احادیث نہیں ہے کہ جس کو نادر قرار دے کر نظر انداز کیا جائے یا استثنیٰ کی جائے کیونکہ صحیحین اور اس کے علاوہ حدیث کی اور کتب نے بھی اس حدیث کو مختلف اسناد

---

184 عیاض بن موسی بن عیاض بن عمرون بن موسی بن عیاض السبتی الیحصبی ہے۔ مراکش کے ایک ادیب، مؤرخ، محدث اور فقیہ فقہ مالکی تھے۔ اپنے زمانے میں علم حدیث کے امام تھے۔ وہ مراکیش میں 1149 عیسوی میں ایک یہودی نے زہر دیا تھا اور یہی سبب انتقال بنا۔ اور مختلف علوم پر بیس کے قریب کتب تالیف کیں مگر ان کی شہرت ان کی تالیف الشفاء بتعریف حقوق المصطفی کی وجہ سے ہے۔

185 علي بن نايف الشحود، **المفصل في الرد علی شبهات اعداء الاسلام**، ۱۰/ ۴۹۵

اور طرق سے نقل کیا ہے اور بہت سے صحابہ کرام جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم بھی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی ہیں کہ جن سے غلط اور جھوٹ بھول کے احتمال کا امکان ہی نہیں۔ تو کیا ان اسلاف کے جنہوں نے ان روایات کو نقل کیا اور ان کو صحیح کہا ہے۔ تو کیا ان تمام کی عقل فاسد ہے۔

تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سحر کی حقیقت اور حدیث دونوں واقعے کے مطابق تھے جبکہ علامہ تمنا عمادی نے ان روایات کو جھوٹ اور وضع پر مبنی قرار دیا ہے کہ جن کا تعلق عقیدہ سلیمہ سے ہے اور جن کا عقیدہ ان احادیث پر سے اٹھ گیا گویا کہ قرآن اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بالواسطہ جھوٹ باندھتا ہے اور ان کی قطعیت سے انکار کرتا ہے تو علامہ تمنا عمادی کی سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے انکار اور ان کو عقل کے تابع کرنا اور عقل کو نقل پر فوقیت دینا ان کی رائے ہے جو کہ صرف اور صرف عقل کے تابع ہیں اور نقل سے ماوراء ہے۔

غلام احمد پرویز اور وحی خفی / حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

عقلیت پسند حضرات خواہ وہ قدیم ہو یا جدید ان سب نے پہلے اپنے مزعومہ مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے وحی خفی اور حدیث کو راہ سے ہٹانے کی کوشش کی، یہی روش جناب پرویز احمد صاحب اوران کے ہمنواؤں کی بھی رہی ہے انہوں نے عقلیت پسندی کے لبادے میں اسلامی عقائد پر جو وار کئے ان میں سب سے کاری وار حدیث کی حجیت پر ہے ان کے تمام فاسد نظریات کے سامنے چونکہ احادیث مبارکہ سدراہ ہیں۔ اس لیے ان پر ویسے ہی ہاتھ صاف کردئے، جناب غلام احمد پرویز صاحب نے نبی کو دو حیثیت دیں پہلی یہ کہ نبی پر جب وحی آتی ہے تو اس واسطے سے یہ نبی ہوا جو نہی وحی ختم ہوتی ہے اب وہ نبوت کے منصب کو چھوڑ کر صرف اور صرف بشر ہیں لہذا بشر ہونے کی وجہ سے ان سے سہو اور غلطی کا امکان ہے جس کی وجہ سے ان کی بات کو تسلیم کرنا اوراسے شریعت کا جزء ماننا کوئی ضروری نہیں ہے جیسا کہ مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالی نے حضور ﷺ کی نبوی اور بشری حیثیت میں نمایاں فرق کر دیا
ہے نبی کی حیثیت سے آپ پر وحی نازل ہوتی تھی جس میں آپ کی مرضی
یاخیال وخواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے بعد آپ جو کچھ

ارشاد فرمایا کرتے یا فیصلے کرتے وہ آپ کی بشری حیثیت سے تھا جس میں اجتہادی سہو کا امکان تھا۔"[186]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی دو حیثیت ہیں قرآن کے معاملے میں تو نبی ﷺ سے سہو اور خطا کی گنجائش نہیں ہے البتہ حدیث کے معاملے میں سہو اور خطا کی گنجائش ہے۔

جناب پرویز صاحب نے حدیث کو حجت نہ ماننے کی ایک علت یہ بتائی ہے کہ وحی خفی یعنی احادیث نبوی ﷺ کو کوئی حیثیت نہیں دیتے اور جو لوگ حدیث کو حجت مانتے ہیں ان کی وجہ اور علت جناب غلام احمد پرویز صاحب کی نظر میں کچھ یوں ہے جو انہوں نے مطالب الفرقان میں لکھا ہے کہ:

"ہمارے یہاں جب دین مذہب میں بدلا تو یہ عقیدہ وضع ہوا کہ حضور ﷺ اپنی زندگی کے ہر سانس میں نبی تھے، حضور ﷺ کا ہر قول اور ہر عمل اور ہر فیصلہ وحی کی رو سے ہوتا تھا۔"[187]

یہ اور ان جیسی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تشریعی حیثیت آج سے نہیں روز اول سے مسلم ہے یہ نہ مذہب کی پیداوار ہے اور نہ ہی کسی فرقے اور جماعت کی، ہاں اگر کوئی کسی بات کو ماننے سے انکار کرے تو "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کا مصداق ہے حدیث کو نہ ماننے کی فرعیات میں سے پرویز صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

1۔ کسی شے کو حرام قرار دینے کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔

2۔ خدا کے علاوہ کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔[188]

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی اس عبارت کا تقاضا ہے کہ قول نبی ﷺ یعنی حدیث رسول کو یہ حیثیت حاصل نہیں کہ وہ حلت اور حرمت کو دین میں بنائے بلکہ وہ صرف اور صرف بتانے تک محدود ہے۔

حالانکہ اللہ تعالی کا ارشاد تو مطلق ہے:

---

[186]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۶/ ۲۰۳

[187]۔ ایضا ۶/ ۲۰۳

[188]۔ ایضا ۶/ ۲۰۳

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهوٰى اِنْ هوَاِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰی﴾[189]

(اور یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے)

اب یہاں پرویز صاحب یہ توجیہ کرسکتے ہیں کہ یہاں تو قرآن مراد ہے یعنی جب نبی قرآن پڑھ کے سناتا ہے تو اس میں اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کرتا مگر یہ توجیہ قابل قبول نہیں کیونکہ جمہور مفسرین نے اس کے خلاف لکھا ہے وہ نبی ﷺ کے ہر قول کو اس میں شامل کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بھی یہی بات لکھی ہے:

"وما يَنْطِقُ عَنِ الْهَوى أَيْ مَا يَقُولُ قَوْلًا عَنْ هَوًى إِنْ هُوَ إِلَّاوَحْيٌ يُوحى أَيْ إِنَّمَا يَقُولُ مَا أُمِرَ به يبلغه إلى الناس كاملا موفورا مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَلَا نُقْصَانٍ"[190]

(اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کا کوئی فرمان کوئی قول اپنی خواہش نفس اور اپنی طرف سے نہیں بلکہ یہ اللہ تعالی کا فرمان ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اتارتے ہیں وہی اپ پیش کرتے ہیں)

دیگر جمہور مفسرین کی ترجمانی کرتے ہوئے تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس آیت کے تحت رقمطراز ہے:

"وَمايَنْطِقُ بالقران ولابغيره عن الهوى يعنى لم يتقول القران من تلقاء نفسه كما يتقول الشعراء وكذا كل مايتكلم ليس منشاؤه الهوى النفسانية بل مستند الى الوحى جلى او خفى وان كان باجتهاد مامورمن الله تعالى مقررمن الله عليه فهو ليس عن الهوى البتة."[191]

---

[189] سورۃ النجم: ۵۳/ ۳۔۴

[190] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**، ۴/ ۱۱۷

[191] پانی پتی قاضی ثناء اللہ، **مظہری** (کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، س ن)، ۹/ ۱۰۴

(یعنی قرآن ہو یا دوسرا ارشاد وہ اپنے میلان نفس سے کچھ نہیں کہتے۔
مطلب یہ کہ شاعروں کے شعروں کی طرح قرآن انہوں نے خود نہیں
بنایا۔اسی طرح وہ جو کلام کرتے ہیں اپنے میلان نفس کے ماتحت نہیں کرتے
وحی جلی (قرآن) ہو یا خفی (احادیث) سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں بلکہ
وہ اجتہاد فکری بھی بامر خدا ہوتا ہے)

حدیث کے حوالے سے جناب پرویز صاحب کی ایک عجیب بات ہے کہ پرویز صاحب نے حجیت حدیث کو مذہب کے ساتھ جوڑ دیا حالانکہ یہی عمل قرون اولی سے صحابہ کرام کا عمل چلا آرہا ہے قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيهم حَفِيْظًا﴾"[192]

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے رسول اکرم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے فرمانبرداری سے کنارہ کشی اختیار کی تو تم پر اس نافرمانی کی کوئی حفاظت نہیں ہے اور نہ تمہارے اوپر ان کے اعمال کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح حجیت حدیث کے بارے میں بہت ساری احادیث مبارکہ بھی وارد ہوئے ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی مشہور روایت ہے:

(("عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدُ حِفْظَهُ، فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ فَقَالُوا: إِنَّكَ تَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تسمعه مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ. فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: «اكتب فو الذي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا حَقٌّ"))[193]

---

[192]۔ سورۃ النساء: ۴/ ۸۰

[193]۔ شیبانی، احمد بن حنبل، المسند، اول مسند عبد اللہ بن عمرو بن عاص، حدیث نمبر: ۶۵۱۰، ۶/ ۶۹

اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عمر حضور سے جو کچھ سنتے اسے لکھ دیتے تھے۔ کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ اس سے نہ لکھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصے میں اور کبھی غضب میں ہوتے ہیں تو انہوں نے لکھنا روک دیا پھر حضور کو یہ قصہ سنایا حضور نے فرمایا کہ کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے لکھ لیا کرو میں اپنے منہ سے حق اور سچ بات ہمیشہ نکالتا ہوں اس کے علاوہ کوئی بات نہیں۔

اسی طرح مسند احمد کی ایک اور روایت حجیت وحی خفی احادیث کے بارے میں ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

(("عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ: فإنك تداعبنا يا رسول الله. فقال: "إني لا أقول إلا حقًا"))[194]

(آپ نے فرمایا میں کچھ نہیں کہتا اور سوائے حق کے۔ اس پر بعض صحابہ نے کہا حضور ﷺ کبھی کبھی ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس وقت بھی میری زبان سے ناحق نہیں نکلتا)

حدیث کو حجت نہ ماننے کے بارے میں جناب پرویز صاحب تیسری وجہ یہ لکھتے ہیں کہ دین میں حلت وحرمت کا تعلق صرف اور صرف قرآن کریم سے ہے احادیث کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اگر ان اہل قرآن اور قرآن کو حجت ماننے والوں سے پوچھا جائے کہ آپ حضرات قرآن کو کیسے من مانی سے مانتے ہو، حالانکہ قرآن کریم کا صریح فرمان ہے کہ:

---

[194]۔ ایضا: **صحیفہ ھمام بن منبہ**، حدیث نمبر: ۸۴۶۲،،۸/ ۳۲۶

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾[195]

(جو اس رسول یعنی نبی امی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا)

یہاں تو قرآن نے تورات اور انجیل کا بھی حوالہ دیا کہ وہاں بھی حجیت حدیث کو مسلم قرار دیا ہے ان لوگوں کے دعوے کے مطابق اگر براہ راست جمہور مفسرین نے قرآن اور حدیث کی جو تشریح فرمائی ہے ان کی وجہ سے حجیت حدیث نہ مانے اس وجہ سے تو ماننا چاہیئے کہ تورات اور انجیل میں بھی اس کا یہی تذکرہ کیا ہے کیونکہ ان کے یہاں شرائع ما قبل حجت ہے مگر افسوس جب ایک دفعہ انکار پر اُتر آئیں تو اب ہزار دلائل کے باوجود انکاری ہی رہیں گے، جناب غلام احمد پرویز صاحب طلوع اسلام میں ایک مقام پر اپنے استاد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> اس تکمیل (یعنی: الیوم اکملت لکم دینکم اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ اب دین اسلام میں کون سی ایسی چیز کی ہے جس کی ضرورت ہم احادیث رسول سے پورا کر رہے ہیں۔[196]

عجیب بات ہے قرآن کی تفسیر کے لئے پرویز صاحب کی عقلی باتیں تو چل سکتی ہیں اور ان میں اتنی طاقت ہے کہ قرآن کی تفسیر بیان کریں مگر جس ذات پر قرآن نازل ہوا اسے یہ حق نہیں کہ اس کی روایات کو قبول کر کے کلام اللہ کی تفسیر اور تشریح کر سکے، پرویز صاحب کی گذشتہ عبارت کے جواب میں محمد دین قاسمی ساحب لکھتے ہیں کہ:

---

[195]۔ سورۃ الاعراف:۷/۱۵۷

[196]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، ستمبر ۱۹۵۵ء، ۱۲۶

"اس تکمیل قرآن کے بعد اب دین میں کیا کمی رہ گئی تھی جو پرویز کی "مفہوم" اور "مطالب الفرقان" سے پوری کی جائے؟ ان تفسیر نما تحریفوں کی جگہ اب اعتزال و تجہم کی مردود تاریخ کی الماری ہے۔"[197]

وحی خفی سنت اور حدیث اور جاوید غامدی:

دیگر عقلیت پسند حضرات کی روش پر چلتے ہوئے جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے بھی وحی خفی یعنی حدیث اور سنت نبوی ﷺ کا انکار کیا ہے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب بھی بظاہر حدیث کی حجیت کا دعوی کرتے ہیں مگر حقیقت یہ کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے، جاوید احمد غامدی صاحب کے بارے میں حدیث کے حوالے سے دو باتیں ملحوظ نظر رکھنے ضروری ہیں:

پہلی بات یہ کہ غامدی صاحب حدیث اور سنت کے اندر فرق کرتے ہیں وہ کہ حدیث نبی کریم ﷺ کے قول فعل اور تقریر کا نام ہے اس حوالے سے تو غامدی صاحب دوٹوک الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:

"حدیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ بالکل نہیں ہو سکتا۔"[198]

غامدی صاحب سنت کی تشریعی حیثیت تو نہیں مانتے البتہ اسے اپنانے کو اچھا سمجھتے ہیں، اچھا سمجھنے کا مطلب ہے کہ دین اسلام میں اس کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے مگر اگر کوئی اس پر عمل کرے تو اچھی بات ہے مگر دین کا جزء اسے نہ سمجھے، اسی وجہ سے ان کے یہاں سنت اور حدیث کو ماننے کا بھی راج ہے، انہوں نے سنن کی تعداد صرف 27 بتائی ہے جیسا کہ لکھتے ہیں:

"سنتوں کی کل تعداد صرف 27 ہے۔"[199]

دوسری بات یہ کہ اہل سنت والجماعت کے یہاں تو سنت اور حدیث تقریبا دونوں ایک معنی میں مستعمل ہے لیکن غامدی صاحب کہتے ہیں کہ سنت کا تعلق سنت ابراہیمی سے ہے یعنی اس کا اختصاص نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں البتہ آپ ﷺ نے اس کی تجدید فرمائی، جیسا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

197۔ قاسمی، محمد دین، **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ**، ۲/ ۸۹

198-بلخی، افتخار احمد، فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)، ۱/ ۷۵

199-ایضا ۶۵

سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح و تجدید میں کچھ توسیع کے ساتھ اپنی امت کے لیے جاری کیا۔[200]

ایک اور جگہ تو صاف انداز میں لکھتے ہیں کہ وحی خفی کے ساتھ وحی جلی جو کہ قرآن کریم ہے اس کی تشریعی حیثیت کو مجروح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن سے اسرائیلی روایات اور یہود و نصاری کا فکر و عمل بھی مقدم ہے اگر ٹکراؤ آجائے تو یہود و نصاری کے فکر و عمل کو ترجیح ہو گی:

"سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔"[201]

الغرض جناب جاوید احمد غامدی صاحب حدیث اور سنت میں فرق کرتے ہیں اور سنت سے مراد سنت ابراہیمی لیتے ہیں جس کو مانتے ہیں اور احادیث تو قول رسول ہے اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ یہ شریعت کے اصول میں سے نہیں ہے۔

حدیث اور سنت نبوی ﷺ کا شریعت کے ماخذ ہونے پر قرآن کریم اور احادیث نبویہ ﷺ میں بہت سارے دلائل ہیں کچھ دلائل اور نصوص پہلے بھی ذکر ہو گئے کچھ کا تذکرہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

((كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى)) [202]

(میری اُمت کا ہر شخص جنت میں داخل ہو گا، سوائے اس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون شخص ہے جس نے (جنت میں جانے سے) انکار کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا)

---

[200]- ایضا، ۱/۷۵

[201]- ایضا، ۱/۷۵

[202]- بلخی، افتخار احمد، فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر، ۱/۷۵

کلام اللہ میں کہیں دفعہ اور کہیں مقامات پر یہ ذکر کیا گیاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اسی میں نجات اور کامیابی ہے سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿ما أَرسَلنا مِن رَسولٍ إِلّا لِيطاعَ بِإِذنِ الله﴾[203]

(ہم نے رسول بھیجے ہی اس لئے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کی جائے)

نیز سورۃ النساء میں فرمایا:

﴿مَن يطِعِ الرَّسولَ فَقَد أَطاعَ الله﴾[204]

(جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی دراصل اس نے اللہ کی اطاعت کی)

سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

﴿لَقَد كانَ لَكُم فى رَسولِ الله أُسوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَن كانَ يرجُوا الله وَاليومَ الاخر﴾ [205]

(تم میں سے جو کوئی اللہ سے ملاقات اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے
اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں اچھا نمونہ
ہے)

اگر ہم حیات صحابہ کا مطالعہ کریں اور ان کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو ان کی انکھیں کھل جاتی ہے کہ انہوں نے کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی انہوں نے اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایک لحظہ بھی بغیر علم و تحقیق کے نہیں چھوڑا اور حضور اکرم کی اطاعت کا پورا کا پورا حق ادا کیا، یہی حالت تابعین اور اسلاف امت کی تھی مگر اس کے برعکس انیسویں صدی میں شروع ہونے والا انکار حدیث کا فتنہ عقل کی روشنی میں مختلف اقسام وانواع میں حدیث کی حجیت کا انکاری ہے کوئی صاف الفاظ میں کوئی دبے لفظوں میں، کوئی یہ دعوی کرتا ہے کہ ہم تو حدیث کو مانتے ہیں مگر درحقیت ان کے انکار کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ پہلوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

---

[203] سورہ النساء ۴/ ۶۴

[204] سورہ النساء ۴/ ۸۰

[205] سورہ الاحزاب ۴۰/ ۲۱

حاصل کلام یہ کہ غامدی صاحب کے یہاں ایک تو وحی خفی یعنی حدیث کی تشریعی حیثیت مخدوش ہے جبکہ دوسری طرف وحی جلی یعنی قرآن کریم کی تشریعی حیثیت وہ نہیں ہے جو اُمت مسلمہ کے اتفاق سے پہلے نمبر پر ہے اور غامدی صاحب کے یہاں حدیث اور سنت میں فرق ہے حدیث کا تعلق رسول اللہ ﷺ سے ہے جبکہ سنت کا تعلق ابراہیمؑ سے ہے اور سنت قرآن سے مقدم ہے بلکہ قرآن سے تو یہود و نصاری کے فکر و عمل بھی مقدم ہے جبکہ حدیث تو حجت ہی نہیں مانتے بایں معنی کہ اس سے دین میں کوئی کمی بیشی کا امکان ہی نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدیث کو حجت ماننے کے بحث میں تمام عقلیت پسند حضرات متفق نظر آتے ہیں اگرچہ ان میں سے ہر ایک کے انکار کا انداز کچھ مختلف ہے کسی نے کس انداز میں حدیث کی حجیت اور مصادر شریعت ہونے کو رد کیا ہے اور کسی نے ایک اور انداز سے رَد کیا ہے۔

عقلیت پسند حضرات کے یہاں وحی خفی کے انکار کرنے کی وجوہات:

پہلی وجہ:

دراصل وحی خفی یعنی حدیث کا انکار اس وجہ سے ہوا ہے کہ حدیث کے ہوتے ہوئے عقل کی اتنی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ آگے بڑھ جائے اور قرآن کی تفسیر اور تشریح کو اپنے ہی نہج سے بیان کرے لہذا ضرورت اس بات کی ہوئی کہ اس روڑے کو درمیان سے ہی نکال دیا جائے اور پھر عقلیت پسند رجحان رکھنے والے جیسے جناب پرویز صاحب اور ان کے مکتبہ فکر کے لئے راستہ ہموار ہو جائے اور پھر جو اپنے فہم سقیم میں جو آئے وہ بیان کریں، اور یہی ہوا کہ ان حضرات نے حدیث کو راستے سے ہٹا کر اپنی من مانی تفسیریں کرنی شروع کر دیں۔

دوسری وجہ:

غلام احمد پرویز اور دیگر عقلیت پرست حضرات کے دل کو صرف اس پر تسلی نہیں ہوئی کہ حدیث کا انکار کریں بلکہ انہوں نے جس شخصیت کی زبان پر یہ حدیث جاری ہوئی یعنی رسول اس کی ذات کو بھی مشکوک کرنے کی ناکارہ جہد وجہد شروع کر دی، رسول سے اسلامی تعلیمات کے مطابق وہ انسان مراد ہے جس پر اللہ تعالی وحی کا نزول فرماتے ہیں اور وہ وحی کی روشنی میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے مگر مذکورہ شخصیات کے نزدیک اس سے مراد مرکز ملت ہے اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ان کی اطاعت کو منکرین حدیث غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ غلام احمد پرویز صاحب کا کہنا ہے کہ اطاعت صرف قرآن کی فرض ہے۔ حتی کہ کسی نبی کی اطاعت بھی

فرض نہیں اس کی وجہ وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول تو خود عبد ہیں۔ جیسا کہ عبدہ ورسولہ میں بیان ہوا ہے انہی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

"قرآن کریم تو نبی کا سب سے بڑا مقام رسالت بتاتا ہے اور اس پر ایمان لانے کا بتاتا ہے۔ وہ جو آپ کے ہاں جیسے کلمہ شہادت کہتے ہیں، کا ٹکڑا عبدہ ورسولہ۔ اس ٹکڑے کی رو سے پہلے آپ کو اس رسول کیلئے عبدہ کہنا پڑتا ہے جس کی رسالت پر ایمان لانے سے آپ مسلمان ہوتے ہیں اور اس رسول کو پہلے عبد اس کا اطاعت گزار ماننا پڑتا ہے۔ تو اس طرح یہ جو اطاعت ہے یہ جو عبودیت ہے وہ صرف خدا کی ہے۔"[206]

غلام احمد پرویز صاحب کے متبعین میں سے ایک عقلیت پسند ڈاکٹر عبدالودود "طلوع اسلام نے کیا دیا" کے عنوان پر تقریر کرتے ہوئے رسول کی حیثیت واضح کرتے ہوئے گویا ہوئے:

"عملی انتظام کی سہولت کیلئے امت اپنے میں بہتر سے بہترین افراد کو اپنا نمائندہ بنا کر ﴿فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ﴾"[207] کے سلسلہ کو قائم رکھتی ہے اور یہ کہ رسول کی زندگی کے بعد "فیکم رسول" سے مراد ملت کی مرکزی اتھارٹی ہے جو رسول کا فریضہ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ادا کرتی ہے اور یہ کہ رسول کے بعد صرف مرکز ملت کو یہ حق حاصل ہے کہ دینی امور میں فیصلہ دے۔"[208]

---

[206]۔ چوہدری، غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، 276/4

[207]۔ الحجرات: 7/49

[208]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، جون 67، 1959

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

حالانکہ رسول اور نمائندہ میں فرق یہ ہے کہ رسول کو اللہ تعالی رسول بناتا ہے اور اس پر وحی نازل فرماتا ہے جب کہ مرکز ملت یا امام وقت کو لوگوں نے چنا ہوتا ہے۔ اس لیے کسی بھی غیر نبی کی بات رسول کی حیثیت سے نہیں مانی جاسکتی کیونکہ اس پر وحی نازل نہیں ہوتی اور نہ وہ معصوم ہی ہے۔ اس بنیادی فرق کی وجہ سے "زندہ جانشینوں" کی اطاعت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے جب کہ اللہ ورسول کی اطاعت غیر مشروط ہے۔ Final authority اللہ تعالی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"﴿یاایھا الَّذِینَ اٰمَنُوْٓا اَطِیعُوا اللہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیءٍ فَرُدُّوْہ اِلَی اللہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ باللہ وَالْیَوْمِ الْاٰخِر ذٰلِكَ خَیرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیلًا﴾"[209]

(مؤمنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں ان کی بھی۔ اگر کسی بات پر تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس کو اللہ تعالی اور رسول کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مال اچھا ہے)

اگر اولی الامر کی اطاعت عین اللہ اور رسول کی اطاعت ہوتی تو ان کی اطاعت کو مشروط قرار نہ دیا جاتا اور نہ اولی الامر سے اختلاف ہی کیا جاسکتا جیسا کہ اللہ ورسول سے اختلاف نہیں کیا جاسکتا مگر پرویز صاحب اس کی عقلی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کی اطاعت اس وقت کی جاسکتی ہے جب تک وہ زندہ ہو وصال کے بعد اطاعت رسول کی نہیں بلکہ مرکز ملت کی جائے گی لکھتے ہیں:

"قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے جب تک محمد

---

[209]۔ النساء: 59/4

صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ ورسول کی اطاعت تھی اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو"[210]

یہاں دو باتیں اس عبارت میں قابل غور ہیں پہلی بات یہ کہ جناب پرویز صاحب نے اطاعت کو زندہ کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس کی انہوں نے کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی ہے جبکہ عام طور پر اطاعت مطلق ہوتی ہے خواہ وہ زندہ کی ہو یا فوت شدہ کے اقوال اور فرمودات کی ہو پرویز صاحب نے قرآن کی ایک مطلق آیت کو مقید کیا اللہ اعلم کہ ایسا کیوں کیا گیا۔

دوسری بات یہ کہ پرویز صاحب کا دعوی ہے کہ رسول کی اطاعت بطور امام ہونے کے ہے حالانکہ رسول کی اطاعت بحیثیت رسول کی تھی نہ کہ امام وقت ہونے کی وجہ سے اللہ ورسول کی اطاعت کو ایک قرار دینے والے اسی بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر رسول کی حیثیت امام وقت ہونے کی وجہ سے تھی تو پھر اللہ ورسول کی اطاعت ایک کیونکر ہوسکتی ہے؟ اللہ ورسول کی اطاعت کو ایک قرار دینا اور پھر رسول کی اطاعت کو بحیثیت امام وقت ماننا دو مختلف چیزیں ہیں۔ اللہ ورسول کی اطاعت کو ایک ماننے کی صورت میں اس میں جانشینی اور نیابت نہیں چلتی، لہذا اللہ کی اطاعت اور امام وقت کی اطاعت برابر نہیں ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ عقلیت پسند حضرات کے نزدیک وحی خفی اور حدیث رسول کو مستقل اور دائمی تشریعی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی مسلمانوں کا خلیفہ ہو وہ مرکز ملت ہے اور اس کو "فیکم الرسول" کا مقام حاصل ہے۔

زندہ کی فرمانبرداری کو اطاعت کہنے والے کی اپنی حیثیت جو کہ منکرین وحی خفی (یعنی حدیث) کے نزدیک ہے وہ امام وقت سے کم نہیں۔ پرویز صاحب کے آنجہانی ہو جانے کے باوجود ان کی اطاعت کی جاتی ہے ان کے اقوال

---

[210]۔ چوہدری، غلام محمد پرویز، **مقام حدیث**، ۱۵۵۱

کو اصل اسلام قرار دیا جاتا ہے جب کہ رسول کی بات آتی ہے تو منکرین حدیث کہتے ہیں رسول چونکہ فوت ہو گئے ہیں، اس لیے اب ان کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری نہیں ہے۔

مبحث سوئم: نبوت اور ختم نبوت کا مفہوم اور عقلیت پسند رجحان:

اس بحث میں سب سے پہلے نبوت اور ختم نبوت کا مفہوم واضح کیا جائیگا اس کے بعد عقلیت پسند رجحانات نے اس مفہوم کو کس طرح لیا ہے اور اس میں کیا تاویلات کی ہیں اس پر سیر حاصل بحث کی جائے گی اور آخر میں جمہور کا موقف کو بھی واضح کیا جائیگا۔

نبوت کا مفہوم:

نبوت کے لغوی معنی بلندی، علو، رفعت، ارتفاع، اونچی شان کے آتے ہیں جیسا کہ تاج العروس میں ہے:

"النبوة العُلُوّ والارْتِفاعُ-"[211]

(نبوت بلندی اور علو کو کہتے ہے)

نبوت کو بلند منصب کی وجہ سے نبوت کہا گیا، اصطلاح میں اگر نبوت کی مختصر انداز میں تعریف نقل کر دی جائے تو معجم اللغہ العربیہ کے مطابق یوں کہا جا سکتا ہے کہ:

"نُبوءة تبليغ وحي الله إلى النَّاس-"[212]

(اللہ تعالی کی وحی کو لوگوں تک پہنچانے کا نام نبوت ہے)

یہ تعریف عام فہم ہے کہ اللہ کے پیغام کو بندوں تک پہنچانے کو نبوت کہا جاتا ہے در حقیقت نبوت اللہ تعالی کی طرف سے اپنے کسی خاص نیک برگزیدہ بندے کو دی جاتی ہے یہ کسی انسان کا کام نہیں اور نہ ہی محنت اور مشقت سے اس منصب کو پاتے ہیں اور نہ ہی اس منصب تک کوئی انسان بھی پہنچ سکتا ہے یہ صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات کی طرف سے ایک تحفہ ہوتا ہے جو اللہ کے پیغام کو اپنے بندوں تک پہنچ جاتا ہے اور یہ منصب جس سے چاہتا ہے انہیں دیتا ہے وہی اس پر قادر ہے۔

---

[211]۔ الزبیدی، محمّد بن محمّد، **تاج العروس من جواهر القاموس**، (دار الهداية، بیروت، س ن)، ۴/ ۱۶

[212]۔ دکتور، أحمد مختار، **معجم اللغة العربية المعاصرة**، بیروت، عالم الکتب، ۱۴۲۹ھ-۲۰۰۸م، ۳/ ۲۱۵۳

اور نبی کا لفظ قران مجید میں مختلف مقامات پر مختلف وزن پر آیا ہوا ہے

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ذٰلِكَ مِن أَنباءِ الغَيبِ﴾"[213]

(یہ خفیہ خبریں ہیں)

ایک مقام پر ارشاد ہے:

﴿مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا﴾"[214]

(تمہیں یہ خبر کس نے دی)

چنانچہ مولانا غلام مرشد صاحب[215] لفظ "نبوت" کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے بہت ہی عمدہ انداز میں رقمطراز ہیں:

"کوئی بات بتادینا یا کسی کو پہنچادینا اس کا نام لغت میں "نبوت" ہے۔"[216]

سورہ الانعام میں اس ارشاد ربانی کا ہے:

﴿اللَّهُ يعلَمُ حَيثُ يَجعَلُ رِسالَتَهُ﴾ [217]

(اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی رسالت کا اہل ہے)

دنیا عالم کے تمام انسانوں پر انبیاء کرام کو ترجیح دی ہے اور یہ ایک ایسا عہدہ ہے کہ جس کو بھی دیا گیا ہے وہ تمام انسانوں پر فوقیت اور برتری حاصل کی ہے یہ ایک ایسا عمل ہے کہ جو اللہ تعالی اپنے خاص بندے کو دیتا ہے یہ نہ

---

[213]۔ سورۃ آل عمران:۳:۴۴

[214]۔ سورۃ التحریم:۶۶:۲

[215] مولانا غلام مرشد 1894ء کو انگہ (ضلع خوشاب) میں پیدا ہوئے، 1935ء سے 1965ء تک بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب رہے۔ آپ کو کارکن تحریک پاکستان گولڈ میڈل دیا گیا۔ آپ 1929ء سے 1966ء تک انجمن حمایت اسلام کے نائب صدر اور جمعیت العلمائے اسلام کے بانی رکن تھے۔

[216]۔ مولانا غلام مرشد، **ماہنامہ تعمیر انسانیت**، جنوری 1985، 10

[217]۔ سورۃ الانعام:۶/ ۱۲۵

کسی قبیلے کی وجہ سے اور نہ کسی مالداری کی وجہ سے اور نہ ہی کسی اور منصب کی وجہ سے دیتا ہے بلکہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے ایک خاص انعام ہے جو اپنی مرضی سے ایک بندے کو منتخب کرتا ہے اور انہیں دیتا ہے۔

ختم نبوت کا مفہوم:

اسلام میں ختم نبوت کے پوری بحث کا تعلق سورہ الاحزاب کی اس آیت کریمہ سے ہے جس میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

"﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔﴾"[218]

((مسلمانو!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے)

اس ایت کریمہ میں خاتم النبیین کے لفظ خاتم میں دو قراتیں پڑھی جاتی ہیں ایک بفتح تا قراءت اور دوسری بکسر تا قراءت ہے دونوں قراءتوں کا معنی ایک جیسا ہے۔۔ لغت عربی میں تمام کتابوں میں لفظ خاتم بالکسر والفتح دونوں کے معنی مذکور ہیں اسی لئے تفسیر روح المعانی میں خاتم بمعنی مہر کا حاصل بھی وہی معنی آخر کے بتلائے ہیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

"والخاتم اسم الة لمايختم به فمعنى خاتم النبين الذى ختم النبيون به وماله اخرالنبين-"[219]

(خاتم اسم آلہ ہے جس پر مہر لگایا جائے تو خاتم النبین کا معنی ہوا کہ جو انبیاء کے سلسلے پر مہر لگانے والے ہو اور اس کے لئے آخر ہو)

---

[218]۔ سورہ الاحزاب:۳۳:۴۰

[219]۔ آلوسی، محمود بن عبد اللہ، **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني**، (دار الکتب العلمیة، بیروت،)، ۱۱/۲۱۳

اوراسی طرح خاتِم اور خاتَم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں،ابن منظورافریقی لسان العرب میں رقمطراز ہے:

"خاتَمهم وخاتِمهم ای اخرهم-"[220]

(خاتَم اور خاتِم دونوں کے معنی آتے ہیں آخری)

"خاتم النبيين ای اخرهم-"[221]

"خاتم النبیین یعنی ان سب میں آخری۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا لقب خاتم النبیین ہے ہی اسی لیے کہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ختم ہوگئی اور نبوت کی تکمیل آپ کی آمد سے ہوگئی،امام راغب الاصفہانیؒ لکھتے ہیں:

" وخاتم النبيين لانه ختم ای تممها بمجيئه -"[222]

(آپ خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے آنے سے نبوت ختم اور مکمل ہوگئی)

تاج العروس میں ایک اور مقام پر علامہ زبیدی بلگرامی لکھتے ہیں:

" هو الذی ختم النبوة بمجئه ـ"[223]

(وہ ہے جس کے آنے سے نبوت ختم ہوگئی)

حافظ عمادالدین ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے کہ اس آیت کا معنی ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں،جیسا کہ لکھتے ہیں:

---

[220]۔۔ابن منظور، محمد بن مکرم بن علی، **لسان العرب**، ۱۲/ ۱۲۳

[221]۔الزبیدی، محمدّ بن محمدّ، **تاج العروس من جواھر القاموس**، ۳/ ۴۸

[222]۔الاصفہانی، محمد بن حسین، **المفرادت فی غریب القرآن**، ۱/ ۲۷۵

[223]۔الزبیدی، محمدّ بن محمدّ، **تاج العروس من جواھر القاموس**، ۳/ ۴۹

"هذه الاية نص فی انه لانبی بعده وبذالک وردت الاحادیث المتواترة عن رسول الله عن جماعة من الصحابة- لِيَعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنِ ادَّعَى هَذَا المقام بعده فهو كذاب وأفاك دجال ضال مضل۔"[224]

(یہ آیت کریمہ اس بات میں نص صریح ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے تواتر کے ساتھ روایات منقول ہیں۔۔۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعوی کریگا وہ جھوٹا ہے جھوٹ باندھنے والا ہے دجال ہے خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والے ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ قراءت خواہ بفتح تاء کی لی جائے یا بکسر تاء کی، معنی دونوں صورتوں میں یہ ہیں کہ آپ ختم کرنے والے ہیں انبیاء کے یعنی سب کے آخر اور بعد میں آپ مبعوث ہوئے ہیں اور آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئیگا۔

ذات محمدی پر نبوت کا ختم ہو جانا امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ وہ اجماع امت سے زندیق بلکہ حکومت اسلامی پر لازم ہے کہ اسے قتل کرے تاکہ کوئی اور یہ جراءت نہ کر سکے جیسا کہ البحر المحیط میں ہے:

"ومن ذهب إلى أَنّ النّبوّةمكتسبةلاتنقطع أوإلى أنّ الوليّ أفضل من النّبيّ فهوزنديق يجب قتله"[225]

(جس نے یہ کہا کہ نبوت ایک اکتسابی چیز ہے اور ختم ہونے والی چیز نہیں ہے یا یہ کہا کہ ولی نبی سے افضل ہے یہ زندیق ہے اس کو قتل کرناواجب ہے)

---

[224]۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**،۶/ ۳۸۴

[225]۔ الاندلسی، أبو حیان محمد بن یوسف، **البحر المحيط في التفسير**، (دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۰ھ)،۸/ ۴۸۵

اسی بات کو علامہ آلوسی بغدادی نے روح المعانی میں اصرار کے ساتھ مقید کیا ہے ،اس حوالے سے روح المعانی میں حضرت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"واجمعت علیه الامة فیکفر مدعی خلافه ویقتل ان اصر-"[226]

(اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مدعی نبوت کی تکفیر کی جائیگی اور اگر وہ اس پر اصرار کریگا تو اسے قتل کیا جائیگا)

یہ ختم نبوت کا دعوی بھی اسلام کے امتیازی خصوصیات میں سے ہے پیغمبر اور ہادیان مذہب قرآن سے قبل بے شمار آچکے تھے کتابیں بھی نازل ہو چکی تھیں مگر یہ دعوی کسی نے بھی نہیں کیا تھا کہ میں آخری پیغمبر ہوں اور میرے بعد اب کوئی پیغمبر نہ آئے گا اور اس دعوے کی بولتی ہوئی سچائی دیکھئے کہ اس تیرہ چودہ سو برس کی مدت میں کوئی سنجیدگی کے ساتھ دعویدار نبوت ہوا ہی نہیں، مسیلمہ متنبی وغیرہ کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہی ہے لے دے کے نام ساری تاریخ میں صرف دو شخصوں کے اس سلسلہ میں لیے جاسکتے ہیں۔ ایک بہاء اللہ (بانی مذہب بہائی) دوسرے مرزا غلام احمد (بانی سلسلہ قادیانی) تو ان میں مرزا تو اپنے کو کھلم کھلا محمدی اور متبع کامل دین احمدی کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نبوت تو ان کے زعم واصطلاح میں تمامتر اتباع رسول ہی ہے۔

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو کہ رسالت ونبوت میں ایک فضیلت اور خصوصیت کی اظہار کرتی ہے۔ کیونکہ اکثر جب کوئی چیز ترقی کی راہ پر گامزن ہوتی ہے تو پھر اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جو خلاصے پر پہنچ جاتا ہے یہی اس کا اصل مرام ہوتا ہے کتاب اللہ نے اس کو بہت ہی واضح ذکر کیا ہے کہ:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي -﴾[227]

(آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے)

اس تمہیدی گفتگو کے بعد اب ختم نبوت کا جو مفہوم عقلیت پسند رجحانات کے یہاں پایا جاتا ہے اس پر تفصیلی گفتگو کرینگے۔

---

[226]۔ آلوسی، محمود بن عبد اللہ،روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني،۱۱/۲۲۰

[227]۔ سورہ المائدہ:۵:۳

ختم نبوت کا مفہوم عقلیت پسند حضرات کی نظر میں:

عقلیت پرست حضرات میں سے سوائے مولوی محمد علی لاہوری کے ختم نبوت کے مفہوم پر جمہور علماء کی طرح متفق ہیں البتہ مولوی محمد علی لاہوری ختم نبوت میں عقل پرستی سے کام لیا ہے مولوی محمد علی لاہوری شروع میں ۱۹۱۴ کے قادیانی دین کے دیگر پیروکاروں کے ساتھ اختلافات سے پہلے ختم نبوت کا صریح انکار کیا کرتے تھے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو بے چوں وچرا نبی مانتے تھے جیسا کہ ان کے لٹریچر اور تفسیر بیان القرآن سے معلوم ہوتا ہے:

> "ہر ایک نبی نے جو خدا کی طرف سے آیا دو باتوں پر زور دیا ہے اول یہ کہ لوگ خدا پر ایمان لائے دوئم یہ کہ اس کی نبوت کو اور اس کی منجانب اللہ ہونے کو تسلیم کرلیں بعینہ اسی قدیم سنت الہی کے مطابق اللہ تعالی نے مرزا صاحب کو مبعوث کیا۔"[228]

یہی مضمون مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے اپنے مشہور رسالہ "ریویو آف ریلجنز" جو بعد میں کتابی شکل میں چھپ کر آگیا میں بارہا نقل کیا ہے ایک مقام پر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> "قرآن شریف اور حدیث نبوی ﷺ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دو بعثتیں یا دو ظہور ہیں اور آپ کے دو ناموں محمد ﷺ اور احمد ﷺ میں ان ہی دو بعثتوں کی طرف اشارہ ہے۔"[229]

مگر ۱۹۱۴ء کو جب مولوی محمد علی لاہوری اور دیگر قادیانیوں کے درمیان اختلاف رُونما ہوئے تب انہوں نے مرزا صاحب کو صریح الفاظ میں نبی تو نہیں مانا البتہ آپ کی نبوت کی تاویلات کیا کرتے تھے جس کا خلاصہ پھر سے وہی نکلتا ہے کہ مولوی محمد علی لاہوری مرزا کو نبی مانتے تھے گویا قادیانی دین کے پیروکار مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی کریم

---

[228]۔لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، 3/226

[229]۔لاہوری، محمد علی، **ماہنامہ ریویو آف ریلیجنز**، مارچ 1912، لاہور، ج:8، 174

محمد مصطفی ﷺ کے بعد نبی مانتے ہیں اس لئے وہ ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں جبکہ تمام اُمت کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی نبی ہونے کے بعد اب نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، مولوی محمد علی لاہوری اور اس کے متبعین ایک طرف تو یہ دعوی کرتے ہیں کہ نبوت آپ ﷺ پر ختم ہو گئی آگے کسی نبی نے نہیں آنا ہے جبکہ دوسری طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے جاری یا منقطع ہونے کے بارے میں ایسی عقلی تاویلات پیش کرتے ہیں جس کا معنی ہے کہ نبوت تاحال کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے اس حوالے سے محمد علی صاحب ختم نبوت میں تاویل یا بالفاظ دیگر تحریف کرتے ہیں چنانچہ ختم نبوت کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر کچھ یوں ہے کہ:

"باب نبوت کو مسدود ماننے کے باوجود ایک قسم کی نبوت کا دروازہ امت کی لئے تا قیامت کھلا ہے اور وہ نبوت وہی ہے جو انسان کامل کے اقتداء سے ملتی ہے یا فنافی الرسول سے ملتی ہے اور وہ ظلی نبوت ہے۔"[230]

ان تفصیلات کے ساتھ محمد علی لاہوری نے مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ کی طرف سے مامور قرار دیا ہے اور اس کے دعوی نبوت کی تاویل مجازی ولغوی نبوت کے پیرائے میں کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کا دروازہ کسی نہ کسی طرح دین قادیانی میں کھلا ہوا ہے اس بات کو تو باقی قادیانی حضرات ببانگ دہل کہتے ہیں مگر محمد علی لاہوری اس کو تاویل یا تحریف کے انداز میں بیان کرتے ہیں جس سے دونوں کا منشاء اور مقصد ایک ہو جاتا ہے اور اپنے مقصد میں یہ لوگ کامیاب ہو جاتے ہے۔[231]

مفسر بیان القرآن جناب محمد علی لاہوری کے خیال میں مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے دعوی نبوت منسوب کرنا اور اسے نبی ماننا دراصل متشابہات کی پیروی ہے اور مرزا قادیانی کا دعوی نبوت دراصل لغوی ومجازی رنگ میں ہے۔[232]

---

[230]۔ لاہوری، محمد علی، **النبوۃ فی الاسلام**، لاہور، احمدیہ، انجم اشاعت اسلام، ۱۴۹، ۱۹۷۴

[231]۔ ایضا/ ۱۸۵

[232]۔ ایضا/ ۱۸۵

جہاں قادیانی صاحب کی نبوت میں تاویل کر کے کبھی ظلی کبھی بروزی اور کبھی لغوی اور مجازی نبی کے نام دیتے ہیں وہاں لفظ خاتم النبیین تمام نبیوں سے بلند اور اعلی نبی مراد ہیں جو اعلی اور بڑے درجوں پر قائم ہو تو ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر کوئی نبی کی زیادہ پیروی کرے تو وہ نبوت کے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

جمہور علماء اُمت اور مفسرین کرام نے ختم نبوت کا مفہوم اور تصور عقلیت پسند حضرات کے برخلاف نقل فرمایا ہے ختم نبوت کے مفہوم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر آج تک علمائے اُمت کا اجماع ہے کہ نبی کریم محمد مصطفیؐ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔

اس لحاظ سے جب ہم یہ دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی سے لے کر آج تک ہر زمانے کے اور پوری دنیائے اسلام میں ہر ملک کے علماء اس عقیدے پر متفق ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا اور یہ کہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس منصب کا دعویٰ کرے، یا اس کو مانے، وہ کافر خارج از ملّت اسلام ہے اس سلسلہ کے بھی چند شواہد ملاحظہ ہوں:

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> (("عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ،قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا وَأَحْسَنَهَا إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ لَوْلاَ مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ))"[233]
>
> (میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ

---

[233]۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، **الجامع**، ابْوَابُ الأَمْثَالِ عَنْ رَسُولِ اللهِ ،بَابُ مَا جَاءَ فِي مَثَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالأَنْبِيَاءِ قَبْلَهُ، حدیث نمبر: ۲۸۶۲، ۲/۴۴۴

میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "(قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کو مکمل کر دیا)

اس حدیث میں تفصیلاً ذکر کیا گیا کہ نبوت ایک بہت ہی اعلیٰ منصب ہے جس کے تمام ممبر انبیاء علیہ السلام ہیں۔ یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی حضرت محمد نے اس تعمیر کی تکمیل کر دی اس تکمیل کے بعد کسی اور نبی اور رسالت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اگر نبوت یا رسالت کے کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں ایک روایت حضور کی موجود ہے فرماتے ہیں:

(("عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَ: كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَانَبِيَّ بَعْدِي وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكْثُرُ-"))[234]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبیاء کا سلسلہ اس طرح تھا کہ جب کسی نبی کی وصال ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تو یہ سلسلہ مجھ تک پہنچا اور ختم ہوا اور میرے بعد کسی نبی نے نہیں آنا بلکہ میرے بعد صرف خلیفہ ہوں گے۔

اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟ اس کے متعلق فرمایا کہ آپ کے بعد امت کی تعلیم و ہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہوگا، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے

---

[234] ۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الامارہ، بَابُ الْأَمْرِ بِالْوَفَاءِ بِبَيْعَةِ الْخُلَفَاءِ، الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ، حدیث نمبر:۱۸۴۲، ۳/۱۴۷۱

مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہو گا، اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا، صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ کی حدیث مرفوع ہے:

((" إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ-"))[235]

(انبیاء کی نبوت میں سے بجز مبشرات کے کوئی چیز نہیں پائی جاتی مگر سچا خواب)

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں اس پر تو علماء نے باقاعدہ "ختم نبوت" کے نام سے کتابیں لکھی ہیں اور اس میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے اپنے عقل پرستی میں جو بقاء نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ آپ کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اسی وجہ سے تمام اہل سلف و خلف کا اس پر اجماع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی نے آنا نہیں اور جو شخص دعوی کرے گا وہ منکر قرآن اور خارج از اسلام ہے۔ اس پر تمام صحابہ کا اجماع بھی واضح موجود ہے۔

آئمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات کی روشنی میں مفتی محمد شفیعؒ اپنے کتاب "ختم نبوت" میں رقمطراز ہے:

> اس کلام کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے کتاب اللہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں واضح طور پر ختم نبوت کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد ہے اور یہ اخری نبی ہے اس کے بعد کسی نبی نے

---

[235] بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب الصلوات، بَابُ النَّهْيِ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ، حدیث نمبر:۴۷۹، ۱/۳۸۴

نہیں انا اور اگر کوئی دعوی کریں تو اس کا دعوی جھوٹا ہو گا کیونکہ امت میں مختلف لوگوں نے نبوت کے دعوے کیے ہیں لیکن بعد میں ان کے اقوال وہ روایات قران اور احادیث اور عقل کے خلاف نکل ائے۔[236]

امام غزالی نے اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد "میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور عقیدہ ختم نبوت کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

"أن الأمة فهمت بالإجماع من هذا اللفظ ومن قرائن أحواله أنه أفهم عدم نبي بعده أبداً وعدم رسول الله أبداً وأنه ليس فيه تأويل ولا تخصيص-"[237]

(لا نبی بعدی اور خاتم النبیین سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کے بعد کسی نبی نے آنا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نبی ہو گا نہ اس میں کسی بھی قسم کی طرح تاویل اور تفسیر کی جاسکتی ہے)

اور قاضی عیاض[238] نے اپنی کتاب شفابتعریف حقوق المصطفی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنیوالے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنیوالا اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں:

" وأجْمَعَت الْأُمَّة عَلَى حَمْل هَذَا الْكَلَام عَلَى ظاهِرِه وَأَنّ مَفْهُومَه المرَاد بِه دُون تَأْوِيل وَلَا تَخْصِيص فَلَا شَكّ فِي كُفْر هَؤُلَاء الطّوَائِف كلها قَطْعًا إجْماعًا وسمعا وكذلك وقَع الإجْماع عَلَى تَكْفِير كُلّ مِن دافع نص الكتاب أو خص حديثا مجمعا عَلَى نَقْلِه مَقْطُوعًا بِه مُجْمَعًا عَلَى حَمْلِه عَلَى ظَاهِرِه-"[239]

---

[236]۔ عثمانی، مفتی محمد شفیع، **ختم نبوت**، ادارہ المعارف، کراچی، ۲۰۰۵ء، ۲۶

[237]۔ الغزالی، أبو حامد محمد بن محمد، **الاقتصاد في الاعتقاد**، **دار الكتب العلمية**، بيروت، الطبعة: الأولى- ۲۰۰۴م، ۱/۱۳۷

[238] قاضی عیاض مراکش کے ایک مشہور ادیب، مؤرخ، محدث اور فقیہ فقہ مالکی تھے۔

[239]۔ القاضي عياض بن موسى، **الشفا بتعريف حقوق المصطفى**، دار الفكر، بيروت، ۱۴۰۹ھ-۱۹۸۸م، ج ۲/۱۷۰

اس عبارت میں قاضی عیاض کا مفہوم یہ ہے کہ کلام کے ظاہر پر محمول کیا جائے کہ امت کا اجماع ہے اور اس میں کوئی تاویل اور تخصیص نہیں ہے کہ جو لوگ اور جو فرقے یا مسالک مذاہب اس جیسے دعوے کریں گے تو وہ اسلام سے خارج ہوں گے اور کہتے ہیں کہ ان کا کفر قران و سنت اجماع امت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔

علامہ ابن جریر اپنی تفسیر میں اس ایت کے بارے میں ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین کا معنی بیان کرتے ہیں:

"الذی ختم النبوة فطبع علیها فلاتفتح لاحد بعده الیٰ قیام الساعة"[240]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے جب نبوت کا سلسلہ ختم کیا اور اس پر مہر لگا دی تو اس کے بعد قیامت تک اس بارے میں کوئی دروازہ نہیں کھلے گا۔"

امام طحاوی کی کتاب عقیدہ سلفیہ میں تمام ائمہ کے عقائد نبوت کے بارے میں یہ لکھتے ہیں: "وإنه خاتم الأنبياءوإمام الأتقياءوسيد المرسلين وحبيب رب العالمين وكل دعوى النبوة بعده فغيٌّ وهوى"[241]

(اور یہ کہ رسول اللہ اللہ کے خاص نیک بندے اور محبوب ترین رسول ہیں اور وہ وہ تمام رسولوں کے اقا اور حبیب ربّ العالمین خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت محمد کے بعد نبوت کا دعوی ذلت کفر اور گمراہی ہو گی)

ابن حزم کا قول ہے:

---

[240]۔ طبری، محمد بنِ جریر، جامع البیان، ۲۲/ ۱۲

[241]۔ شرح **الطحاویہ فی العقیدة السلفیہ**، دار المعارف مصر، ۱۰۲، ۱۰۰، ۹۶، ۸۷، ۱۵

سلسلہ وحی یقیناً حضرت محمد مصطفی کا دنیا سے جانے کے بعد رک گیا قران کریم اور احادیث اس پر دلیل ہے کہ سوائے ایک نبی کی طرف وحی کسی اور پر نہیں ہوئی اور اللہ تعالی نے فرمایا کہ محمد تم میں سے کسی کا باپ نہیں اور وہ اخری نبی اور رسول ہیں۔[242]

امام غزالی اس روایت کو اس لیے نقل کر رہے ہیں ان کی اصل عبارت کے ساتھ کہ منکرینِ ختم نبوت نے بڑے زور شور سے اس حوالے کی صحت کو چیلنج کیا ہے:

"لوفتح هذا الباب(ای باب انکا رکون الاجماع حجة)انجرالی امور شنیعة وهو ان قائلا لو قال یجوز ان یبعث رسول بعد نبینا محمّد صلی الله علیه و سلم فیبعد التوقف فی تکفیره، ومستبعد استحلة ذالک عند البحث تستمد من الاجماع لا محالة --- ولکن الرد علیٰ هذا القائل ان الامة فهمت بالاجماع من هذا االلفظ و من قوائن احواله انه الهم عدم نبی بعده ابداً وعد م رسول الله ابداً وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص فمنکر هذا لا یکون الامنکر الاجماع -"[243]

اس تفصیلی اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اجماع کا دروازہ کھول دیا جائے تو اس میں مختلف قسم کے معیوب اور مذموم مباحث سامنے ائیں گے اور پھر اس میں مختلف قسم کی فاسد تاویلات سے بھی کام لیں گے تو لہذا یہ اٹل ہے کہ قرآن اور احادیث میں خاتم النبیین لا نبی بعدی میں کسی بھی قسم کی تعبیر نہیں کی جاسکتی کیونکہ اگر تاویل کی گنجائش رکھ دی جائیں تو پھر یہاں پر مختلف تاویلات سے کام لیں گے اور پھر کسی لفظ کی تعمیم و تخصیص کے لیے کوئی قاعدہ باقی نہیں رہے گا تو لہذا قران کریم اور احادیث میں خاتم النبیین لا نبی

242۔ الاندلسی، علی بن احمد بن حزم، **المحلّٰی**، لاہور، دارالدعوۃ السلفیہ، ۲۰۱۴، ۱/ ۲۶

243۔ غزالی، محمد بن احمد، **القتصاد فی الاعتقاد**، المطبعۃ الادبیہ، مصر، ۱۱۴

بعدی میں مزید کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے اور یہ اٹل ہے کہ اخر نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس کے بعد کسی بھی قسم کا نبی نے آنا نہیں۔

محی السُّنَّہ بَغَوی اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھتے ہیں:

"قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُرِيدُ لَوْ لَمْ أَخْتِمْ بِهِ النَّبِيِّينَ لَجَعَلْتُ لَهُ ابْنًا يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيًّا-" 244

(ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر آپؐ پر نبوت کو ختم نہ کر دیا جاتا تو آپ کا بیٹا بھی ہوتا جو آپ کے بعد نبی ہوتا)

خلاصہ کلام یہ کہ عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات ختم نبوت کا وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو اہل سنت والجماعت کا ہے البتہ ان میں مولوی محمد علی لاہوری قادیانی صاحب چونکہ ایک نئے دین کے پیروکار ہیں جس دین کا مدار ہی نبوت کے جاری ہونے پر ہے اسی وجہ سے ابتداء میں تو مولوی محمد علی لاہوری نے ختم نبوت کا صریح انکار کیا مگر جب انہوں نے نیا گروپ بنالیا تو اس وقت سے مولوی محمد علی لاہوری اور اس کے ہمنوا گروپ نے انکار کرنے سے رجوع کر لیا مگر پھر بھی ختم نبوت کے مفہوم میں طرح طرح کی تاویلات کیں جن کا مفہوم پھر سے وہی نکلتا ہے کہ نبی کریم محمد مصطفیؐ کے بعد بھی کسی نہ کسی شکل میں نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

[244] ۔البغوی، ابی محمد الحسین الفراء، **معالم التنزیل**، ۱۵۸/۳

فصل سوم: معجزات سے متعلق آیات کی عقلی تعبیرات کا جائزہ:

اللہ تعالی تمام انبیاء کے واسطے ایسے بہت سارے کام اور اعمال لاتے ہیں جو ان کی طاقت سے خارج ہوتی ہے اہل لغت کی نظر میں اس سے معجزہ کہتے ہیں تو یہاں پر عقلیت پسند حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کام تو ماورا عقل ہے یہ ان بندوں سے کیسا ہو سکتا ہے کیونکہ اس عمل کو عقل تسلیم نہیں کرتی بلکہ اصلابات ایسی نہیں ہے بلکہ ان تمام افعال کا خالق و مالک اللہ تعالی ہے اور اس عمل کو انبیاء کے ذریعے سے صادر کرنا اور ان کے ہاتھ پر ظاہر کرنا اس میں اللہ کی قدرت شامل ہے اور وہ جس سے چاہتا ہے اس کے ذریعے سے بندوں کے سامنے اس معجزے کو ظاہر کرتے ہیں قران مجید اور احادیث میں متعدد جگہوں پر واضح طور پر آیا ہے:

﴿وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾[245]

(جب آپ نے کنکر پھینکے تو یہ آپ نے نہیں پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے)

اس ایت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں کسی دشمن کی طرف مٹھی بھر کر مٹی پھینکی تو سارے دشمنوں کی انکھوں میں جالگی تو یہاں پر یہ روایت مذکور ہے کہ یہ رب کریم نے ان کے انکھوں میں ڈالی ہے تو اس سے یہ پتہ چلا کہ یہ اللہ تعالی کی قدرت اور طاقت نبی کے ہاتھ پر ظاہر کیا ہے اور اسی طرح ایک قول حضرت نوح علیہ السلام کی بھی ہے کہ ان کے قوم نے کہا کہ اپ ہمیں جس عذاب سے ڈرارہے ہیں اس سے ہم پر مسلط فرمادے اگر یہ اپ کی بس کی بات ہے تو فرمایا:

﴿اِنَّمَايَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاءَ﴾[246]

(عذاب کو اللہ ہی لیکر آئے گا)

---

[245]۔ سورہ الانفال:17/8

[246]۔ سورہ ہود:33/11

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معجزہ اللہ تعالی کی طرف سے اپنے خاص بندے کو عنایت کر دیتے ہیں یعنی کسی قوم پر کسی قسم کا عذاب مسلط کرنا یا کسی قسم کی آفت یا مصیبت لانا یہ صرف اور صرف اللہ تعالی کا کام ہے کسی بشر کا کام نہیں جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔﴾ [247]

(کسی معجزہ کا صادر کرنا ہمارے ہاتھ میں نہیں اللہ تعالیٰ کے اذن و مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا)

اسی وجہ سے کہ پیغمبر کے ہاتھ میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ معجزہ اپنی طرف سے دکھا دیں بلکہ یہ اللہ تعالی کی چاہت ہے کہ جس کو دے اور اس پر ظاہر کرے اور جس کو نہ چاہیں تو نہیں ہوتا ہے قرآن میں ان معجزات کی گواہی صریح دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ عقل کے پجاری حضرات معجزات کے فلسفے، فوائد اور مقاصد کو نظر انداز کر کے صرف اس کے کہنے پر معجزات کا انکار کرتے ہیں کہ یہ عقل کے خلاف ہیں حالانکہ معجزات عقل کے خلاف نہیں ماوراء عقل تو ہو سکتے ہیں لیکن خلاف عقل نہیں جیسا کہ ان کا دعوی ہے۔

معجزہ کا لغوی معنیٰ:

لفظ معجزہ کا مادہ اشتقاق: عجز، یعجز، عجزا، ہے جس کے معنی، کسی چیز پر قادر نہ ہونا، کسی کام کی طاقت نہ رکھنا، یا کسی امر سے عاجز آجانے کے ہیں عربی محاورہ ہے:

"عجزفلان, عن العمل, آی کبروصارلا یستطیعه, ف هوعاجز "[248]

یعنی فلاں آدمی وہ کام کرنے سے عاجز آگیا اور اس کام کا کرنا مشکل بھی ہے اور وہ اس کام کو کرنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا۔

امام راغب اصفہانی نے معجزہ کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے:

---

[247]۔ سورہ ابراہیم: ۱۴/۱۱

[248]۔ معلوف، لوئیس، "**المنجد فی اللغۃ**"، بیروت: المطبعۃ الکاثولیکیۃ، س ن، ص: ۴۸۸

"واعجزت فلاناوعجزته وعاجزته:جعلته عاجز"[249]

اسی طرح سورہ التوبہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ﴾[250]

"اور جان رکھ کے تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے"

معجزہ کا اصطلاحی مفہوم:

معجزہ کے اصلاحی مفہوم کے بارے میں ابو شکور سالمی معجزہ کی بڑی جامع تعریف کی ہے:

''حد المعجزة ان يظهر عقيب السوال والدعوىٰ ناقصاً للعادة من غيراستحالة بجميع الوجوه ويعجزالناس اديان مثله بعدالتجهد و الاجتهاد ذاكان بهن حذاقت ورزانه فی مثل تلک ارضيعت"[251]

"معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ سوال اور دعوی کے بعد (اللہ کے رسول اور نبی کے ہاتھ پر) کوئی ایسی خارق عادت چیز ظاہر ہو جو ہر حیثیت سے محال نہ ہو اور لوگ باوجود کوشش اور تدبیر کے اس قسم کی معاملات میں پوری فہم بصیرت رکھتے ہوتے بھی اس کے مقابلے سے عاجز ہوں"

مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

"معجزہ اس امر خارق للعادۃ کو کہتے ہیں جو مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو اور کل عالم اس کے معارضہ اور مقابلہ یعنی اس کے مثل لانے سے عاجز اور درماندہ ہوں تا کہ منکرین اور مخالفین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ شخص

---

[249]۔ اصفہانی، امام راغب، "**مفردات الفاظ القرآن**"، (تحقیق: صفوان عدنان داؤدی) دمشق: دار القلم، ۲۰۰۹، ص: ۵۴۷

[250]۔ سورۃ التوبہ: ۹/ ۲

[251]۔ ابو شکور، "**التمہید فی بیان التوحید**، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، دسمبر ۲۰۱۷ء، ص: ۲۹

برگزیدہ خدا ہے کہ جس کے دشمنوں کے عاجز کرنے کے لئے خدا نے غیب
سے یہ کرشمہ قدرت ظاہر فرمایا ہے"[252]

علامہ تفتازانی رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح عقائد نسفی میں لکھتے ہیں

"والمعجزة امرخارق للعادة قصدبه اظهار صدق من آخری انه رسول الله تعالٰی "[253]

(اور معجزہ وہ خلاف عادت کام ہے جس سے اس ذات کی سچائی کا ارادہ کیا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کا رسول ہونے کا دعوی کیا ہے)

خلاصہ بحث یہ کہ معجزہ حسب ذیل امور پر مشتمل ہوتا ہے:

- معجزہ رب کریم کی عطا کردہ ہے لیکن اس کا ظہور رسول اور نبی پر ہوتا ہے۔
- معجزہ قدرت کے نظام اور اسباب دنیا کے مقابل ہوتا ہے۔
- یہ ہدیہ من اللہ ہے کسی نبی کا ذاتی کسب نہیں ہے۔
- معجزہ چونکہ رحمانی اور اللہ تعالی کی طاقت کا اظہار ہے اس میں انسانی عقل ختم اور ماند پڑ جاتی ہے۔
- معجزہ اللہ کا نبی اور رسول کی حجت ہے اس لئے انبیاء ورسول نے معجزہ دکھائے اللہ تعالی کی عطا سے تاکہ لوگوں کو پختہ یقین ہو جائے کہ ہم سچے نبی اور رسول ہیں۔

مبحث اوّل: عیسی علیہ السلام کے معجزات اور عقلی رجحان کی آراء

معجزات کے سلسلے میں عقلیت پسند حضرات کے دو گروہ ہیں پہلا وہ جو ان معجزات میں سے کچھ کو قبول کرتے ہیں اور کچھ کی تاویل اور توجیہ کرتے ہیں مگر دوسرا گروہ ان عقلیت پسند حضرات کا وہ ہے جو بالکل کسی معجزے کے

[252]۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، "سیرت مصطفی ﷺ"، کراچی: کتب خانہ مظہری، سن ندارد، ج:۳، ص:۴۰۳

[253]۔ تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر، "شرح العقائد النسفیہ"، بیروت: داراحیاء التراث العربی، س ن، ج:۳، ص:۳۴

قائل ہی نہیں ہیں بلکہ ان کو عقل کے خلاف سمجھتے ہیں اس گروہ کے سرخیل غلام احمد پرویزاور علامہ تمناعمادی صاحب ہیں انکار معجزات کی تفصیل بالترتیب یوں ہے:

مولوی محمد علی لاہوری کے افکار کے مطابق مریم علیہا السلام کا نکاح یوسف نامی شخص سے ہوا تھااور عیسی علیہ السلام اسی کا ہی بیٹا ہے:

"حضرت مریم کا نکاح یوسف (نامی شخص) سے ہوا تھا۔"[254]

سیدنا عیسی علیہ السلام کے بارے میں ہمارے اسلامی معاشرے کا قرآن اور حدیث کی عبارات کی روشنی میں یہ عقیدہ ہے کہ آپ علیہ السلام واپس تشریف لائینگے اوراس امت کی رہبری فرمائینگے مگر محمد علی لاہوری صاحب بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت عیسی علیہ السلام امت محمدیہ کی طرف نہیں آسکتے۔"[255]

عیسی کی والدہ محترمہ سیدہ مریم علیہا السلام کو اللہ نے ہر بے موسم پھل دیے یہ آپ کی توقیر اور شان بلند کی طرف اشارہ تھا، جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے:

"﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيها زَكَرِيا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدها رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هذَا قَالَتْ هوَ مِنْ عِنْدِاللہ اِنَّ اللہ يرْزُقُ مَنْ يشَآءُ بِغَيرِ حِسَابٍ﴾"[256]

(جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے، انہوں نے پوچھا: مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ وہ بولیں: اللہ کے پاس سے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)

---

[254]۔لاہوری، مولوی، محمد علی، **بیان القرآن**، ۱/۳۱۵

[255]۔۔ ایضا ۱/۳۱۷

[256]۔ سورۃ آل عمران: ۳:۳۷

جبکہ محمد علی کو تو یہاں پر بھی معجزے کو معجزے پر محمول نہیں کرتے بلکہ وہ دیگر مفسرین کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"مفسرین نے تو حسب معمول اس کو غیر معمولی رزق قرار دیا گرمی کے پھل سردیوں میں اور سردی کے پھل گرمیوں یہاں کوئی ایسا لفظ نہیں نہ قرآن شریف میں روٹی کا ذکر ہے نہ پھلوں کا بلکہ رزق سے مراد علم یا صحیفے جن میں علم تھا۔"[257]

ایک مقام پر اللہ تعالی شان مریم علیہ السلام اور اس کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے اس طرح آپ کی شان میں فرماتے ہیں کہ:

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ﴾"[258]

(اور مریم کے بیٹے (عیسی علیہ السلام) کو اور ان کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پر سکون جگہ تھی اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا)

اس آیت میں لفظ ربوہ سے مفسرین کرام نے جو کچھ مراد لیا ہے وہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ علیہ کے بقول کچھ یوں ہے:

"الرَّبْوَةُ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ مِنَ الْأَرض وَهوأَحْسَنُ مَايكُونُ فِيه النَّبَاتُ، ذات خصب وَمَعِينٍ يعنى ماء ظاهرا،وَمَعِينٍ الْمَاءُ الْجَارِى. عِيسَى ابْنُ

---

[257]۔۔لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۱/ ۲۹۹

[258]۔ سورۃ المومنون:۲۳: ۵۰

مَرْيَمَ وَأُمَّه حِينَ أَوَيا إِلَى غَوْطَةِ دِمَشْق وَمَا حَوْلها فَقَالَ لَيسَ الرُّبَى إِلَّا بِمِصْرَ،وروى ابن أبى حاتم عن سعيد بن المسيب قَالَ: هي دِمَشْقُ"[259]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ربوہ ہر اس بلند زمین کو کہتے ہیں جو سرسبز و شاداب اور ہریالی جو فصل کی قابل ہو اور اس میں بالکل تر و تازہ صاف شفاف چشمے بہ رہے ہیں اللہ تعالی نے اس زمین اور مکان کو اپنے نبی اور غلام کے لیے مختص کیا اور فرماتے ہیں کہ یہ زمین مصر کا ایک ٹکڑا تھا اور بعض مفسرین سے روایت ہے کہ اس سے فلسطین دمشق مراد ہے۔

اس کے مقابلے میں قادیانی مشینری اوران کی اتباع میں محمد علی لاہوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

"یہاں "ربوہ" سے مراد کشمیر ہے"[260]

مولوی محمد علی بھی اپنے سابقہ پیرو مرشد غلام احمد قادیانی کے ساتھ یہاں متفق نظر آتے ہیں کہ حضرت عیسی کشمیر آئے تھے۔

معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی لاہوری کئی صاف معجزات کا انکار اور کئی مقامات پر ان معجزات کی عقل کے لُبادے میں غیر عقلی اور نہ سمجھ آنے والی تاویلات کرتے ہیں جس میں عربی لغت، جغرافیہ اور دیگر فنی چیزوں کا کوئی خیال نہیں رکھتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاویل ہی نہیں بلکہ تفسیر بالرائے مذموم ہے۔

اسی طرح علامہ تمنا عمادی بھی انکار معجزات کرتے ہیں مگر انہوں نے معجزات کے سلسلے میں زیادہ زور نزول عیسی پر خرچ کیا ہے علامہ نے نزول عیسی علیہ السلام اور ان کے رفع ہونے کے واقعے کو بھی اپنی عقلی کسوٹی سے پرکھنے کی کوشش کی ہے اور قرآن کی آیات سے منقول شدہ واقعہ رفع اور نزول کے واضح اور صریح مضمون کو گڈ مڈ کرنے کی کافی کوششیں کی ہیں اور علامہ تمنا عمادی نے اس قضیہ کی روایات کو جھوٹا اور من گھڑت اور موضوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ہے ملاحظہ ہو علامہ تمنا عمادی کی عبارت لکھتے ہیں:

---

[259]۔ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،۵/۴۱۴

[260]۔۔ ایضا۲/۲۴۱۶

متقدمین کی کتابوں میں ان کے وضاع وکذاب نقل کرنے والے کو جہاں موقع مل جاتا تھا وہاں کچھ حدیثیں داخل کر دیتے تھے اور بعض اوقات تو وہ حدیثیں یا باب بے محل ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ اسی کی ایک مثال باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی ہے اس باب میں دو حدیثیں گھڑ کر امام بخاری کے سر پڑ گئیں۔[261]

سب سے پہلے تو امام بخاری حدثنا اسحاق حدثنا یعقوب بن ابراہیم سے شروع کرتے ہیں۔ تو یہ کون سے اسحاق ہیں پھر متعدد جگہ امام بخاری نے حدثنا اسحاق بن ابراہیم بھی لکھا تو قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کون سے اسحاق بن ابراہیم ہیں؟

اس کے بعد امام بخاری کے شیوخ اور اسناد کے مختلف راویوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے بعد لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق (بقول ابن شہاب زہری کے) دو باتیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمائی تھی۔

پہلی حدیث: ایک تو یہ کہ وہ آئیں گے تو ان کی کیا حیثیت ہو گی؟ اور وہ کیا کیا کریں گے؟ تو فرمایا کہ:

(("قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللهِ، لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا، فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ، وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ"))[262]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب حضرت عیسی علیہ السلام اتریں گے تو وہ ایک عادل حکمران ہوں گے اور وہ یہ تین چیزیں کریں گے کہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو ماریں گے جزیہ روک دیں گے اور اتنا زیادہ مال لٹائیں گے کہ کوئی لینے والا نہیں ہو گا۔

اس حدیث کو ابوہریرہ سے سعید بن المسیب نے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث: کہ حدیث میں (قول ابن شہاب ہے کہ) حضرت محمد نے فرمایا:

261۔ تمنا عمادی، **انتظار مہدی و مسیح**، ص:۱۸۶

262۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب نزول عیسی بن مریم، حدیث نمبر: ۲۴۳، ج:۱، ص:۱۳۶

(("كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟"))[263]

(اس وقت تم کس طرح ہوں گے جب کہ ابن مریم تم میں ہوں گے اور تمہارا امام ہو گا)

دونوں باتیں جب حضرت عیسی علیہ السلام سے متعلق تھیں تو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتیں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہی تھی اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی لازم تھا کہ جیسے کہتے بالکل اسی طرح کہتے تاکہ ان کے شاگردوں کو ان دو باتوں کا بخوبی پتہ ہو تا لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ ایک حدیث ایک سے کہی اور اور دوسری حدیث دوسرے سے۔ تو ائمہ حدیث کی کتب موضوعات میں ایسی بہت سی حدیثیں ملیں گی جو نہ قرآن کے خلاف ہے نہ ہی قرآنی عقل و درایت کے خلاف مگر محدثین نے ان کو دوسرے اسباب کی بناپر موضوع قرار دیاہے اسی طرح کسی حدیث کے بعض راوی مجروح یاوضاع وکذاب ہیں چنانچہ اس بحث کا خلاصہ لکھتے ہیں کہ:

"کوئی بھی حدیث جو صحاح ستہ میں ہو یا حدیث کی دوسری کتب میں سب کی متفق علیہ ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک صحیح نہیں کہی جاسکتی جب تک درایت قرآنیہ اس کی تصدیق نہ کریں پھر بھی اس حدیث کی قطعیت کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتی کیونکہ ایسی احادیث جو کہ قرآن کے مطابق ہیں وہ بھی در حقیقت ظنی ہیں اور وہ بھی موضوع ہو سکتی ہے۔"[264]

نفس حدیث کے متن اور اس کی اسناد میں شکوک وشبہات پیدا کرکے اس راستے سے علامہ تمنا عمادی نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر رہے ہیں چنانچہ اس حوالے سے ایک اور حدیث ہے:

---

[263] ۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب نزول عیسی بن مریم، حدیث نمبر:۲۴۴، ج:۱، ص:۱۳۶

[264] ۔ تمنا عمادی، **انتظار مہدی و مسیح**، ص:۱۸۶

کوفہ اور بصرہ اور شام میں اس قسم کی حدیثیں گھڑی گئیں، چنانچہ نزول عیسیٰ کے متعلق بھی جو حدیث گھڑی گئیں۔ تو ابن عباس اور ابو ہریرہ ، بن عبد اللہ، بن عمرو بن العاص وغیرہ کی طرف منسوب کی گئیں۔[265]

پھر تمنا عمادی لکھتے ہیں کہ:

نزول مسیح کے متعلق حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے بھی ایک حدیث روایت ہے جو کہ صرف صحیح مسلم میں ہے۔ ایک حدیث جابر بن عبد اللہ سے بھی ہے۔ وہ بھی صرف صحیح مسلم میں ہے صحیح بخاری کی دو حدیثوں کے علاوہ بس یہی حدیثیں ہیں صحاح کی جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گھڑی گئیں ہے۔

علامہ تمنا عمادی کے بیانات اور عبارات کا مقصد کچھ یوں ہے کہ یہ روایتیں دو تو بخاری میں ہیں اور آٹھ صحاح کی اور کتابوں میں جو نزول عیسی علیہ السلام کے متعلق ہیں سب کی سب گھڑی گئی ہیں سب کوفی و شامی موضوعین نے اپنی طرف سے بتائی ہے اور آیت قرآن:

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾"[266]

اس آیت کے بارے میں کہا کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کر کے سامعین سے کہا کہ اگر چاہو تو اس آیت کا مطلب اس حدیث سے یا اس حدیث کا مطلب اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے۔

تو تم تو تمام مفسرین و محدثین نے اس آیت کے مفہوم میں دھوکہ کھایا اور لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ کی ضمیر اور قَبْلَ مَوْتِهٖ، دونوں کی ضمیر ہی کو مسیح کی طرف راجع کیا اور گویا کہ اس آیت کا اپنے ماقبل اور مابعد سے کوئی تعلق نہ تھا جو بھی اس آیت کا تعلق ہے، وہ اس حدیث سے ہے۔ کیونکہ قرآن میں تو مسیح کے دوبارہ دنیا میں وجود کا کہیں ذکر نہیں ہے اس حدیث سے جو اس آیت کا جوڑ ملایا گیا ہے وہ در حقیقت اس عقیدے کے ماتحت کہ حضرت عیسی علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھالئے گئے اور وہ اس وقت تک وہاں زندہ ہیں اور ابھی وہ زندہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ قیامت سے پہلے زمین پر

---

[265] ۔ تمنا عمادی، **انتظار مہدی و مسیح**، ص:۱۹۸

[266] سورۃ النساء ۴/ ۱۵۹۔

اتریں گے اور چند سال زندہ رہ کر وفات پائیں گے اور ان کی یہ موت قیامت کے قریب ہو گی اور جب تک ان کی موت نہیں ہوتی اس وقت تک ہر فرد اھل کتاب کا اس بات پر ضرور ایمان لے آئے گا کہ ان کو کسی نے قتل نہیں کیا سولی نہیں دی بلکہ اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔

اب اس آیت کا جوڑ اس حدیث سے اس لئے نہیں ملایا گیا ہے کہ لوگ قرآن کے مطابق اپنا عقیدہ قائم کریں بلکہ اس لئے یہ جوڑ ملایا گیا ہے کہ لوگ اپنے عقیدے کے مطابق قرآن کی اس آیت کا مطلب لگالیں۔[267]

معجزات کے انکار کے سلسلہ میں جناب غلام احمد پرویز صاحب دیگر عقلیت پسند حضرات کے ہم نوا ہیں اور کوئی بات بھی خلاف عقل اور خلاف فطرت بات کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں چنانچہ غلام احمد پرویز صاحب مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

> "نسل انسانی میں جذبات ،احساسات،خواہشات،تصورات اور معتقدات انسان کی ابتدائی دور سے متوارث چلے آرہے ہیں،انہی میں عجوبہ پسندی بھی ہے ابتدائی دور کے انسان کا شعور نیم بیدار یا نیم پختہ تھا اس لئے فطرت کا قانون علت و معلول اس کے سمجھ میں نہیں آتا تھا اس بنا پر وہ فطرت کے ہر مظہر اور کائنات کے ہر حادثہ کو خارق عادت خیال کرتا تھا۔"[268]

اسی مذکورہ اصول کی بنا پر پرویز صاحب نے عقلیت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے معجزات کا عام اور برملا انکار کرتے ہوئے لکھا:

> "آپ ﷺ کو کوئی معجزہ نہیں دیا گیا قرآن کریم سے حضور ﷺ کا کوئی حسی معجزہ ثابت نہیں ہوتا"[269]

پرویز صاحب کے معجزات کے انکار کے لئے مذکورہ ایک ہی عبارات کافی ہے انہوں نے توبس معجزے کا دروازہ ہی بند کر دیا،اب جہاں بھی کوئی معجزہ کا ذکر قرآن کریم میں آئیگا یہ اس کی من مانی تاویل کرکے اس

---

[267] ۔ تمنا عمادی، **انتظار مہدی و مسیح**، ص: ۲۳۲۔

[268] ۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/ ۲۳

[269] ۔ غلام احمد پرویز، **معراج انسانیت**، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، طبع ہفتم، ۲۰۰۲ء)، ۲۰۳،

کور د کریں گے، جب معجزے کا دروازہ بند ہو گیا تو سمجھو کہ شریعت اسلام میں بات خلاف عقل یا عقل کی پہنچ سے دور ہو تو اس کور د کریں گے یہی وجہ ہے کہ جنت، جہنم اور احوال حشر و نشر سب کا انکار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عیسی علیہ السلام کے معجزات کے حوالے سے دیگر عقلیت پسند حضرات کی طرح یہی روش غلام احمد پرویز نے بھی اپنائی ہے وہ عیسی علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش سے انکار کا ایک بہت خطرناک موقف جو پرویز نے اپنایا اور حضرت عیسی علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے کی نفی کی ہے۔[270]

پرویز صاحب حضرت عیسی علیہ السلام کے بن باپ معجزانہ پیدائش پر سوال اٹھاتے ہیں کہ:

"اگر حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش حضرت مریم کے بطن سے بن باپ ہوئی تھی تو یہ کس کا معجزہ تھا؟"[271]

یہ قول بہت سے یہود اور نصاری کے سکالرز کا بھی ہے پرویز صاحب ان حضرات سے اتنے متاثر ہیں کہ شریعت اسلام کی صریح نصوص کو چھوڑ کر استدلال میں عہد نامہ جدید سے نصوص پیش کرتے ہیں۔

ابن مریم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا باپ نہیں تھا بلکہ بن باپ کے پیدا ہوئے، کیونکہ قرآن نے حضرت عیسی کو ابن مریم کہہ کر پکارا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

﴿یٰٓاَیھا الَّذِینَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللہ کَمَاقَالَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیینَ مَنْ اَنْصَارِیٓ اِلَی اللہِ﴾"[272]

(اے مومنو تم اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے اسی طرح حواریوں سے حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو میرے مددگار بنیں اللہ کے واسطے؟)

پرویز صاحب ابن مریم کی توجیہ یہ پیش کرتے ہیں کہ:

سامی اقوام کی رسم و ثقافت تھی کہ جو زیادہ مشہور ہو ماں باپ میں سے اولاد کی نسبت اس کی طرف کرتے تھے[273]

---

[270]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/ ۸۹

[271]۔ ایضا: ۴/ ۷۳

[272]۔ سورۃ الصف: ۶۱/ ۱۴

[273]۔ ایضا، ۹۲۱

وہ کہتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام وہارون کے والد کا نام کہیں نہیں آیا ہے جہاں ضرورت پیش آئی "ام موسی" کہا گیا جیسا کہ اللہ تعالی کا سورۃ النمل میں ارشاد گرامی قدر ہے کہ:

"﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى﴾"[274]

"اور ہم نے موسی علیہ السلام کی والدہ کو وحی کی"

الغرض جناب غلام احمد پرویز صاحب عیسی علیہ السلام کے باپ کے بغیر معجزانہ طور پر پیدا ہونے کو نہیں مانتے اور اس میں دیگر معجزات کی طرح اس میں بھی تاویل کرتے ہیں۔

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

علامہ تمنا عمادی کے اس تفسیر بالرائے عقلی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ عیسی علیہ السلام کے مصلوب نہ ہونے اور ان کے آسمان کی طرف جانے کا صاف انکار کر رہیں ہیں جبکہ ہم کچھ آیات قرآنی اور احادیث سے اس کا ثبوت پیش کریں گے۔ کیونکہ عیسی علیہ السلام کا مصلوب نہ ہونا اور آسمان کی طرف ان کا جانا قطعی طور پر ثابت ہے کہ جس کا انکار ناممکن ہے۔

جبکہ علامہ تمنا عمادی سے اس آیت کی بابت تفسیر و شرح میں جو احادیث منقول ہیں کو نشانہ بنا کر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت اور اس کی قطعیت و تواتر کا نہ تو انکار کیا بلکہ ان کی اسنادی تواتر میں بھی شک وریب پیدا کرنا چاہا تا کہ اس کی تشریعی حیثیت کو متاثر کر کے دین کے ستونوں کو ہلایا جائے اور اس بات میں تفسیر کے اندر آیات کے شان نزول اور اس آیات کی تفاسیر میں جو احادیث و روایات نقل آتی ہیں ان کی اسناد میں ایسی شخصیات کا انتخاب کیا کہ جن کی وساطت سے حدیث کا اکثر حصہ اور خاص کر صحاح ستہ ہم تک پہنچی ہیں کہ ان کو نشانہ بنا کر حدیث کے علم کی پوری عمارت ڈھائی جائے۔ مشہور مستشرق گولڈ زیہر نے بھی حدیث کے اندر ان دو اہم شخصیات کو نشانہ بنایا کہ جن پر حدیث کا اور اس کی بنیاد و اساس اور اسناد کا دار و مدار ہے ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے ابن شہاب زہری ایسے ہی طرد اللباب علامہ تمنا عمادی نے بھی حدیث کی دو مشہور ہستیوں کو نشانہ بنایا ایک حضرت امام زہری رحمہ اللہ اور دوسرے حضرت امام طبری رحمہ اللہ کہ ان کے رد میں کتابیں لکھیں۔

---

[274]۔ سورۃ القصص،۲۸/۷

اس حدیث کی تحقیق میں تمنا عمادی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بخاری کی کتاب میں بعد میں ٹھونس دیا ہے اور یہ حدیث نزول عیسی علیہ السلام والی صحیح بخاری کی (کتاب بدء الخلق) میں مذکور ہے حالانکہ ان کو مغالطہ لگا ہے ۔کیونکہ یہ حدیث بخاری کی صحیح میں "کتاب احادیث الانبیاء" میں موجود ہے۔

اس کے بعد علامہ تمنا عمادی نے یہ بھی اعتراض کیا کہ اس حدیث کو ذکر کرتے ہوئے اپنے شیخ کا نام صرف اسحاق لکھا اب یہ کون سے اسحاق ہیں، امام بخاری کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کیونکہ امام بخاری کے شیوخ ایسے ہیں جن کا نام اسحاق ہے اب یہ کون سے اسحاق ہیں؟

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:

" قَوْله حدثنَا إِسْحَاق هُوَ بن إِبْرَاهِيمَ الْمَعْرُوفُ بِابْنِ رَاهَوَيْهِ وَإِنَّمَا جَزَمْتُ بِذَلِكَ مَعَ تَجْوِيزِ أَبِي عَلِيٍّ الْجَيَّانِيِّ أَنْ يَكُونَ هُوَ أَوْ إِسْحَاقَ بْنَ مَنْصُورٍ لِتَعْبِيرِهِ بِقَوْلِهِ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ لِأَنَّ هَذِهِ الْعِبَارَةَ يَعْتَمِدُهَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ كَمَا عُرِفَ بِالِاسْتِقْرَاءِ مِنْ عَادَتِهِ أَنَّهُ لَا يَقُولُ إِلَّا أَخْبَرَنَا وَلَا يَقُولُ حَدَّثَنَا وَقَدْ أَخْرَجَ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الْمُسْتَخْرَجِ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ مُسْنَدِ إِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ وَقَالَ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ إِسْحَاقَ "[275]

(امام بخاری نے جو "حدثنا اسحاق" کہا اس سے مراد اسحاق بن ابراہیم ہیں۔ جو ابن راہویہ کے ساتھ مشہور ہیں۔ اگرچہ ابو علی جبانی کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اسحاق بن راہویہ بھی ہوسکتے ہیں اور اسحاق بن منصور بھی لیکن ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد اسحاق ابن راہویہ ہی ہیں۔ وہ اس لئے کہ یہاں اسحاق کلمہ " اخبرنا یعقوب بن ابراہیم " کے ساتھ روایت کرنا " اسحاق بن راہویہ کی ہی عادت ہے اور وہ حدثنا کے ساتھ روایت نہیں کرتے " نیز محدث ابو عوانہ نے اپنی مستخرج میں اس حدیث کی مسند اسحاق بن راہویہ

---

[275] ،ابن حجر، احمد بن علی، **فتح الباری شرح صحیح البخاری**، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹، ج:۶، ص:۴۹۱

سے تخریج کی اور یہ کہا کہ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ سے روایت کیا ہے)

تو تمنا عمادی کا یہ اعتراض کہ امام بخاری نے نزول عیسی علیہ السلام کی حدیث روایت کرتے ہوئے اپنے شیخ کا نام چھپایا تاکہ پتہ نہ چلے کہ یہ اسحاق ضعیف ہے یا غیر ثقہ بھی ختم ہوا اسی طرح نزول عیسی علیہ السلام کی احادیث کی اسناد و شیوخ پر جرح کر کے اپنی عقلی رائے کو تقویت دینے کی کوشش کی ہے۔

نزول عیسی علیہ السلام اور رفع عیسی علیہ السلام الی السماء ایک مسلم اور قطعی عقیدہ ہے کہ تقریبا تیرہ سو سال سے علماء جمہور کا ایک اجماعی عقیدہ رہا ہے اور اس پر مفسرین اور جمہور محدثین و علماء کا اجماع ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام آسمان کی طرف اٹھائے گئے ہیں اور قرب قیامت میں زمین پر دوبارہ تشریف لائیں گے بطور امتی نہ کہ نبی بن کر اور دجال نکلا ہو گا اسے قتل کریں گے صلیب توڑیں گے جزیہ ختم اور خنزیر کو بھی قتل کر دیں گے یہ تمام واقعات احادیث صحیحہ سے منقول ہیں اور حد تواتر معنوی تک پہنچی ہیں اور قرآن کی کچھ آیات میں صریح طور پر حضرت عیسی علیہ السلام کی رفعت کے بارے میں فرمایا گیا ہے اور کچھ اشارات بھی اسی آیات کے ضمن میں موجود ہیں کہ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسی علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہو گا جس کو علامہ تمنا عمادی ماننے سے انکاری ہیں کہ قرآن نے ان کے دوبارہ نزول کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے جبکہ متواتر صحیح احادیث میں یہ مضمون بارہا آچکا ہے ان آیات میں سے ذیل میں لکھتے ہیں:

﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ [276]

اب اس آیت کی تفسیر میں علامہ تمنا عمادی کا اعتراض پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ مفسرین اس کے اندر دو ضمیروں "لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ " اور " قَبْلَ مَوْتِهِ" پر بحث کرتے ہیں۔ پہلے مسیح کی طرف بِهِ کی ضمیر کا اشارہ ہے اور دوسری ضمیر موتہ اس میں دو رائے ہیں۔ مطلب یہ کہ عیسی علیہ السلام کی موت کے قبل ہر اھل کتاب ان پر ایمان لائے گا اور ان کی موت قرب قیامت میں آسمان سے اترانے کے بعد ہی ممکن ہے۔ اس کو امام ابن جریر الطبری نے راجح مانا ہے، ابن جریر الطبری لکھتے ہیں:

[276] ۔ سورۃ النساء:۴/۱۵۹

"واولى الاقوال بالصحة و الصواب قول من قال:تأويل ذلك: وإن من أهل الكتاب إلاليؤمنن به"يعني:بعيسى"قبل موته"يعني قبل موت عيسى"[277]

حافظ ابن کثیر اس رائے کو راجح قرار دیتے ہیں کہ:

"وَالضَّمِيرُ فِي قَوْلِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ عَائِدٌ عَلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ،أَيْ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا ليؤمنن بِعِيسَى قُبَلَ مَوْتِ عِيسَى،وَذَلِكَ حِينَ يَنْزِلُ إِلَى الْأَرْضِ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ"[278]

" یہ ضمیر عیسی علیہ السلام کی طرف نہیں ہوئی لیکن یہ بھی مطلب نہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول قرب قیامت میں نہیں ہو گا بلکہ قران کی کچھ آیات میں صریح حضرت مسیح کی اوپر اٹھائے جانے کا ذکر موجود ہے۔ اگرچہ ضمیر راجع ہونا یانہ ہونا الگ بات ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ تو صرف نمونہ تھا ورنہ تمام تفاسیر میں اگرچہ ضمیر کا مرجع سب کا متفق نہیں ہے لیکن اس میں سب متفق ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا نزول قرب قیامت میں لازم ہو گا۔[279]

اسی طرح سورہ الزخرف میں نزول عیسی علیہ السلام سے متعلق قرآن کریم کی واضح دلیل ہے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَاتَمْتَرُنَّ بِهَاوَاتَّبِعُونِ هَذَاصِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾"[280]

یعنی یہ عیسی علیہ السلام قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ تمام مفسرین اور علماء جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ "إِنَّه" کی ضمیر حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف ہی لوٹتی ہے بعض نے اس کا مرجع قرآن کریم کو مانا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت اس پر دال ہے ان کا قول ہے کہ اس سے مراد حضرت عیسی علیہ السلام ہی

---

[277] ۔ طبری، محمد بن جریر، **الجامع البیان**، ج:۷، ص:٦٧٢

[278] ۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، **تفسیر القرآن العظیم**، ٢/٤٣٦

[279] ۔ قرطبی، **احکام القرآن**، ٦/١١

[280] سورہ الزخرف:٤٣/٦١

ہیں اور مجاہد، قتادہ، ضحاک، سدی کا بھی یہی قول ہے کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام کا دوبارہ واپس دنیا میں تشریف لانا قیامت کی نشانی ہے۔[281]

ان تمام آیات سے قطعی ثبوت ملا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں نزول ہو گا اور وہ قرب قیامت میں ہو گا جو کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہو گا لہذا تمام جمہور مفسرین اور علماء کا یہی قول ہے لیکن اگرچہ ان آیات میں ان کا دوبارہ نزول صراحتاً نہیں ہے لیکن ان آیات کی تفاسیر میں جو روایات ہیں وہ بالکل متواتر اور صحیح روایات ہیں جن میں ان کا نزول واضح اور صریح طور پر موجود ہے اور ثابت ہے ان احادیث میں سے چند کا ذکر کرنا ضروری ہے پہلی حدیث بحوالہ نزول عیسی علیہ السلام:

(("عَنِ ابْنِ المسَيِّبِ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ المالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ"))[282]

"وہ ایک عادل حاکم ہوں گے؟ صلیب کو توڑیں گے، سور کو قتل کریں گے جزیہ کو روک دیں گے اور اتنا مال لٹائیں گے کہ کوئی لینے والا نہ ہو گا۔"

دوسری حدیث بحوالہ نزول عیسی علیہ السلام:

مذکورہ حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں مختلف اسناد کے ساتھ ذکر ہے۔

پہلی سند:

"امام مسلم عن قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، مُحَمَّدُ بْنُ رُمْحٍ، عن اللَّيْثُ بْنُ سَعد ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ سَعِيدِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ،"283

دوسری سند:

---

281 تفسیر قرطبی ص۱۰۵۔ج۱۶

282 ۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب نزول عیسی بن مریم، حدیث نمبر:۲۴۳، ج:۱، ص:۱۳۶

283 ۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب کیف بکم اذا نزل عیسی، حدیث نمبر:۱۵۵، ۱/۱۳۵

" امام مسلم عن حرملة بن يحي، عن عبدالله بن وهب، عن يونس بن زيد،عن ابن شهاب زهري عن سعيد بن المسيب" [284]

تیسری حدیث بحوالہ نزول عیسی علیہ السلام:

(("عن أباهريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذي نفسي بيده ليوشكن أن ينزل فيكم ابن مريم حكماعدلا فيكسرالصليب ويقتل الخنزيرويضع الجزيةويفيض المال حتى لايقبله أحدحتى تكون السجدة الواحدة خيرا من الدنيا وما فيهاثم يقول أبو هريرة"واقرءوا إن شئتم: {وإن من أهل الكتاب إلا ليؤمنن به قبل موته، ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا} "))285

ان تمام روایات سے صریح واضح ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام قرب قیامت میں آسمان سے دنیا تشریف لائیں گے ان تمام روایات کا تواتر بھی ثابت ہے ان تمام روایات کو حافظ امام ابن کثیر اپنی تفسیر میں ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ:

" فهذه أحاديث متواتره عن رسول الله صلي الله عليه وسلم من روايه أبى هريرة وابن مسعود و عثمان بن أبي العاص و أبي أمامة و النواس بن سمعان و عبد الله بن عمرو بن العاص و حذيفة بن أسيد رضى الله عنهم أجمعين"[286]

"یہ احادیث رسول اللہؐ سے متواتر منقول ہیں جس کو أبي هريرة وابن مسعود، عثمان بن أبي العاص، أبي أمامة، النواس بن سمعان، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حذيفة بن أسيد رضی اللہ عنھم أجمعين نے روایت کیا ہے۔"

علامہ شہاب الدین آلوسی مشہور مفسر لکھتے ہیں:

---

[284] ۔ الاصفہانی، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ، **المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم**، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ: الأولى، ۱۴۱۷ھ ۔-۱۹۹۶، حدیث نمبر: ۳۸۷، ۲۱۷/۱

[285] سورۃ النساء آیت ۱۵۹۔

[286] تفسیر ابن کثیر ص ۴۱۳

"ولا يقدح في ذلك ما أجمعت الأمة عليه واشتهرت فيه الأخبار ولعلها بلغت مبلغ التواتر المعنوي ونطق به الكتاب على قول ووجب الإيمان به وأكفر منكره كالفلاسفة من نزول عيسى عليه السّلام آخر الزمان لأنه كان نبيا قبل تحلي نبينا صلّى الله عليه وسلم بالنبوة في هذه النشأة [287]"

حضرت محمد کا خاتم النبیین ہونا امت کا اس پر اجماع ہے اور کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کئی ایات اور احادیث میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ایک قول کے مطابق کتاب اللہ میں بھی یہ مذکور ہے کہ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔

ان تمام روایتوں اور احادیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نزول عیسی علیہ السلام ایک معجزہ ہے اور اس کی احادیث متواتر ہیں اور علامہ تمنا عمادی کا دعوی ناقابل قبول ہے اور تمام اہل علم جمہور مفسرین و محدثین و محققین کا اتفاق ہے کہ عیسی علیہ السلام کے نزول کی تمام تر روایات و احادیث متواتر ہیں لہذا اس بحث میں تطویل کی گنجائش نہیں ہے اور علامہ تمنا عمادی کا موقف تفسیر بالرائے اور تمام جمہور مفسرین و محدثین کے موقف کے خلاف ہے اور ان کی عقلیات کو تفسیر اور حدیث میں کوئی مدخل نہیں ہے۔

اسی طرح پرویز صاحب نے معجزات کی بحث میں ابن مریم کی جو تاویل کی ہے شاید اس آیت کے مفہوم کو نہیں سمجھے کہ جس کی نسبت کی جاتی ہے اس سے جہالت کو دور کیا جاتا ہے وہ مجہول ہوتا ہے جبکہ موسی علیہ السلام کی نسبت ماں کی طرف نہیں کی گئی بلکہ ماں کی نسبت موسی کی طرف کی گئی ہے اور مخاطب ام موسی ہیں اور ام موسی ہی نامعلوم ہیں نہ کہ موسی علیہ السلام خود اس آیت میں موسی علیہ السلام کی والدہ کا نام بھی نہیں لیا گیا گویا ام موسی کا تعارف موسی علیہ السلام سے کرایا گیا جبکہ عیسی علیہ السلام کی والدہ کا صراحتا نام لے کر آپ علیہ السلام کو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہاں تعارف عیسی علیہ السلام کا کیا جارہا ہے کیونکہ لوگ یہی کہتے تھے کہ اس کا باپ کون

---

[287]۔ آلوسی، محمود بن عبد اللہ، **روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني**، ۱۱/ ۲۱۳

ہے قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامی اقوام کا یہ معمول، رواج میں شامل ہوتا تو باقی انبیاء علیہم السلام میں سے بھی کچھ کو ماں سے منسوب کیا جاتا۔

لیکن قرآن پاک میں سوائے عیسی علیہ السلام کے کسی اور کو ماں سے منسوب نہیں کیا گیا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ بھی قرآن نے باپ سے منسوب کر کے کیا ہے جیسا کہ سورۃ التحریم میں ہے:

"﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾"[288]

"اور عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا"

قرآن کی اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسی علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں نے ان کو ابن مریم سے پکارا تھا۔

سیدنا عیسی علیہ السلام کے زندگی کے بارے میں جو معجزہ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں بیان فرمایا جناب جاوید احمد غامدی اس کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ تفسیر البیان میں لکھتے ہیں:

"یعنی روح قبض کر کے تیرا جسم بھی اپنی طرف اٹھالوں گا تا کہ یہ ظالم اس کی توہین نہ کر سکے"[289]

یہاں صاف بیان کیا کہ روح قبض کرونگا اور پھر اٹھالوں گا، اس کی اگر اور وضاحت مطلوب ہو تو اس کی تفصیل جناب غامدی صاحب کی اس عبارت میں ہے:

"ایک جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام کے زندہ آسمان سے نازل ہو جانے کا واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے لیکن موقع بیان کے باوجود اس واقعے کی طرف کوئی ادنی اشارہ بھی قرآن کے بین الدفتین کسی جگہ مذکور نہیں ہے۔ علم

---

[288]۔ سورۃ التحریم:۶۶/۱۲

[289]۔ جاوید احمد، غامدی، **تفسیر البیان**، ۱/۳۶۰

وعقل اس خاموشی پر مطمئن ہوسکتے ہیں ؟ اسے باور کرنا آسان نہیں ہے۔"[290]

اس عبارت میں غامدی صاحب اس بات کے انکاری معلوم ہوتے ہیں جس میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ "بل رفعہ اللہ "یعنی اللہ تعالی نے انہیں اٹھالیا اور قرب قیامت اس کا نزول ہو گا، ہاں یہاں یہ بات ہوسکتی ہے کہ کوئی اشکال کرکے کہ غامدی صاحب کی مذکورہ عبارت آپ کے ذکر کردہ دعوے میں صریح نہیں ہے مگر درحقیقت غامدی صاحب تو سرے سے عیسی علیہ السلام کی حیات کے قائل ہی نہیں ہے وہ تو کہتے ہیں کہ سیدنا عیسی علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔[291]

انکار معجزات میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب بھی پیش پیش ہے خاص کروہ معجزات جن کا تعلق عیسی علیہ السلام سے ہیں جیسا کہ ذکر ہوا کہ غامدی صاحب عیسی علیہ السلام کے بطور معجزاہ کے آسمانوں پر اُٹھایا جانے کے واضح انکار کرتے ہیں ہیں حالانکہ قرآن مجید میں رفعت سیدنا عیسی میں صریح نصوص ملتے ہیں ایک درجن سے زیادہ صحیح احادیث بھی ہیں، انہی صحیح احادیث کی بنیاد پر اس عقیدے پر اجماع امت ہے اور قرآن کریم میں حیات عیسی علیہ السلام سے متعلق ارشاد خداوندی ہے:

﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾"[292]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت مسیح کو اسمانوں کی طرف اٹھا لیا باری تعالی عزیز اور حکمت والا ہے۔

یہ آیت حضرت عیسی علیہ السلام کے زندہ ہونے پر واضح دلیل ہے اور یہودیوں نے ہرگز قتل نہیں کیا اس حوالے سے حدیث تواتر کی حد کو پہنچتی ہے جن میں سے بطور نمونہ چند احادیث ذکر کریں گے:

(ا) سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

---

[290]۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، مئی ۲۰۰۸ء، ۱۷۸

[291]۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، علامات قیامت، طبع ۲۰۱۴، ۱۷۸

[292]۔ سورہ النساء ۴/ ۱۵۸

((عن أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الجِزْيَةَ، وَيَفِيضَ المَالُ حَتَّى لاَ يَقْبَلَهُ أَحَدٌ، حَتَّى تَكُونَ السَّجْدَةُ الوَاحِدَةُ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا)) [293]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح قیامت کے قریب اتریں گے اور وہ عادل بادشاہ ہوں گے اور خنزیر ہلاک کریں گے صلیب توڑ ڈالیں گے مال کی فراوانی ہو گی اور لڑائیاں ختم کریں گے اور ایک دوسری روایت میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جزیہ بھی ختم کریں گے اور اس کو کوئی بھی قبول نہیں کریں گے اس وقت ایک سجدہ ہی اس دنیا ومافیہا مال لینے سے بہتر ہو گا۔

(۲)۔ایک اور روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں ہے کہ:

((لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ))[294]

جب تک عیسیٰ ابن مریم نازل نہ ہولیں قیامت قائم نہ ہو گی

(۳)۔الصحیح البخاری کے ایک اور حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

((عن أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ، وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ)) [295]

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت مسیح اتریں گے تو اس وقت نماز پڑھانے والا امام خود تم میں سے ہو گا۔

---

[293]۔ بخاري، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم، حدیث نمبر:۳۴۴۸، ۴/۱۶۸

[294]۔ بخاري، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب المظالم، باب کسر الصلیب، حدیث نمبر:2476، ۳/۱۳۶

[295]۔ بخاري، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسیٰ، حدیث نمبر:3449، ۴/۱۶۸

(۴)۔اسی طرح امام مسلمؒ نے صحیح المسلم میں ایک روایت نزول عیسی بن مریم سے متعلق نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(("عن ابی هريرة ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ينزل عيسىٰ ابن مريم فيقتل الخنزير ويمحوا الصليب وتجمع له الصلوٰة و يعطى المال حتى لايقبل ويضع الخراج و ينزل الرَّوحاء فيحجّ منها،اويعتموا و يجمعهما)) [296]"

یہاں پر بھی حدیث کا مفہوم یہ ہے جو سابقہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے لیکن کچھ الفاظ اس سے مختلف ہیں کہ جب مسیح اتریں گے صلیب تھوڑی گے اور خنزیر کو ہلاک کریں گے اور مدینہ منورہ میں ایک خاص مقام ہے جو روحا کے نام سے جانا جاتا ہے وہاں سے حج اور عمرہ کریں گے عصر حاضر میں جس صاحب کو مسیح قرار دیا جارہا ہے اس نے نہ حج کیا اور نہ عمرہ کیا ہے راوی کو تردد میں ہے کہ آپ نے کونسی بات ان میں سے فرمائی تھی۔

(۵)۔ صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے:

((عن ابی هريرة (بعد ذكر خروج الدجال) فبينما هم يعدّوس للقتال يسوّون الصّفوف اذا اقيمت الصلوة فينزل عيسىٰ ابن مريم فامهم فاذاراٰه عدوالله يذوب كما يذوب الملح فى الماء فلوتركه الانذاب حتٰى يهلك ولٰكن يقتله الله بيده فيريهم دمه فى حربته)) [297]

اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے نزول کے وقت مسلمان لڑائی کے لیے میدان میں اتریں گے اور نماز کے لیے تکبیر کہہ دی جائے گی اسی دوران مسیح اتریں گے اور اسی دوران دجال حضرت

---

[296]۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح**، کتاب الایمان، باب نُزُولِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ حَاكِمًا بِشَرِيعَةِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، 1223 /۱/۸۹۲

[297]۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع صحیح**، کتاب الفتن، باب فی فتح القسطنطنیہ، حدیث نمبر:۲۸۹۷۔۲/۲۲۲۱

مسیح کو دیکھتے ہی پگھل جائیں گے اور وہ جس حالت پر تھے مسیح اس کو اسی حالت پر چھوڑیں گے لیکن اللہ تعالی اس کی موت اس کے نیزے سے ہی کرائیں گے اور مسلمانوں کو اس کا خون بہتے ہوئے دکھائیں گے۔

(۶)۔اسی طرح امام ابو دودؒ نے ایک روایت اس حوالے سے نقل فرمائی ہے کہ:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ - يَعْنِي عِيسَى - وَإِنَّهُ نَازِلٌ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ: رَجُلٌ مَرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ، بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ، كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ، وَإِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ، فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَيَدُقُّ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ، وَيُهْلِكُ اللهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ، وَيُهْلِكُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، ثُمَّ يُتَوَفَّى فَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ)) [298]

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ ذکر کیا ہے کہ میرے اور عیسی علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہو گا اور اس کے بعد حضرت عیسی علیہ السلام کی نشانیاں بتائی ہیں کہ رنگ مائل بسرخی وسفیدی ہے اور ایک میانہ قد ادمی ہے دوزرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں گے اور وہ اسلام کے مخالف لوگوں سے جنگ کریں گے اس حدیث کا باقی حصہ کہ تین کام کریں گے صلیب، جزیہ اور خنزیر کو ماریں گے۔۔۔"

یہ کچھ روایات ہیں جو ہم نے بطور نمونہ نقل کئیں ورنہ اس حوالے سے روایات میں تواتر ہے اور اُمت کے متفقہ فیصلہ مفسرین کا اجماع اور نصوص قرآن اور احادیث کو پس پشت ڈال کر اپنی عقلی توجیہات کرکے غامدی صاحب اس مسلمہ عقیدے کے برخلاف ہیں۔

[298]۔ سجستانی، ابوداوٗد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الملاحم، باب خروج الدّجال، حدیث نمبر: ۴۳۲۴/۳۲۴

خلاصہ کلام یہ کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مختلف معجزات ہیں جن میں سے کچھ آپ کے ہاتھ سے ظاہر ہوئے ہیں اور کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ سے متعلق یعنی آپ کے بن باپ کے پیدائش اور آسمانوں پر اُٹھائے جانے وغیرہ کے بارے میں ظاہر فرمائیں ان معجزات کے بارے میں جناب تمنا عمادی صاحب نے بغیر تاویل کے صریح انکار کیا جبکہ جناب غلام احمد پرویز صاحب، مولوی محمد علی لاہوری صاحب اور جناب ڈاکٹر جاوید احمد غامدی صاحب نے کہیں صریح اور کہیں تاویل کر کے انکار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات معجزات کے انکار میں عقلیت پسندی کے اصول کی وجہ سے پیش پیش ہیں۔

مبحث دوئم: موسی علیہ السلام کے معجزات اور عقلی رجحان کی آراء کا جائزہ:

عقلیت پسند حضرات نے دیگر معجزات کی طرح سیدنا موسی علیہ السلام کے مختلف واقعات میں بھی عقلی اور من پسند تاویلات کی ہے سیدنا موسی علیہ السلام کے قرآن میں کل سولہ معجزات ہیں جس پر جمہور مفسرین کا اتفاق ہے جس میں سے نو معجزات واضح آیت میں موجود ہے اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

"﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْأَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَامُوسَى مَسْحُورًا﴾"[299]

(اور بلاشبہ یقیناہم نے موسی کو نو واضح نشانیاں دیں، سو بنی اسرائیل سے پوچھ، جب وہ ان کے پاس آیاتو فرعون نے اس سے کہا یقینا میں تو تجھے اے موسی جادو زدہ سمجھتا ہوں)

اس آیت کریمہ میں موسی علیہ السلام کے نو معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے یہاں پر چند معجزوں کو ذکر کریں گے سورۃ البقرہ میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿وَاِذِاسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِه فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَفَانْفَجَرَتْ مِنْه اثْنَتَا عَشْرَة عَيْنًا﴾"[300]

(اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لاٹھی پتھر پر مارو، چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے)

اس آیت کریمہ میں جس معجزے کا بیان ہے اس کے حوالے سے غلام احمد پرویز صاحب اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ:

تم اپنی تاریخی واقعہ کو بھی دیکھ لیں جب تمہیں پانی کی ضرورت ہوئی تو حضرت موسی نے اس کیلئے ہم سے درخواست کی تو ہم نے اس کی رہنمائی اس

---

[299] ۔ سورۃ الاسراء ۱۷/۱۰۱

[300] ۔ سورۃ البقرہ: ۲/۶۰

مقام کی طرف کر دی جہاں پانی کے چشمے مستور تھے وہ اپنی جماعت کو لے کر وہاں پہنچا، پتھر پر سے مٹی ہٹائی تو ایک، دو نہیں 12 چشمے بہ پڑے [301]

پرویز صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بالکل اس معجزے کے انکاری نظر آتے ہیں اس وجہ سے وہ اس کی عقلی تاویل کرتے ہیں۔

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی طرح جاوید احمد غامدی صاحب بھی جہاں کسی معجزہ کی کوئی عقلی وجہ نہ بن پاتا ہو وہاں امت کے مسلمہ اصول کے بر خلاف اسے رد کر کے اپنے عقلی توجیہ پیش کرتے ہیں معجزات کے میدان میں بعض معجزات کی تاویلات کی ہے جیسے کوہ طور کا معلق کیا جانا اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿واذ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ-﴾[302]

(اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم پر طور کو اٹھا کر وعدہ لیا)

جمہور مفسرین کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں کوہ طور کو اللہ تعالی نے حقیقتا اٹھالیا اور وہ ان کے سروں پر معلق تھا، جس کی وجہ ان کو ڈرانا تھا جبکہ غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ:

" قرآن اور بائبل دونوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے یہ عہد پہاڑ کے دامن میں اس طرح لیا گیا کہ طور اپنی جگہ سے اکھڑ کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر لٹک رہا تھا اور انہیں لگتا تھا کہ وہ ان پر گر کر رہے گا گویا اس واقعہ کا کوئی معجزانہ پہلو نہ تھا۔"[303]

قرآن میں تو صاف واضح ہے کہ پتھر حقیقی طور پر اُٹھالیا گیا جبکہ غامدی صاحب قرآن کے بجائے بائبل کو ترجیح دے کر قرآن میں تاویل کر رہے ہیں جو کہ در حقیقت تاویل نہیں تحریف ہے۔

---

[301] ۔۔چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۲/ ۲۴۵

[302] ۔ سورۃ البقرہ:۲:۶۳

[303] ۔ جاوید احمد غامدی، **تفسیر البیان**، ۱/ ۴۹

مذکورہ آراء کا تنقیدی جائزہ:

جمہور مفسرین اسے محض معجزہ مانتے ہیں کیونکہ یہ ایسا پتھر تھا جس کو وہ لوگ اپنے ساتھ لے جاتے تھے ایسا نہیں تھا جیسا کہ پرویز صاحب کا بیان ہے کہ وہ پتھر چھپا ہوا تھا اور ایک جگہ رکھا ہوا تھا، ابن ابی حاتم رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"فَأُمِرَ بِحَجَرٍ أَنْ يَضْرِبَهُ بِعَصَاهُ، وَكَانَ حَجَرًاطُورِيًّامِنَ الطُّورِ يَحْمِلُونَهُ مَعَهُمْ حَتَّى إِذَا نَزَلُوا ضَرَبَهُ مُوسَى بِعَصَاهُ"[304]

"اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی سے پتھر مارے یہ پتھر کوہ طور کا تھا جس کو وہ لوگ اپنے ساتھ لادتے اور جب اتارتے تو اسے موسیٰ علیہ السلام لاٹھی سے مارتے۔"

اسی طرح "اضرب بعصاک الحجر" کے معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"ضرب" کے معنی چلا اور "عصا" کے معنی اکھٹے، باجماعت کے ہیں اور اس آیت کے معانی یہ ہیں کہ اپنی جماعت کو لے کر پتھریلے علاقے کی طرف نکل جاؤ"[305]

جناب غلام احمد پرویز صاحب کی مذکورہ تفسیر قرآنی جغرافیہ کے برخلاف ہے حالانکہ قرآنی جغرافیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس علاقے میں تھے وہ پتھریلا علاقہ تھا موسیٰ علیہ السلام نے یہ پتھر وہیں سے اٹھایا اور جس جگہ جارہے تھے اس علاقے میں پتھر تھے ہی نہیں علماء مفسرین نے اس کی صراحت فرمائی ہے جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

"ولكن لما قالوا كيف بنا لو أفضينا إلى أرض لا حجارة بها حَمَلَ حجَراً في مخلاتِه وكان يضربه بعصاه إذا نزل فيتفجَّر"[306]

---

[304]۔ ابن ابی حاتم، **تفسیر القرآن العظیم**، (المملكة العربية السعودية، مكتبة نزار مصطفى الباز، الطبعة: الثالثة-١٤١٩هـ) ١/١٢١

[305]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ٢/٢٤٥

[306]۔ أبو السعود، محمد بن محمد، **إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم**، (بيروت، دار إحياء التراث العربي، س ن)، ١/١٠٥

"لیکن جب ان بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمیں ایسی سرزمین کی طرف کیوں
لے جایا جارہا ہے جہاں پتھر بھی نہیں اس لئے انہوں نے یہ پتھر ساتھ
لادا جب کہیں پڑاؤ ڈالتے اور اسے لاٹھی سے مارتے تو اس سے پانی پھوٹ
پڑتا۔"

معلوم نہیں کہ جو تفسیر انہوں نے بیان کی ہے کونسے عقلی پیمانے پر صحیح اُترتی ہے اور کس طرح لغت عربیت سے موافقت اور مطابقت رکھتی ہے جس کی نہ کوئی عقلی اور نہ ہی کوئی لغوی توجیہ کی جاسکتی ہے بس جو پرویز صاحب کی عقل میں آیا وہی قرآن کریم کی تفسیر ٹھہری اگرچہ وہ تمام لوگوں کی عقل اور نقلی ادلہ سے ماوراء ہی کیوں نہ ہو۔

غامدی صاحب نے اپنی تفسیر میں پتھر کی معجزے کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حقیقی اٹھانا نہیں تھا بلکہ سائبان کی طرح تھا، جس سے غامدی صاحب کا یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ کوئی معجزہ تھا ہی نہیں، اسی طرح بنی اسرائیل کے ایک اور واقعے اور معجزہ کے بارے میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ٥٦ میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿ثم بعثنكم من بعدموتكم لعلكم تشكرون۔﴾"[307]

"پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد اٹھالیا چاہئے کہ تم لوگ شکر کرو۔"

اس آیت کریمہ میں لفظ موت کو اکثر مفسرین نے موت کے ظاہری معنی میں لیا ہے کہ انہیں مرنے کے بعد دوبارہ معجزانہ طور پر قدرت الہی سے زندہ کیا گیا تاہم مفسر موصوف نے یہاں معجزہ کا انکار کرتے ہوئے موت کو بے ہوشی کے معنی میں لیا ہے۔[308]

---

[307]۔ سورۃ البقرہ:٢/٥٦

[308]۔ غامدی، جاوید احمد، **تفسیر البیان**، ١/٣٩

مبحث سوئم: معراج اور دیگر معجزات کے بارے میں عقلیت پسند رجحان کا تصور:

معجزات کے بارے میں عقلیت پسند حضرات کا انکاری تصور مجموعی رہا ہے یعنی سب اس بات پر متفق ہیں کہ چونکہ معجزہ خوارق عادت اور عقل سے ماوراء ہے لہذا وہ اس کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں مفسر بیان القرآن مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے اپنے عقلی نظریات کے مطابق معجزات اوراس سے متعلق قرآن کریم میں مذکور مصطلحات کے خاص معانی مراد لئے ہیں جیسے کہ معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ رب العزت کا فرمان گرامی قدر ہے:

"﴿وهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى﴾"[309]

(جبکہ وہ بلند افق پر تھا)

مفسرین عظام کا قاعدہ ہے جہاں کوئی داعی اور ضرورت نہ ہو وہاں کلام کو اپنے اصل معنی پر محمول کیا جائے اور یہی عام قاعدہ اور اصول رائج ہے یہاں پر بھی باتفاق مفسرین حسی طور پر بلند افق مراد ہے جبکہ امت کے علماء کرام کے برخلاف مولوی محمد علی لاہوری صاحب فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت سے مراد یہ ہے کہ آپ علو اور بلند مرتبہ کے انتہائی مقامات کو پہنچ گئے۔"[310]

معلوم ہوا کہ محمد علی لاہوری صاحب نے یہاں حسی علو اور بلندی کے بجائے معنوی بلندی یعنی مرتبے اور درجات کی بلندی مراد لی ہے اسی سورۃ کی اگلی آیت میں فرمان خداوندی ہے:

﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾[311]

(پھر وہ جھک پڑا اور قریب آیا)

یہاں بھی اپنی عقل کی بنیاد پر مفسر صاحب فرماتے ہیں کہ:

309۔ سورۃ النجم:۵۳:۷

310۔ لاہوری، مولوی، محمد علی، **بیان القرآن**، ۳/۲۳۰۰

311۔ سورۃ النجم:۵۳:۸

"مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا اللہ تعالی سے ایسا قرب شدید کا تعلق ہوا کہ جس سے بڑھ کر قرب ممکن نہیں یعنی انسانی تعلقات میں"[312]

مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک رسول ﷺ کا معراج جسد عنصری سے نہ تھا جو کچھ دیکھا وہ دل نے دیکھا، یہاں پر بھی امت کے اجماع کے برخلاف انہوں نے حسی اور جسد مع الروح کے معراج کا انکار کیا ہے اور معنوی معراج جو کہ دل کا دیکھنا ہے مراد لیا ہے مولوی محمد علی لاہوری قادیانی صاحب کی عجیب تاویلات میں سے یہ بھی ہے کہ اسی سورۃ اور اسی معراج کے واقعے کے تتمہ میں سے یہ ہے کہ:

"﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى﴾"[313]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں سدرہ المنتھی ایک بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔

چونکہ شروع کے الفاظ میں مفسر صاحب نے تاویل کردی اب یہاں لفظ "سدرہ" جو کہ ہر چھوٹا بڑا ذی عقل جانتا ہے کہ اس سے مراد بیری کا درخت ہے لہذا گذشتہ تاویلات کی بنیاد پر اب یہاں بھی انہیں تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئی بلکہ تاویل ضروری ہوئی، اس وجہ سے محمد علی لاہوری صاحب لکھتے ہیں:

"سدرہ سے مراد درخت نہیں بلکہ یہاں اس سے مراد ایک خاص مقام ہے جس سے آگے کسی انسان کا علم ترقی نہیں کر سکتا لہذا آپ کا علم بھی اس کمال کو پہنچا جس سے آگے ترقی ممکن نہیں"[314]

عجیب بات ہے کہ درخت اور قرب کا کیا تعلق ہے؟ یہ ایسی تاویلات میں سے ہیں کہ اگر کوئی اور کرتا اور پھر مفسر صاحب کے سامنے پیش کرتا تب یہ خود بھی کہتا کہ یہ تاویل دوراز کار است،

جیسا کہ عقلیت پسند حضرات خواہ وہ مولوی محمد علی ہو یا غلام احمد پرویزی اور جاوید احمد غامدی ہو سب کے سب کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ معجزات جو ان کی عقل کے زاویے سے اوپر ہو ان میں یا تو تاویلات کرتے ہیں یا بالکل

---

[312]۔ لاہوری، مولوی، محمد علی، **بیان القرآن**، ۳/ ۲۳۰۰

[313]۔ سورۃ النجم: ۵۳: ۱۴

[314]۔ لاہوری، مولوی، محمد علی، **بیان القرآن**، ۱/ ۲۳۰۲

انکار کرتے ہیں یہی روش ان کے مکتبہ فکر کے روح رواں محمد علی لاہوری نے بھی اپنائی ہے محمد علی لاہوری صاحب نے اپنی خاص عقلیت پسند نکتہ نظر کے مطابق قصص القرآن کی تعبیرات کی ہیں ان کی طرف سے خوارق عادات، معجزات اور قدرت اللہ کا انکار، مختلف قصص میں بڑا نمایاں نظر آتا ہے ان کی یہ تعبیرات اصول تفسیر، صحابہ کرام کے علم و فہم اور سلف و خلف کے تفسیری ذخیرہ کے برعکس ہے بالفاظ دیگر ایمان بالغیب کا انکار ہے وہ غیبی واقعات اور امور جو عام مشاہدے کے خلاف ہیں، ہر انسان کو ان پر قدرت و اختیار نہیں دیا جاتا یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور تاریخ انبیاء کے یہ پہلو اللہ رب العزت نے ہمارے سامنے رکھے ہیں لیکن اس مسلمہ حقیقت کے باوجود ہر وہ امر جو صاحب بیان القرآن کی عقل و فہم اور قوت ادراک سے ٹکراتا ہو وہ اس کی تاویلات کرتے ہیں۔

اسی طرح مولوی محمد علی لاہوری صاحب اصحاب کہف کی تعداد اور ان کے کتے کے ذکر میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ:

"ان سے مراد عصر حاضر کی بڑی عیسائی طاقتیں ہیں جن میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، روس، جرمنی، اٹلی وغیرہ شامل ہیں اور جتنا عرصہ اصحاب کہف غار میں سوئے رہے وہاں اصحاب کہف کے بجائے دراصل اللہ کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ عیسائیت نے تین سو سال حالت اجنبیت میں گزارے۔"[315]

محمد علی لاہوری صاحب کی تفسیر میں کچھ مواقع تو ایسے ہیں جن میں بظاہر کچھ عقلی احتمال ہو سکتا ہے مگر بہت سارے تفسیری اقوال تو عقل کے دائرہ کار سے بھی بہت دور ہیں جیسے کہ اللہ تعالی کا قول ہے:

﴿وَآيَةٌ لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ﴾[316]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں پر ایک نشانی کا ذکر کر رہے ہیں کہ اللہ تعالی ان کے اولاد کے لیے سفر کا انتظام ایک کشتی میں کیا ہے ان کے لیے سمندر کو مسخر کر دیا گیا ہے۔

---

[315] ۔لاہوری، مولوی محمد علی، **بیان القرآن**، ۲/ ۸۲۱

[316] ۔سورۃ یسین: ۳۶: ۴۲

یہاں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ بہت ہی مشہور لفظ ہے "فلک" اس میں توجیہ اور تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کیوں یہ سوچا گیا کہ اس میں تاویل بالفاظ دیگر تحریف کی جائے مگر محمد علی صاحب نے کشتی کی تفسیر اپنے عقلی زاویہ میں کی ہے مصنف نے تفسیر طبری کا حوالہ دیتے ہوئے سابقہ تفسیری بیانات پر تنقید کی ہے اور ایک آزاد نقاد کی حیثیت سے آیت مذکور سے عصر حاضر کی جدید ترقی یافتہ قوم اور ان کی سواریاں مراد لی ہیں لکھتے ہیں:

"سواری تو اونٹوں کے علاوہ گھوڑوں پر بھی ہو جاتی ہے، کشتی سے مماثلت صرف اس بات پر ہونا کہ اس پر سواری کی جاتی ہے درست نہیں، میرے نزدیک اس میں اشارہ ہوائی کشتیوں یا ہوائی جہازوں کی طرف ہے اور وہی آبی کشتیوں کی مثل کہلا سکتی ہیں اور اگلی آیت سے یہ ہی مراد معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ذکر آیت خاص قوم کا ہے۔ جنہیں اللہ کشتیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے سے بہت کچھ عطا فرمائے گا۔"[317]

مصنف نے ایک ایسے لفظ کے بارے میں دوراز عقل تاویل پیش کر دی ہے جو ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے کہ اس سے مراد آبی کشتی ہی ہے مگر مصنف اپنی بات کو منوانے میں بضد ہے سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالی عزوجل ہے:

﴿أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾"[318]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میرے حکم کو بجالاؤ ورنہ تمہاری بھی ایسی ہی حالت ہو گی جیسی سبت والوں کی تھی یعنی ان پر اللہ تعالی نے ایک پھٹکار ڈالا تھا۔ اور حکم باری تعالی قائم و دائم رہتا ہے۔

اس آیت میں جو کچھ فرمان ہے وہ ایک معجزہ ہے جو ہوا یا ہو گا وہ حقیقت پر مبنی ہے سب نے بالاتفاق حقیقت پر مبنی قرار دیا ہے مگر محمد علی لاہوری صاحب معجزہ کا کچھ اس طرح انکار کرتے ہیں کہ فرماتے ہیں:

---

[317]۔ لاہوری، مولوی، محمد علی، **بیان القرآن**، ج: ۲: ۱۱۴۲

[318]۔ سورۃ النساء: ۴/۴۷

"جو سزا "اصحاب السبت" پر وارد ہوئی، وہ بندر بن جانا نہ تھا بلکہ بندروں کی طرح ذلیل ہو کر در بدر رہونا تھا"[319]

اس تاویل کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی مگر چونکہ محمد علی لاہوری صاحب اور دیگر عقل پسند اور عقل پرست حضرات معجزات کے ماننے کے طرف دار نہیں ہیں لہذا ضرورت اس بات کی پیش آئی کہ تاویل کی جائے اور اپنے دعوے کو صحیح ثابت کیا جائے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عقلیت پسند رجحان رکھنے والے برصغیر پاک وہند کی مشہور شخصیات جیسے جناب غلام احمد پرویز صاحب، مولوی محمد علی لاہوری صاحب، جاوید احمد غامدی صاحب اور جناب تمنا عمادی صاحب بھی معجزات کا جو انکار کرتے ہیں وہ عقل کے لُبادے میں ہی کرتے ہیں عقل سے ماوراء ان کے یہاں اور کوئی راستہ نہیں سواء معجزات کے انکار کا، اگر یہ لوگ عقل کو دلیل نہ مانیں یا اس کو قرآن اور حدیث سے کم درجہ دیں تو معجزات کے انکار کے تمام راستے مسدود ہو جائینگے۔

---

[319]۔ لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۱/ ۵۱۵، ۵۱۴

فصل چہارم: آیات آخرت سے متعلق عقلیت پسند مفسرین کی آراء

تصورآخرت کے بارے میں عقلیت پسند حضرات تصورآخرت اور آخرت سے پہلے کے جو احوال ہیں ان میں یاتو صریح انکار کرتے ہیں یا عقلی تاویلات بیان کرتے ہیں جو کہ در حقیقت تاویلات نہیں بلکہ تحریفات ہیں۔

تصورآخرت کے بارے میں تو ایک تصوراور عقیدہ آخرت سے پہلے والی علامات کا ہے جن کو احادیث میں اشراط الساعہ کہا جاتا ہے یہ علامات اوراشراط الساعہ اگرچہ قیامت اورآخرت تو نہیں ہے مگر آخرت کی تکمیل کا ایک حصہ ضرورہیں اس حوالے سے دوسری چیز نفس آخرت کا تصور ہے نفس آخرت کے بارے میں تو قرآن اور احادیث کی صریح نصوص منقول ہیں ہیں اور قیامت کے واقع ہونے کے قرآن حکیم میں ایسے مظبوط عقلی دلائل دیے گئے ہیں کہ صاحب عقل اس کے انکار کا جرات نہیں کر سکتا۔وقوع قیامت کے بارے میں سورہ اعراف میں ارشاد ہے:

"﴿كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ﴾"[320]

(جس طرح اُس نے تمھیں اب پیدا کیا ہے اسی طرح تم پھر پیدا کیے جاؤ گے)

سورہ مریم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَئِذَامَامِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا أَوَلَا يَذْكُرُالْإِنسَانُ أَنَّاخَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا﴾[321]

(انسان کہتا ہے کیاواقعی جب میں مرچکوں گاتوپھر زندہ کرکے نکال لایاجاؤں گا؟ کیاانسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟)

یہ قیامت اورآخرت کااسلامی اور قرآنی تصور تھاجو یہاں مختصراپیش کیاگیایہی تصوراُمت مسلمہ میں متفق علیہ ہے جس میں تاحال سوائے عقلیت پسند حضرات کے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیاہے اور عقلیت پسند حضرات اس میں اپنی من مانی تاویلات کرتے ہیں۔

---

[320]۔ سورہ الاعراف:۷/۲۸

[321]۔ سورہ مریم:۱۹/۶۶

آج کل کے مادہ پرست حضرات کی طرح عقل کے پرستاروں کے نزدیک زندگی جو کچھ بھی ہے یہی دنیا کی زندگی ہے۔اور موت کے معنی بالکل فنا اور معدوم ہو جانے کے ہیں۔ جس کے بعد حیات، شعور احساس اور نتائج کچھ بھی نہیں۔

﴿إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ﴾"322

(اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف پہلی مرتبہ مرنا اور پھر ہمیں اُٹھنا نہیں ہے)

سورہ الجاثیہ میں قیامت کے وقوع کا انکار کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

\﴿وَقَالُواماهِيَ إِلَّاحَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾''323

(اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس صرف اس دنیا کی ہے کہ یہی مرتے اور جیتے ہیں۔اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے)

انہوں نے اس دنیا کو ابدی اور ہمیشہ باقی رہنے والا سمجھا ہے کہ یہ درہم برہم ہونے والا کبھی نہیں ہے۔ لیکن ایسا جو لوگ کہتے ہیں وہ اس بنا پر نہیں کہتے کہ موت کے بعد فی الواقع کچھ نہیں اور فی الحقیقت یہ لازوال عالم ہے بلکہ درحقیقت انہوں نے اپنے حواس پر اعتماد کیا ہے ؟ کیا ہمارا عدم احساس ہی دراصل اشیاء کا عدم وجود اور ہمارا احساس اشیاء کا وجود ہے.

مبحث اوّل: لفظ آخرت اور الساعہ کا مفہوم اور عقلیت پسند رجحان کی آراء:

قرآن کریم میں لفظ آخرت بہت ہی کثرت سے استعمال ہوا ہے جس کا مفہوم تو اُمت مسلمہ کے یہاں ایک معلوم اور معروف حقیقت ہے جو چودہ سو سال چلا آرہا ہے جب کہ عقلیت پسند حضرات میں غلام احمد پرویز آخرت

322۔ سورہ الدخان: ۴۴/ ۳۵

323۔ سورہ الجاثیہ: ۴۵/ ۲۴

کا معنی و مفہوم مستقبل کے لیتے ہیں جس میں اس کا اکثر دنیاوی مستقبل مراد ہوتا ہے مطالب الفرقان میں آخرت کا معنی و مفہوم اپنے مخصوص انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

"ا۔ ہر فرد کا آنے والا کل اس کا مستقبل ہے۔

۲۔ ہر قوم کا اگلا دور اس کا مستقبل ہے خواہ وہ عروج کا ہو یا زوال کا۔

۳۔ عالمگیر انسانیت کی ہر موجودہ نسل کے بعد آنے والی نسل اس کا مستقبل ہے۔

۴۔ مرنے کے بعد کی زندگی ان کا مستقبل ہے۔"[324]

یہاں اس عبارت میں اگر دیکھا جائے تو اس میں جو آخرت کا مفہوم بیان ہوا ہے اس کا اکثر تعلق دنیاوی زندگی سے ہے جب کہ تمہید میں بیان کردہ آیات سے قیامت کا جو تصور معلوم ہوتا ہے اس کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے اس سے مراد تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالی اپنی منشا کے مطابق اس دنیا کو ختم کردینگے اور ایک دوسرا جہاں قائم ہوگا جہاں بُروں کو ان کی برائی اور نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیا جائیگا اسے قیامت کہا جاتا ہے۔

جب کہ غلام احمد پرویز نے قیامت سے مستقبل مراد لے لیا پھر اس کو تقسیم کیا مستقبل قریب اور مستقبل بعید میں یعنی دنیا اور آخرت کی زندگی میں، جناب پرویز نے قیامت سے متعلق جن چار نظریات اور تصورات کا ذکر کیا ان میں پہلے تین کا تعلق مستقبل قریب یعنی دنیا سے ہے جس کا قرآن میں کوئی تصور نہیں ہے کہ قرآنی عبارات سے کئی یہ معلوم ہو کہ قیامت سے مراد اس دنیا میں قائم کردہ ایک گھڑی ہے اور اگر قرآن سے ہٹ کر عقل کے ترازو میں قیامت کا تصور تولا جائے تو چودہ سو سال میں اُمت میں یہ نظریہ جو پرویز نے پیش کیا کسی نے پیش نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نظریہ غلام احمد پرویز صاحب کا اپنے عقل کا گھڑا ہوا نظریہ ہے جس کے پشت پر نہ عقل ہے اور نہ ہی نقل ہے۔

---

[324] ۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ج:۱، ص:۱۴۵

رہی قیامت کی آخری اور چوتھی صورت جس میں پرویز نے قیامت کا صحیح تصور پیش کیا ہے مگر جب قاری کے ذہین میں پہلے والی تصورات راسخ ہوگئے تو یہ آخری تصور تقریباً کمزور اور مخدوش ہوگیا اور مطالب الفرقان میں یہی جناب غلام احمد پرویز صاحب کی کاوش نظر آتی ہے۔

قرآن کریم میں قیامت کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں عقلیت پسند حضرات نے ان الفاظ میں تاویل سے کام لیا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آخرت اور قیامت کے لئے لفظ "الساعہ" زیادہ استعمال ہوا ہے سورت الانعام میں الساعہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿حَتَّى إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَاحَسْرَتَنَا عَلَى مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴾[325]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی جب فورا قیامت برپا کریں گے تو یہ لوگ واضح قیامت کے منکر ہوں گے کہیں گے کہ بڑی افسوس کہ ہم نے بہت اس کو ہلکا لیا تھا اور انکار کیا تھا اور اس وقت ان پر غلطیوں کا ڈھیر لدا ہوگا تو اللہ تعالی اپنے بندوں کو خبردار کررہے ہیں۔

چونکہ قیامت کے لئے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوا ہے اس لئے ان عقلیت پسند رجحان رکھنے والوں نے زیادہ تر تاویلات بھی اسی لفظ میں کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً: جہاں لفظ الساعۃ آیا ہے جناب غلام احمد پرویز صاحب اس لفظ کے بارے میں صاف الفاظ میں یہ تصریح نہیں کرتے کہ اس "الساعہ" سے یہاں اللہ تعالی کا مراد قیامت ہے بلکہ یہاں بھی تاویل نہیں تحریف سے کام لیتے ہوئے اس لفظ سے انقلاب کی گھڑی مراد لیتے ہیں، جیسا کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب مطالب الفرقان میں جابجا اس لفظ کے حوالے سے قمطراز ہیں:

"الساعۃ سے مراد انقلاب کی گھڑی ہے جو کہ اس جہاں میں برپا ہوگا۔"[326]

مطالب الفرقان میں جناب پرویز صاحب کی مذکورہ تاویل اُمت میں چودہ سو سال سے کسی نے نہیں کی ہے گویا یہ صرف پرویز صاحب کی عقلی توجیہ ہے اگر یہ صرف نصوص قرآنی اور احادیث مبارکہ کے خلاف ہوتی اور عقل

---

[325]۔ سورہ الانعام:٦:٣١

[326]۔ ایضا:٤٢٥

کے موافق ہوتی تب بھی کچھ کہا جاسکتا جب کہ یہاں تو عقل میں بھی تفرد ہے جس کا معنی یہ ہوا کہ یہ عقلی رجحان ہی نہیں سینہ زوری ہے جس کو یہ لوگ عقل کا بیان کہتے ہیں۔

الغرض یہ تو دو امثلہ پیش کی گئی در حقیقت تصور قیامت اور آخرت کے بارے میں جتنے بھی الفاظ ہیں عقلیت پسند حضرات میں سے جناب غلام احمد پرویز نے اس میں ایسی تاویلات پیش کی ہیں جو تاویلات کے ضمن میں نہیں آتیں بلکہ یہ محض تحریفات ہیں جس نے قرآن اور اسلام کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ عقلیت پسند حضرات میں سے غلام احمد پرویز صاحب جہاں قیامت کے بارے میں قرآن کریم کی آیات کا تفسیر قرآن کے بر خلاف کرتے ہے وہی علامات قیامت (اشراط الساعہ) کے بارے میں بھی تاویلات کرتے ہے جو کہ نہ صرف نقل کے بر خلاف ہے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ یہ عقلی تاویل تا حال کسی نے بھی نہیں کی ہے اگر عقل کے موافق ہوتے تو چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی نہ کوئی اس طرح کا عقلی تجزیہ پیش کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تاویل میں غلام احمد پرویز منفرد ہے اور ایسی تاویل جس میں کوئی منفرد ہو اسے تاویل نہیں تحریف کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اس چیز کو مسخ کرنا چاہ رہا ہے۔

مبحث دوئم: انکار جنت و جہنم:

شریعت اسلام کا ایک مسلم عقیدہ ہے کہ جب اس دنیا سے لوگ رخصت ہو کر آخرت میں جائنگے تو وہاں حشر ہو گا لوگوں کو جزاء وسزاء دی جائے گی، اچھوں کو ان کی اچھائی کے بدلے جنت اور بروں کو ان کی برائی کے بدلے جھنم ملے گی جنت اور جہنم دنیاوی چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کا تعلق آخرت سے ہے اور یہ کوئی تمثیلی اور معنوی چیزیں بھی نہیں ہیں بلکہ حقیقت ہے قرآن اور احادیث مبارکہ میں ان کا مختلف مقامات پر بہت تذکرہ ہوا ہے بطور نمونہ اس کی ایک مثال قرآن کریم کی سورۃ المطففین سے پیش خدمت ہے:

﴿ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُو الْجَحِيمِ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ كِتَابٌ مَرْقُومٌ يَشْهَدُهُ

الْمُقَرَّبُونَ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ يُسْقَوْنَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ﴾"[327]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالی جہنمیوں کو دوزخ میں ڈالیں گے پھر ان سے فرمائیں گے کہ تم نے جن چیزوں کا انکار کیا اج تمہیں اسی میں ڈالا اور نیک لوگوں کے لیے علیین میں اعمال نامے ہوں گے اور تمہیں علیین کا کیا معلوم؟ جسے مقرب فرشتے دیکھتے ہیں، وہ ایک کتاب لکھی ہوئی ہے یقین جانو کہ بڑی نعمتوں میں نیک لوگ ہوں گے، نظارہ کر رہے ہوں گے آرام دہ نشستوں پر بیٹھے، ان کے چہروں پر جو رونق آئے گی نعمتوں میں رہنے سے، اسے تم صاف پہچان لوگے۔

یہ تو قرآن کی وہ آیات کریمہ ہیں جو اس بات کی شاہد عدل ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور جہاں قائم ہو گا اور اس میں جنت اور جہنم بھی ہوگی اور حقیقی ہونگے کوئی تمثیلی اور معنوی بات بھی نہیں ہوگی مگر اس کے بر خلاف عقلیت پسند حضرات ان کو تمثیلی اور معنوی چیز پیش کرتے ہیں جیسا کہ جناب غلام احمد پرویز صاحب اس کو عقلی تمثیل اور استعارہ قرار دیتے ہوئے اپنی تفسیر مطالب الفرقان میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں کہ:

"قرآن نے کہا کہ جحیم مضحل کرنے والی چیز اور پھنسا دینے والی چیز ہے۔ یاد رکھیے جنت اور جہنم کے سلسلے میں یہ سارے بیانات تمثیلی ہیں۔۔۔ بادۂ رحیق کو جو ہم نے مشک سے سربمہر (Seal) کیا ہے۔ اس میں کیا چیز ہے؟ اس میں وہ شے ہے جس سے جو جتنا آگے جانا چاہے جاتا جائے، چلتا جائے، بڑھتا چلا جائے۔ یہ جنت کی تمثیلی کیفیت ہے۔"[328]

---

[327]۔ سورۃ المطففین: ۸۳: ۱۶۔ ۲۵

[328]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/ ۳۵۶

قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی تفاسیر میں اس تمثیلی کیفیت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے مگر ۱۴۰۰سال بعد جناب پرویز صاحب اپنی عقلی بصیرت کو قرآن کی بات کہہ کر پیش کرتے ہیں ان کے نزدیک ایک اخروی جنت (حسب دعوی) ہے اور ایک دنیوی جنت ہے یعنی جنت کی بھی دوقسمیں ہیں ایک دنیامیں جنت ہے اورایک آخرت میں بروز قیامت کی جنت کا تصور ہے دوسری جنت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "دوسری جنت وہ ہے جو نظام خداوندی کے اتباع سے اسی دنیا میں متشکل ہوجاتی ہے۔ یعنی وہ جنتی معاشرہ جو قرآن کے خطوط کے مطابق قائم ہوتاہے۔ اس جنت کی تفاصیل اسی دنیا سے متعلق ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں، بلکہ ہم خود اس جنت کو پیدا کرسکتے ہیں اور اس کی فضاؤں میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ جنت جس میں قرآن نے مردوں کیساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیاہے اور کرناچاہیے بھی۔ اس لیے کہ وہ کون سا معاشرہ ہے جو عورتوں کے بغیر، تنہا مردوں کے ذریعے قائم ہوسکتاہے۔"[329]

بعد از مرگ ملنے والی جنت کو اسی دنیامیں کھینچ لانے کی کوشش نمایاں دکھائی دے رہی ہے اُخروی جنت کو بظاہر تسلیم کرنے کے باوجود قرآن کی اس اصطلاح جنت کی تمام صفات کو دنیوی "جنتی معاشرے" پر منطبق کرتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ جہاں جہاں اس جنت کا اقرار مصلحتاً کرنا پڑے تو اسے ہلکا سا چھوکر گزر جاتے ہیں تاکہ یہ باور کراسکے کہ میں حقیقی جنت اوراس کے مفہوم کا بھی قائل ہوں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جنت اور جہنم دونوں حقیقی ہے قرآن کریم نے ان کا بالکل صاف اورواضح تصور پیش کیاہے کہ بدکاروں کوان کی بدی کی سزاء کے لئے جو جگہ بنائی گئی ہے اسے جہنم کہاجاتاہے اور نیک کاروں کے لئے ان کی نیکی کابدلہ دینے کے لئے جو جگہ بنائی گئی ہے اسے جنت کہاجاتاہے اور یہی ایک ہی معنی اور مفہوم قرآن کریم میں

---

[329] ۔ چوہدری غلام احمد پرویز، طاہرہ کے نام خطوط، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، طبع ہشتم، 2001ء)، ۴۳

رائج ہے مگر جناب غلام احمد پرویز اس جنت کو دو معانی بیان کرتے ایک وہ جنت اور جہنم جو حقیقی ہے اور اس کا تعلق قیامت اور آخرت سے ہے اور دوسری وہ جنت اور جہنم جس کا تعلق دنیا سے ہے۔

مبحث سوئم: علاماتِ آخرت کا تصور

تصورآخرت اور قیامت کے مفہوم اور معنی میں تاویلات کی طرح اشر اط الساعہ یعنی قیامت سے پہلے قیامت کی علامات (اشر اط الساعہ) کے بارے میں بھی عقلی رجحان رکھنے والے حضرات جمہور اُمت کے بر خلاف عقل کو استعمال کر کے ان کے انکار یا ایسی تاویلات کا ارتکاب کرتے ہیں جو تحریفات کے زُمرے میں آتے ہیں کبھی اس علامات کی جمہور علماء کے بر خلاف غلط تفسیر بیان کرتے ہیں اس طرح وہ بڑی بڑی علامات قیامت کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس اجمال کی تفصیل مختلف عنوانات کے میں ذکر کی جائیگی۔

علاماتِ قیامت میں سے دجال اور عقلیت پسند رجحان:

دجال کو کون نہیں جانتا اور جہاں جہاں حدیث میں اس کا تذکرہ آیا ہے علماء نے وہاں اس کی خوب وضاحت فرمائی ہے مگر عجیب بات یہ ہے کہ عقلیت پسند حضرات جس طرح قیامت کے بارے میں تاویلات یا تحریفات سے کام لیا تھا ایسے ہی اس قیامت سے متعلق جو علامات اور نشانیاں بیان ہوئی ہے ان کے بارے میں بھی مختلف قسم کی تاویلات یا تحریفات سے کام لیا تھا اور اس حوالے سے صاف اور واضح دلائل کو چھوڑ کر غیر واضح اور غیر متعلقہ آیات سے استدلال کیا ہے ان غیر واضح اور متعلقہ آیات سے دجال کا ثبوت یا وجود کے بارے میں بات کرنا محض قرآن کو اپنے عقل اور رائے کے پابند کرنا ہی ہے جو کہ انتہائی نازیبا حرکت ہے اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے کہ:

"﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَ رض اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾"330

"یقینی بات ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ (اتنی سی بات) نہیں سمجھتے۔"

اس آیت کریمہ میں لفظ الناس کا ذکر ہوا ہے جس سے عام مفسرین کرام اور علماء کرام نے لوگ ہی مراد لئے ہیں اور یہی عام فہم معنی اور مفہوم ہے

330۔ سورۃ الغافر: ۴۰/ ۵۷

مگر محمد علی لاہوری صاحب جمہور علماء کے برخلاف اس کی عجیب و غریب تفسیر اور مفہوم بیان کر کے فرماتے ہیں کہ:

"الناس" سے مراد دجال ہے "الذین یجادلون" آیا ہے اور دجال سب سے بڑا حق ہے جدا کرنے والا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے دجال ایک آدمی کا نام نہیں بلکہ ایک گروہ کا نام ہے۔"[331]

یہ اور اس جیسے اور بھی مقامات ہیں جہاں محمد علی لاہوری نے اپنے ہی انداز میں تفسیر کر دی ہے کہیں کچھ عقلی معلوم ہوتی ہے کہیں تو عقل سے دور کا بھی کوئی سروکار نہیں ہے جب کہ اس آیت کریمہ کا صحیح اور بجا مفہوم یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے منکرین قیامت کی طرف جس خالق اکبر کے لئے زمین و آسمان کا پیدا کرنا انہیں مسلم ہے اس کی بابت اس پر استعجاب کرنا کہ وہ انسانوں کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے گا کیسی کم عقلی اور نافہمی کی بات ہے ویسے دنیاوی اعتبار سے اسمان اور زمین کی وسعت کے اگے ایک بشری مخلوق کی کیا سچائی ہو سکتی ہے لیکن اسلام مخالفین بھی یہ مانتے ہیں کہ کائنات کا بنانے والا وہ اللہ کی ذات ہے تو کیا اس کے لیے کوئی چھوٹی مخلوق کی تخلیق مشکل ہے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿"ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰهَا رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا"﴾[332]

"کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اسے بنایا اس کی چھت کو بلند کیا، پھر اسے برابر کیا اور اس کی رات کو تاریک کر دیا اور اس کے دن کی روشنی کو ظاہر کر دیا اور زمین، اس کے بعد اسے بچھا دیا اس سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا اور پہاڑ اس نے انھیں گاڑ دیا۔"

---

[331]۔ لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۳/۲۹۲۷،

[332]۔ سورہ النازعات: ۲۸-۳۲

اللہ تعالیٰ قادر مطلق فرماتاہے کہ مخلوق کو وہ قیامت کے دن نئے سرے سے ضرور زندہ کرے گا جب کہ اس نے آسمان وزمین جیسی زبردست مخلوق کو پیدا کر دیا تو انسان کا پیدا کرنا یا اسے بگاڑ کر بنانا اس پر کیا مشکل ہے؟ آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ:

"مُنَبِّهًا عَلَى أَنَّهُ يُعِيدُ الْخَلَائِقَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَّ ذَلِكَ سَهْلٌ عَلَيْهِ يَسِيرٌ لَدَيْهِ بِأَنَّهُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَخَلْقُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ بَدْأَةً وَإِعَادَةً فَمَنْ قَدَرَ عَلَى ذَلِكَ فَهُوَ قَادِرٌ عَلَى مَا دُونَهُ بِطَرِيقِ الْأَوْلَى وَالْأَحْرَى"[333]

" آیت میں ارشاد ہے کہ کیا ایسی بات اور اتنی واضح حقیقت بھی جھٹلائے جانے کے قابل ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا اور اس اتنی بڑی چیز کی پیدائش سے نہ وہ تھکا نہ عاجز ہوا اس پر مردوں کا جلانا کیا مشکل ہے؟ ایسی صاف دلیل بھی جس کے سامنے جھٹلانے کی چیز ہو اس کی معلومات یقینا نوحہ کرنے کے قابل ہیں۔"

الغرض اس آیت کریمہ کا تعلق واپس اُٹھائے جانے سے ہیں جیسا کہ آیت کریمہ کا صاف اورواضح مفہوم ہے اور یہی ائمہ سلف کی تفاسیر کا خلاصہ بھی ہے مگر عقلیت پسند حضرات میں خاص کر مولوی محمد علی لاہوری اس میں تاویل کر کے اس کا بے جا مفہوم لیتے ہیں۔

علامات قیامت میں سے دابۃ الارض اور عقلی رجحان:

ایک لفظ جس کی تفسیر میں ہمارے دین اسلام کا منشاء اور مقصد بالکل صاف اور واضح ہے وہ ہے "دابہ الارض" کا تصور جیسا کہ سورۃ النمل میں ارشاد ہے:

---

[333] ۔ابن کثیر، عمادالدین اسماعیل بن عمر، تفسیرالقرآن العظیم، ج:۷/۱۳۷

﴿ وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴾[334]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں باری تعالی قرب قیامت یعنی علامات قیامت کا اظہار ایک بڑے جانور جو زمین سے ظاہر ہوگا اور حدیث میں جساسہ کا نام آیا ہے اس سے ذکر کر رہے ہیں۔

دابہ الارض کا لغوی معنی البیان فی حل لغات القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

دابہ کا معنی مدہم چلنا اور رینگنا کے آیا ہے یہ لفظ حیوانات کے لئے استعمال ہوتا ہے اور عموماً گھوڑے کے لئے اور لغتاً ذی حیات کے لئے استعمال ہوتا ہے باری تعالی کا ارشاد ہے واللہ خلق کل دابۃ من ماء[335] اللہ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا ہے۔[336]

دابہ الارض کا تعارف کراتے ہوئے حدیث میں اس عجیب ترین حیوان جساسہ کے نام سے آیا ہے قرب قیامت کی علامت ہوگی اور اللہ تعالی اپنی قدرت کا اظہار کریں گے اور لوگ اس کے اظہار سے پہلے یہ نہیں پائیں گے کہ منکرین اس عجیب واقع کی خود تصدیق کریں گے اور جس طرح کہ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ حَاشِيَةُ الشِّهَابِ عَلَى تفسیرِ البَیضَاوِی میں لکھتے ہیں:

"وھو ماعدوا به من البعث والعذاب"[337]

334۔ سورۃ النمل: ۲۷/ ۸۲

335 سورہ النور: ۲۴/ ۴۵

336۔ علی محمد، **انوار البیان فی حل لغات القرآن**، (مکتبہ سید احمد شہید لاہور)، ۲/ ۵۵۸

337۔ خفاجی، شہاب الدین، احمد بن محمد، **حَاشِيَةُ الشِّهَابِ عَلَى تفسیرِ البَیضَاوِی**، (دار النشر: دار صادر - بیروت، س ن)، ۷/ ۵۸

اس آیت "من الارض" یہ لفظ قابل توجہ ہے اور اس دابہ الارض حیوان کی تخلیق دوسرے جانوروں کی طرح نہ ہوگی بلکہ اس سے مختلف ہوگی اور اس کی خود بخود تخلیق ہوگی علامہ آلوسی بغدادی نے لکھاہے:

"من الارض نوع اشارة الى ما قيل ان خلقها ليس بطريق التوالد بل هو بطريق التولد"[338]

"من الارض سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس جانور کی تخلیق بطریق توالد و تناسل نہیں ہوگی بلکہ خود بخود پیدا ہوگا۔"

مولوی محمد علی لاہوری صاحب مفسرین کے اقوال کو رد کرتے ہوئے یہاں اس مخصوص مقام پر "دابۃ" کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

"دابۃ الارض سے متعلق علماء کے خیالات ہر اعتبار سے ساقط ہیں قرآن نے خود اس کو حل کیا ہے اس لئے وہ ایسا "دآبۃ" قرار دیتا ہے جو لوگوں سے باتیں کرے گا اور کلام کرنا انسان سے خاص ہے اور دوسرا کوئی جانور کلام نہیں کرتا اگر "دآبۃ الارض" سے انسان نہ لئے جائیں تو پھر مراد وہ تمام اسباب ہوں گے جو زمین سے پیدا ہو کر انسان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں خواہ طاعون اور وباؤں کے رنگ میں ہوں، جن کے کیڑے زمین سے پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ جگنو کے رنگ میں ہوں"[339]

جہاں اور جن آیات کریمہ میں محمد علی نے تفسیر طبری کی طرف رجوع کیا وہ صرف اپنی پسند کے الفاظ لے لیے ہیں اور اس پر نظر نہ کی خود ابن جریر نے کن معنوں کو کس اعتبار سے مراد لیا اور ترجیح دی ہے، اس تفسیر سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے ماخذ تفسیر کی طرف صرف من پسند مقامات پر رجوع کیا ہے اور اس میں بھی یہ کیفیت

---

[338]۔ آلوسی، محمود بن عبداللہ، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ۱/ ۲۳۲

[339]۔۔لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ج:۱/ ۲۴۹۲

غالب نظر آتی ہے کہ من پسند حصہ تفسیر کو سیاق وسباق سے قطع کر کے نیا معنی بتایا ہے جو کہ علمی لحاظ سے نہایت قبیح اور مذموم فعل ہے چنانچہ سورۃ النمل کی آیت نمبر ۸۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"دابۃ الارض سے کیا مراد ہے؟ روایات اس بارے میں اس قدر کثیر ہیں کہ روایات میں اس کی ماہیت، شکل، جائے خروج، تعداد خروج، لوگوں کی ساتھ اس کا معاملہ، وہ کیوں نکلے گا، روایات میں ان سب کے بارے میں ایسا شدید اختلاف ہے کہ بعض روایات بعض کی متعارض ہیں۔ یعنی یہ سب روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ پس دابۃ الارض سے مراد انسان ہے۔ وہ انسان جو زمین پر اس قدر جھک گئے ہیں کہ ان کی نظر خدا کی طرف نہیں اٹھی۔ اس سے مراد زمین پر پھیلی ہوئی قومیں ہیں۔ جو مشرق و مغرب میں یکساں پھیل جائیں گے اور مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو آیات اللہ پر وہ یقین نہ رہے گا جو انسان کے اندر قوت عمل پیدا کرتا ہے اور وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بھی چھوڑدیں گے۔ تو ان کی لئے بطور سزا ایک ایسی مخلوق نکل پڑے گی جو بالکل زمین پر جھکی ہوئی ہو۔ جیسی موجودہ عیسائی قومیں۔"[340]

مولوی محمد علی صاحب اوراس کے ہمنوا عقل پرست حضرات خوارق العادت اشیاء یعنی معجزات بالکل ہی نہیں مانتے ہیں بلکہ ہر چیز کو عقل کے دائرہ کار میں لے آنے کی کوشش کرتے ہیں عجیب بات تو یہ ہے کہ اگر ان معجزات کی تاویل کچھ عقلی دائرہ کار میں کرتے تب بھی کوئی وجہ بنتی مگر یہ لوگ تو عقل کے نام پر جو کچھ کرتے ہیں ان کا عقل سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ عقل و نقل سے ماوراء ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ آخرت اوراس سے متعلق یہ وہ چیزیں ہیں جو اُمت کے مسلمات میں سے ہیں مگر چونکہ یہ ماوراء عقل ہے اس لئے عقلیت پسند حضرات ان چیزوں کو عقل کے مطابق تراشنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان آیات اور عقل میں مطابقت پیدا کرے مگر جب اسلام نے بتادیا کہ یہ عقل سے ماوراء ہیں تو پھر عقل کو ان دخل

---

[340]۔ لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، 2/1030

اندازی دینااور بے جا تاویل کرناتحریف ہی سمجھاجائیگاجس کوہم انکارآخرت انکارعلامات آخرت سے ہی تعبیر کرسکتے ہیں۔

باب چہارم : اصول تفسیر کی روشنی میں منتخب تفاسیر کا تنقیدی جائزہ:

فصل اول: منتخب تفاسیر کا روایتی تفسیر کے اصولوں کی روشنی میں تجزیہ

فصل دوم: عقلی رجحان کے حامل تفسیری موقف کا تنقیدی جائزہ

فصل سوم: عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحان کے اثرات کا تجزیہ

فصل اول: منتخب تفاسیر کا روایتی تفسیر کے اصولوں کی روشنی میں تجزیہ

عقلیت پسند رجحان کی منتخب تفاسیر:

اس مخصوص مقام پر منتخب تفاسیر سے مراد عقلیت پسند رجحان رکھنے والے ان افراد کی تفاسیر کا بیان اور جائزہ لینا مقصود ہے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے اور وہ چار افراد کی تفاسیر ہیں جیسا کہ غلام احمد پرویز صاحب، جناب تمنا عمادی صاحب، جناب مولوی محمد علی لاہوری اور جناب جاوید احمد غامدی صاحب جو شریعت اسلام میں مروج مسلمہ روایتی اصول تفسیر کے بجائے عقل کو اس پر ترجیح دیتے ہیں، یہ ترجیح کبھی تاویل اور تحریف کے ذریعے دیتے ہیں اور کبھی مغربی فلسفے سے متاثر ہو کر مغلوبیت کی وجہ سے دیتے ہیں، عموما جو دیکھا گیا ہے یہ لوگ جمہور علماء کے مسلمہ روایتی اصول تفسیر کو چھوڑ کر عقلیت پسندی سے زیادہ مغربیت پسندی کو ترجیح دیتے ہیں، خاص کر جناب غامدی صاحب کے جتنے بھی اصول ہیں وہ تمام جمہور کے مسلمہ روایتی اصول سے انحراف مغرب اور اس کے نئے فلسفے کے لئے راہ ہموار کرنے سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہیں ہر مسئلے کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس سے یوں لگتا ہے گویا اہل مغرب کے دانشوروں کے ساتھ مل کر ایک سازش کے تحت اس مسئلے کو گھڑا گیا ہے جہاں تک بندہ ناچیز کا خیال اور تحقیق ہے اس کے مطابق ان عقلیت پسند رجحانات کا جمہور امت کے مسلمہ روایتی اصول کو چھوڑنے اور بظاہر عقل کا لبادہ اوڑھ کر جو اصول اپنائے ان کے پیچھے صرف اور صرف مغربیت چھپی ہوئی نظر آتی ہے میں نے اس پوری تحقیق میں یہ محسوس کیا کہ یہاں تو عقل کم مغرب نوازی کچھ زیادہ نمایاں ہے جیسا کہ انہی عقل پرست حضرات کا تعاقب کرنے والے ڈاکٹر محمد دین قاسمی صاحب غلام احمد پرویز کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> "ہمارے "مفسر قرآن" جناب پرویز صاحب بھی مغربی تہذیب کے سامنے مسخر و مسحور اور عملاً مفتوح ہو چکے ہیں، وہ مغرب ہی کے دماغ سے سوچتے ہیں، اس کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کی راہوں پر چلتے ہیں۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ مفروضہ ان کے دماغوں پر مسلط ہے کہ حق وہ ہے جسے مغرب حق سمجھتا ہے اور باطل وہ ہے جو اس کی نگاہ میں باطل ہے۔ چنانچہ ان کی زبان قال اور لسان قلم میں سے جو کچھ بر آمد ہوتا ہے وہ خود اپنی تہذیب کی ناقدری اور مغربی معاشرت کی قدر افزائی پر ہی مشتمل ہوتا ہے یہ ممکن ہی

نہیں کہ مغرب، اسلام کی جس چیز پر اعتراض کرے ہمارے یہ دانشور اس اعتراض کی صحت پر ایمان نہ لائیں اور اس کی روشنی میں اسلام کی صالح مدنیت کو چھیل چھال کر مغرب کی مدنیت فاسدہ کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کریں۔"[341]

ان عقلیت پسند حضرات نے نہ صرف مغربی دانشورں اور مفکرین کو پسند کیا بلکہ قرآنی آیات کو تراش تراش کر اس سے ان مفکرین کی دانش کی راہ نکالنے کی ناکام کوشش کی ہے:

یہاں اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ عقلیت پسند مفسرین کے تفاسیر میں مغرب کے نظریات و افکار رچ بس گئے ہیں اور تفسیری کلام کے ثبوت میں ان کی روایات ذکر کرتے ہیں اور بعد میں اس کے ان نظریات کو قرانی آیات کی تفسیر پر مرتب کرتے ہیں[342]

عقلیت پسندی اور جمہور کے مسلمہ روایتی اصول سے انحراف کا پس منظر یہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی مسلمانان پاک وہند کیلئے فکری اعتبار سے بہت اہم دور تھا مغربی ممالک میں وہ ہمہ گیر انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ چکا تھا جس کے نتیجے میں جدید انسان نے بزعم خود "خدا" کی جگہ استقرائی سائنس کی بنیاد پر فکر و عمل کی پوری دنیا کی از سر نو تنظیم بندی کی۔ مذہب کے وہ مسلمہ روایتی اصول جو جمہور مفسرین نے بنائے تھے ان کو نئے تصور حیات سے متصادم محسوس کرتے ہوئے ترک کر دیا گیا اس ذہنی کیفیت کے ساتھ مغربی اقوام کو مشرقی ممالک پر سیاسی تفوق حاصل ہوا۔ برصغیر کے اہل علم پر اس تبدیلی کے اثرات مرتب ہونے شروع ہوئے اور تشکیک، الحاد اور لادینیت یہاں بھی رنگ لانے لگی۔ اس پر مستزاد وہ حملے تھے جو مغرب سے آئی ہوئی مسیحیت اور استشراق نے اسلام پر کیے۔ مغربی افکار اور مسیحیت کے یہ حملے سامراجی طاقتوں کی سرپرستی میں ہو رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ اقوام مشرقی اقوام کو "دروس تہذیب" بھی دے رہی تھیں۔ مسلمانان پاک وہند سیاسی اور تہذیبی انحطاط کے عمل سے گزر رہے تھے ان چیزوں

---

[341]۔ قاسمی، محمد دین، **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ**،(لاہور، ادارۃ المعارف اسلامی، طبع اول، جنوری ۲۰۰۹)، ۲/ ۳۶۳

[342]۔ قاضی، محمد حبیب الرحمان، **برصغیر (پاک وہند) میں قرآن فہمی اور تفسیری خدمات کا علمی اور تنقیدی جائزہ**،(پشاور، شعبہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی، ۲۰۰۵ء)، ۵۲۴

نے علمی میدان میں ان کی قوت مزاحمت، فکری استقامت اور قائدانہ صلاحیت کو متاثر کیا تھا،ڈاکٹر عاصم نعیم صاحب نے کیا خوب لکھا ہے:

اس دور کے دینی ادب میں ایک رجحان "آزادی اور مصالحت" کا پیدا ہوا، جس کے نمائندہ سر سید احمد خان تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اسی فکر کے مخصوص ذہنیت رکھنے والے کچھ ایسے افراد سامنے آئے جنہوں نے قرآن سے اپنی وابستگی اور گہرے تعلق کا اظہار کیا، قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے کتابیں تصنیف کیں، رسائل جاری کئے، دروس قرآن کی مجلسیں آراستہ کیں اور تفسیریں لکھیں، لیکن انہوں نے آیات قرآنی کی من مانی، دور از کار اور غلط تاویلات کے ذریعے ایک ایسے اسلام، کا ڈھانچہ تیار کیا جس کے خدوخال حقیقی اسلام سے یکسر مختلف تھے۔ اس طائفہ کے سرخیل چودھری غلام احمد پرویز م ۱۹۸۵ء رہے ہیں۔ انہوں نے قرآنیات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں مطالب الفرقان، مفہوم القرآن، معارف القرآن، تبویب القرآن اور لغات القرآن (٤ جلدیں) مشہور ہوئیں۔ انہوں نے اپنے ہم فکر اصحاب کیساتھ مل کر ایک جمعیت بنائی جو "بزم اہل قرآن" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کیلئے "طلوع اسلام" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا، اسی گروہ کے ایک فرد مولوی احمد الدین امر تسری ہیں۔ انہوں نے اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کیلئے (البیان) نامی ایک ماہ نامہ جاری کیا اور (امت مسلمہ) کے نام اسے اپنے ہم فکر اصحاب کا ایک حلقہ تشکیل دیا۔ غلام احمد پرویز کی وفات کے کچھ عرصہ بعد پاکستان کے علمی حلقوں میں جناب جاوید احمد غامدی کا نام نمایاں ہوا۔ موصوف نے دینی موضوعات پر تقریباً وہی راہ اختیار کی۔[343]

یہی عادت اصول تفسیر میں تمام عقلیت پسند حضرات کی ہے مولوی محمد علی لاہوری قادیانی کے عقل پرستی کے بارے میں ڈاکٹر ثناء اللہ صاحب ابوالحسن علی ندویؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ علی میاں بسا اوقات مولوی محمد علی لاہوری کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ:

> "محمد علی لاہوری قادیانی نے سر سید کے لٹریچر اور ان کے تفسیر قرآن کے اسلوب کو پورے طور پر جذب کر لیا ہے اور مولوی نورالدین کے درس قرآن اور صحبت نے اس رجحان اور ذوق کو مزید تقویت پہنچائی۔"[344]

---

[343]۔ عاصم نعیم، ڈاکٹر، **پاکستان کا اردو تفسیری ادب**، ۳۰۹

[344]۔ ثناء اللہ، ڈاکٹر، **برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پرستی**، (العلم پبلی کیشنز، س ن)، ۱۶۵

عقلیت پسند رجانات کی منتخب تفاسیر کے حوالے سے آج کل ایک مشہور نام جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ہے یہ بھی جمہور امت کے مفسرین کے مسلمہ روایتی اصول سے بالکل منحرف اور مسحور کن طور پر مغربی مفکرین سے متاثر ہیں چنانچہ ڈاکٹر عبید الرحمان صاحب لکھتے ہیں کہ:

"مغربی فکر سے راہنمائی، حقوق انسانی، اسلامی قوانین، خصوصاً جرم و سزا کے قوانین، صحفِ سماویہ، اجتہاد، قتال فی سبیل اللہ اور جہاد ان تمام پر ان کے اراو افکار جمہور امت کے افکار سے علیحدہ ہیں۔[345]

ان سب نے مل کر برصغیر میں جمہور مفسرین کے مسلمہ اصول سے انحراف کر کے عقلیت پسندی کی ابتداء اور آغاز کیا، حدیث کی شرعی حیثیت مسخ کر دی، معجزات کا انکار کیا، جنت جہنم، شیطان اور فرشتوں کا انکار کیا اور کہا کہ ملائکہ خیر کے فطری ملکہ کا نام ہے جو انسانی فطرت و جبلت میں ودیعت ہے یہ کوئی مستقل عالم سے عبارت نہیں جو وجود انسانی سے کوئی خارج شئ شمار کی جائے بلکہ یہ ان صفات میں سے ہے جو انسان کے اندر ہی موجود ہیں اور شیطان اس شری ملکہ سے عبارت ہے جو فطرت انسانی کا حصہ ہے اسی طرح حشر اور معاد جسمانی کا انکار کیا بلکہ ملحد فلاسفہ کی طرح صرف معاد روحانی کا قائل و معتقد ہوا اور اسی طرح آسمانوں اور ارواح کے وجود کا بھی منکر ہوا یہ سب عقل سے رہنمائی لیتے ہوئے مسلمہ اصول تفسیر سے انحراف کی راہیں ہیں۔

عقلیت پسند رجانات کے تفسیری اصول

عقلیت پسند رجانات کے تفسیری اصول کو سمجھنے سے پہلے کچھ اصل اصول یعنی بنیادی باتیں بھی سمجھنی ہوں گی تاکہ عقلیت پسند حضرات نے جو اصول بنائے ہیں ان کو سمجھنے میں آسانی ہو اور ہمارا موضوع صاف ستھرا ہو کر سہل تر ہو جائے وہ یہ کہ:

(۱) جس طرح قدیم معتزلہ کا ظہور در حقیقت یونانی فلسفہ و منطق کا رد عمل تھا، اسی طرح عقلیت پسند حضرات اور اس خاص مکتب فکر کا ظہور مغربی تہذیب اور جدید افکار کا رد عمل ہے۔

---

[345]۔ محسن، عبید الرحمان، ڈاکٹر، **برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج واثرات**، (لاہور، کتاب سرائے، ۲۰۱۶ء)، ۴۴۳

(۲): عقلیت پسند رجانات کا حامل مکتب فکر تاریخی طور پر دو اہم ادوار سے گزرا ہے:

۱: پہلے دور کے سر خیل سر سید احمد خان ہیں۔

۲: دوسرے دور کے سر خیل غلام احمد پرویز ہیں۔

اس کے بعد جس نے بھی نقل کے مقابلے میں عقل پرستی کی کوئی بات کی ہے وہ انہی کے پیروکار اور تابع ہے۔

(۳): سر سید احمد خان و غلام احمد پرویز دونوں پر تہذیب مغرب کا غلبہ ہے اور اس سے بری طرح مرعوب ہیں البتہ سر سید احمد خاں جدید سائنسی نظریات کی حمایت میں زیادہ پیش پیش ہیں اور غلام احمد پرویز کے ذہن پر جدید اشتراکی نظریات سوار ہیں۔

(٤): قدیم معتزلہ کی طرح سر سید صاحب کے نزدیک عقل کو ہر چیز پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ اگر کوئی آیت عقل سے ٹکرا رہی ہو تو اس کی ایسی تاویل کی جائیگی کہ وہ مطابق عقل ہو جائے۔ اسی طرح قرآن قانون فطرت کے مطابق ہے۔ کیونکہ قرآن مجید Word of God اور فطرت Work of God ہے۔ سر سید کے تمام تفسیری عقل پروری انہی دو نظریات کی بنا پر ہیں۔ سر سید کے بنیادی اصول تفسیر بھی درج بالا دونوں نظریات ہیں۔

(٥): قرآن مجید کی سائنسی تفسیر کے بارے میں دو متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے صحیح اور معتدل رائے یہ ہے کہ قرآن مجید کی سائنسی تشریح چند شروط کیساتھ جائز ہے۔

(٦): کسی بھی جدید سائنسی حقیقت کو قرآن مجید کا عین مدلول قرار نہیں دیا جاسکتا، قرآن مجید کا حقیقی مدلول احادیث وآثار اور لغت ہی کی روشنی میں طے کیا جائیگا۔ البتہ جدید سائنسی معلومات کو پہلے سے ثابت شدہ مدلول قرآن میں توسیع کی خاطر بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۷): عقل کا یہ کام نہیں کہ وحی الہی کی جگہ براجمان ہو جائے یا اس سے آگے بڑھے، بلکہ عقل کو وحی کے تابع ہونا چاہیے۔

(۸): وحی سے ثابت شدہ کوئی بھی حقیقت عقل سلیم کے خلاف نہیں ہو سکتی، البتہ ایسی عقل جو اتباع ہوی پر مبنی ہو، یعنی عقل غیر مسلم یہ اکثر خلاف شریعت ہوتی ہے۔ شریعت کے نزدیک ایسی عقل سرے سے عقل ہے ہی نہیں بلکہ اتباع الہوی ہے۔

(۹): بعض حقائق خلاف عقل تو نہیں ہوتے لیکن ماورائے عقل ضرور ہوتے ہیں بعض دفعہ مطلقاً ماورائے عقل ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک خاص عہد کیلئے ماورائے عقل ہوتے ہیں، عقلیت پسند رجحانات اور اس مکتب فکر کے حامل حضرات ایسے حقائق کو بھی خلاف عقل کہہ کر ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور کہتے ہیں کہ کوئی چیز ماوارائے عقل نہیں ہے۔

(۱۰): اگر عقلیت پسند رجحانات کے اصول تفسیر کو من حیث المجموع قبول کر لیا جائے، تو ایمانیات اور ارکان اسلام کی کوئی متفقہ شکل نہیں بتائی جاسکتی، بلکہ امت کے بنیادی مسلمات اور بدیہیات بھی متزلزل اور غیر یقینی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے امت کے اجتماعی ضمیر نے عقلیت پسند رجحانات کے منہج تفسیر کو کبھی قبول ہی نہیں کیا۔

ان بنیادی باتوں کے بعد اب ذیلی اصولی باتوں کی طرف آتے ہیں جن اصولی باتوں کی وجہ سے قرآن کریم اور اس کی جو روایتی اصول تفسیر جمہور امت کے یہاں مسلم ہے ان سے انحراف کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کیسے مسلمہ اصول اور شریعت اسلام کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش ہوتی ہے؟ یہاں ایک بات یہ بھی زیر نظر رہے کہ ان حضرات کے جو اصول ہیں وہ تقریباً ایک دوسرے سے قریب قریب ہے لہذا ہر اصول کو مختلف حضرات سے بار بار نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سب سے پہلے ان اصول کو بیان کیا جائیگا جو جمہور امت کی مسلمہ اور متفقہ ہیں اس کے بعد موجودہ دور کے عقلیت پسند رجحانات کے وہ اصول جو ان سے برعکس ہیں کو بیان کئے جائینگے، اس میں خاص طور پر عقلیت پسند رجحانات کے سرخیل جناب غلام احمد پرویز کی کچھ اصول موضوع بحث سے متعلق ذکر کرتے ہیں کیونکہ باقی حضرات بھی اسی کی متابعت میں کم بیش انہی اصول پر عمل پیرا ہیں۔

قرآن کی تفسیر قرآن سے:

جمہور مفسرین کے مسلمہ روایتی اصول میں سے ایک اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے ہی کی جائے مگر یہ قاعدہ مطلق نہیں ہے جس طرح کہ عقلیت پسند رجحانات کا خیال ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے ہونی چاہئے کسی اور چیز کی مطلقاً ضرورت نہیں ہے اس قاعدے کی وضاحت کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:

" أَنَّكَ تَطْلُبُ تَفْسِيرَ الْقُرْآنِ مِنْهُ، فَإِنْ لم تجده فمن السنّة، فإذا لَمْ نَجِدِ التَّفْسِيرَ فِي الْقُرْآنِ وَلَا فِي السُّنَّةِ، رَجَعْنَا فِي ذَلِكَ إِلَى أَقْوَالِ الصَّحَابَةِ، فَإِنَّهُمْ أَدْرَى بِذَلِكَ لِمَا شَاهَدُوا مِنَ الْقَرَائِنِ وَالْأَحْوَالِ الَّتِي اخْتُصُّوا بِهَا، وَلِمَا لَهُمْ مِنَ الْفَهْمِ التَّامِّ، وَالْعِلْمِ الصَّحِيحِ، وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ ۔"[346]

"مقصود کلام یہ کہ (جب آپ کسی آیت کی تفسیر کرنے لگو تو سب سے پہلے) اسے قرآن میں ڈھونڈنے کی کوشش کرو اگر قرآن میں نہ پاؤ تو سنت رسول اللہ ﷺ میں جیسا رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے ہوئے فرمایا کہ اے معاذ کس چیز سے فیصلہ کروگے اس نے فرمایا کہ کتاب اللہ سے آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ فرمایا سنت رسول اللہ ﷺ سے۔۔۔۔جب ہم قرآن اور سنت رسول میں کوئی نہ پائے تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرینگے کیونکہ وہ اس کی تفسیر کو خوب جانتے ہیں کیونکہ انہوں نے وہ قرائن اوران احوال کا مشاہدہ کیا ہے جو اس آیت کے ساتھ خاص تھے اوراس وجہ سے کہ ان کا سمجھ کامل تھا اوراس آیت کے متعلق پورا علم رکھتے تھے اور عمل صالح کے پیکر تھے۔"

مگر ان عقلیت پسندوں کا جمہور کے روایتی اصول سے ہٹ کر یہ اصول ہیں کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے جیسا کہ لکھتے ہیں:

کتاب اللہ کی تشریح خود کتاب اللہ میں ہے اور وہ مفصل کلام اللہ ہے۔[347]

جناب غلام احمد پرویز ایک اور مقام پر تفسیر مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

---

[346] ۔ ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**، ۱/۹

[347] ۔ عثمانی، مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، (کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۸۷ء) ۱/۳۷

قران مجید ایک بہت بڑی واضح کتاب ہے اس کی تشریح اور تفسیر کے لیے وہ
کسی شان نزول یا کسی اور خارجی چیز کی ضرورت نہیں رکھتی یہ خود مکتفی ہے
اور اپنی وضاحت آپ کرتی چلتی جاتی ہے۔[348]

یہ توان حضرات کی علمی نہیں بلکہ خیالی اصول ہیں اگراس اصول کا ٹکراو عقل کے ساتھ ہو جائے تو یہ حضرات پھر عقل کو ترجیح دیتے ہیں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"دنیا" بمعنی حال "آخرت" بمعنی مستقبل۔

"دنیا" بمعنی ذاتی مفاد "آخرت" بمعنی کلی مفاد۔

"دنیا" بمعنی مفاد عاجلہ "آخرت" بمعنی آنے والی نسلوں کا مفاد۔

"دنیا" بمعنی طبعی زندگی "آخرت" بمعنی مرنے کے بعد کی زندگی۔"[349]

قرآن میں جو دنیایا آخرت کالفظ استعمال ہوا ہے قرآن نے خوداور نہ ہی جمہور کے مسلمہ روایتی اصول میں سے کسی نے یہ معانی بیان نہیں کیئں ہیں بلکہ ان چار معانی میں سے مسلمانوں کے ہاں صرف چوتھا معنی درست اور مسلم ہے باقی معانی قرآن میں کئی بھی، مستعمل نہیں ہیں بلکہ پرویز کی اپنی ضرورت کے تحت ایجاد کردہ ہیں اسی طرح ان عقلیت رجحان رکھنے والے حضرات کا عقلی اصول یہ ہے کہ:

1۔ کسی شے کو حرام قرار دینے کا اختیار صرف خدا کو حاصل ہے۔

2۔ خدا کے علاوہ کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔[350]

ان کی عقلی تفسیر کے برخلاف قرآن کریم کا صریح فرمان ہے کہ:

---

[348]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان** ۱/۳۱۶

[349]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **نظام ربوبیت**، ۸۵

[350]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۶/۲۰۳

﴿ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾[351]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو حضرت محمد کی اتباع کریں کہ جس کا ذکر اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنی کتاب تورات اور انجیل میں بھی ان کا تذکرہ پائیں گے اور وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی اور حلال اور حرام کی وضاحت کریں گے۔

یہاں تو قرآن نے تورات اور انجیل کا بھی حوالہ دیا کہ وہاں بھی حجیت حدیث کو مسلم قرار دیا ہے مگر چونکہ اس مقام پر قرآن ان کے مدعا کے خلاف ہے اس لئے عقل کو رہنما مان کر قرآن کی تفسیر قرآن کے صاف اور صریح آیات سے کرنے کے بجائے عقل کو ترجیح دیتے ہیں۔

سورہ التوبہ کی آیت میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ ﴾[352]

مفہوم آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے نیک بندوں سے اپنے انفس اور مال اپنے قبضے میں لے لئے ہیں۔

پرویز صاحب اس آیت میں لفظ "اللہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ سے مراد قرآنی معاشرہ ہے اور مؤمنین سے مراد افراد معاشرہ اور جنت سے مراد روٹی کپڑا اور مکان یا ضروریات زندگی ہیں"[353]

---

[351]۔ سورہ الاعراف: ۷/ ۱۵۷

[352]۔ سورہ التوبہ: ۹/ ۱۱۱

[353]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **نظام ربوبیت**، (لاہور، طلوع اسلام، طبع چہارم، ۱۹۹۵ء)، ۱۱۷

اب اگر دیکھا جائے تو قرآنی آیت کریمہ کی یہ تفسیر کہاں سے لی گئی ہے؟نہ قرآن میں یہ تشریح ہے نہ حدیث میں نہ تابعین کے اقوال میں اور نہ ہی عقل کا یہ تقاضا ہے لہذا سوائے اپنے خاص اہداف کو حاصل کرنے اور کوئی وجہ اور سبب نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن سے ایک اور مثال پیش خدمت ہے وہ یہ کہ جنت اور جہنم جزاء وسزاء کے خاص مقامات کا نام ہے یہی قرآن کا مدعا ہے جبکہ قرآن کریم کے بر خلاف ان عقلیت پسند حضرات کا کہنا ہے کہ:

> "قرآن نے کہا کہ جحیم مضمحل کرنے والی چیز اور پھنسا دینے والی چیز ہے۔ یاد رکھیے جنت اور جہنم کے سلسلے میں یہ سارے بیانات تمثیلی ہیں۔ وہ سچ مچ پیالے میں کچھ نہیں ڈالا ہوا ہوتا، لیکن تمثیلات کے درجے میں قرآن کریم اس پینے والی چیز کو کہتا ہے کہ "ختمہ مسک" اسکے اندر کیا چیز ہوگی، اسے تو چھوڑ دیجئے۔ بادۂ رحیق کو جو ہم نے مشک سے سر بمہر(Seal) کیا ہے۔ اس میں کیا چیز ہے؟اس میں وہ شے ہے جس سے جو جتنا آگے جانا چاہے جاتا جائے، چلتا جائے، بڑھتا چلا جائے۔ یہ جنت کی تمثیلی کیفیت ہے۔"[354]

قرآن حدیث اور سلف صالحین کی تفاسیر میں اس تمثیلی کیفیت کی دلیل موجود نہیں مگر 1400 سال بعد جناب پرویز صاحب اپنی عقلی بصیرت کو قرآن کی بات کہہ کر پیش کرتے ہیں ان کے نزدیک ایک اخروی جنت (حسب دعوی) ہے اور ایک دنیوی جنت۔ دوسری جنت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "دوسری جنت وہ ہے جو نظام خداوندی کے اتباع سے اسی دنیا میں متشکل ہو جاتی ہے یعنی وہ جنتی معاشرہ جو قرآن کے خطوط کے مطابق قائم ہوتا ہے۔ اس جنت کی تفاصیل اسی دنیا سے متعلق ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہماری سمجھ میں آسکتی ہیں، بلکہ ہم خود اس جنت کو پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی

---

[354]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/۳۵۶

فضاؤں میں زندگی گزار سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ جنت جس میں قرآن نے مردوں کیساتھ عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے اور کرنا چاہیے بھی۔ اس لیے کہ وہ کون سا معاشرہ ہے جو عورتوں کے بغیر، تنہا مردوں کے ذریعے قائم ہو سکتا ہے۔
"[355]

بعد از مرگ ملنے والی جنت کو اسی دنیا میں کھینچ لانے کی کوشش نمایاں دکھائی دے رہی ہے۔ اخروی جنت کو بظاہر تسلیم کرنے کے باوجود قرآن کی اس اصطلاح جنت کی تمام صفات کو دنیوی "جنتی معاشرے" پر منطبق کرتے چلے جاتے ہیں۔ البتہ جہاں جہاں اس جنت کا اقرار مصلحتاً کرنا پڑے تو اسے ہلکا سا چھو کر گزر جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مثال کی وضاحت یوں ہے کہ قرآن کریم کی صاف اور واضح آیت اس بات پر دالت کر رہی ہے کہ ایک ہی شخص کو بیک وقت کئی نکاح کرنا جس کو تعدد ازدواج کہتے ہیں جائز ہے بلکہ یہ آج سے نہیں روزِ اول سے مروج ہے مگر اسلام نے اس کی تعداد کم کر کے چار کر دی جیسا کہ سورہ النساء میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُم ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾[356]

"عورتوں میں سے کسی سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند آئیں دو دو سے، تین تین سے اور چار چار سے، ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہو گے۔"

جمہور مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی فانکحوا میں تمام رجال عالم کو خطاب ہے اور ماطاب لکم من النساء میں تمام عالم کی عورتیں مراد ہیں اور مقصود کلام یہ ہے کہ اے رجال عالم یہ تمام عورتیں ہم نے تمہارے لیے پیدا کیں تم ان کو بطور نکاح وزوجیت آپس میں تقسیم کر لو مگر شرط اس اباحت اور نکاح کی یہ ہے کہ اس تقسیم میں مثنی اور ثلاث

---

[355]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **طاہرہ کے نام خطوط**، (لاہور، ادارہ طلوع اسلام، طبع ہشتم، ۲۰۰۱ء)، ۴۳

[356]۔ سورہ النساء: ۴/ ۳

اور رباع کی قید کو ملحوظ رکھو کیونکہ مثنٰی وثلاث ورباع، اس آیت کا مضمون تو واضح ہے جس میں کسی تاویل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی کسی نے تاحال کوئی تاویل فرمائی ہے جبکہ یہ حضرات اپنی عقل کے بل بوتے اس کو رَد کر رہے ہے اور یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں کہ سورۃ نساء میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾[357]

"اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو اور ان میں سے ایک کو ڈھیر سارا مہر دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔"

اس آیت کریمہ کی تحت تفصیل و تشریح کرتے ہوئے ایک مقام پر پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو تو پہلی بیوی کا مہر پورا پورا ادا کر دو اور بھی اس کی جگہ دوسری لاؤ۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ ایک بیوی کی جگہ ہی دوسری بیوی آسکتی ہے اس کی موجودگی میں نہیں"۔[358]

اب دیکھئے اس مندرج آیت میں پرویز صاحب اس آیت کو پیش کر رہے ہیں جس کا تعداد ازدواج سے کوئی بھی تعلق نہیں اور انہوں نے جو تحریف پیش کی ہے قرآن کے آیت کے بالکل بر خلاف ہے اور تاحال امت میں کسی نے اس آیت میں یہ روش نہیں اپنائی ہے

یہ کچھ نمونے ہوگئے جو ہم نے بطور مثال یہاں پیش کر دیئے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات قرآن کو خیالی طور پر تو اپنے تفسیر کے اصول میں سے شمار کرتے ہیں مگر عملی طور پر ان حضرات کے ان اصول کے پیچھے کچھ اور اصول کار فرما ہیں جن کو ہم اصل الاصول کہہ سکتے ہیں اور وہ ہم مغرب سے مرغوبیت اور مرعوبیت بلکہ اگر یوں کہا جائے جیسا کہ ہم نے گذشتہ سطور میں محمد دین قاسمی صاحب کے حوالے سے پیش کیا کہ یہ لوگ بیرون کے آلہ

---

[357]۔ سورت النساء: ۴/ ۲۰

[358]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۲/ ۳۱۸

کار بنے ہوئے ہیں لہذا جب ان کے اصول کو کچھ دھچکا پہنچتا ہے تو پھر وہ قرآن کی تفسیر قرآن سے نہیں بلکہ ان اصول کو مد نظر رکھ کر کرتے ہیں۔

قرآن کی تفسیر سنت رسول سے:

قرآن فہمی اوراس کی تفسیر کو سمجھنے کے لئے جہاں قرآن کی ضرورت ہے وہاں سنت رسول کی بھی شدید ضرورت ہے بلکہ حدیث کو سمجھنے میں قرآن کی اتنی ضرورت نہیں ہوگی جتنی ضرورت قرآن کو سمجھنے میں حدیث کی ہوتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں ایسے بہت ساری مصطلحات ہیں جن کی تشریح قرآن میں نہیں وہاں سنت رسول اور حدیث کی ضرورت ہے جیساکہ: صلوۃ، صوم، زکوۃ، حج وغیرہ، اس کے علاوہ قرآن کریم خود بھی اس بات کی دعوت دیتاہے کہ حدیث سے قران فہمی میں مدد لی جائے جیساکہ فرمان باری عزوجل ہے:

﴿وما أَنْزَلْنا عَلَيْكَ الْكِتابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُدىً وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[359]

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب اسی لیے اتاری ہے تاکہ تم ان کے سامنے وہ باتیں کھول کھول کر بیان کردو جن میں انہوں نے مختلف راستے اپنائے ہوئے ہیں اور تاکہ یہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا سامان ہو۔"

حدیث مبارکہ کے ذریعے قرآن کریم کی تشریح اور تفسیر بیان کرنے کے بارے میں ایک اور مقام پر اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿وَأَنْزَلْنا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُو نَ﴾[360]

"اور (اے پیغمبر) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کردو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں اور تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں۔"

---

[359]۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۶۴

[360]۔ سورہ النّحل: ۱۶/ ۴۴

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جابجا یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا کہ میری سنت کو تھامے رکھو یعنی اس کو دین اور شریعت کا ماخذ سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جاو، چنانچہ حدیث کی اہمیت کو کبھی نرم الفاظ میں کبھی سخت الفاظ میں بیان فرمایا، بطور نمونہ ایک حدیث پیش خدمت ہیں:

(("عن المقدام بن مَعْدي كَرِبَ، عن رسولِ الله ﷺ أنه قال: "ألا إني أوتيتُ الكتابَ ومثلَه معه، ألا يوشِكُ رَجُلٌ شَبعانُ على أريكته يقول: عليكم بهذا القرآن،فماوَجَدتُم فيه من حلالٍ فأَحِلُّوه وما وجدتُم فيه من حَرَامٍ فحَرِّمُوه،ألالايَحِلُّ لَكُم لحمُ الحِمَارِالأهليِّ،ولا كُل ذي نابٍ من السَّبُع-"))[361]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار مجھے قرآن اور اس جیسی ایک اور چیز دی گئی ہے ہوشیار رہو کہ عنقریب ایک پیٹ بھرا ہوا آدمی اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے کہے گا کہ ہمارے لئے قرآن کافی ہے جو اس میں حلال پاؤ وہ حلال اور جو حرام پاؤ وہ حرام ، خبردار میں تمھارے لئے پالتو گدھوں کے گوشت کو حلال نہیں سمجھتا اور داڑ والے درندوں کو بھی حلال نہیں سمجھتا۔"

عقلیت پسند رجحان رکھنے والے حضرات نے تو قرآن کے بارے میں یہ ضرور کہا کہ قرآن قرآن کی تفسیر اور تشریح کا حق رکھتا ہے اگرچہ وہاں بھی کئی تاویلیں اور کئی تحریفات کی ہیں مگر حدیث کا صاف انکار کرتے ہیں اور ان کے من پسند اصول بنانے کہ وجہ یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم سنت رسول اور حدیث نبوی ﷺ کو رد کر کے اس سے استدلال کو ختم کر دیں اس کے لئے انہوں نے اپنے طور پر طرح طرح کے قاعدے وضع کئے تا کہ کسی نہ کسی طرح ہم حدیث کی حیثیت کو مجروح کر سکیں چنانچہ پرویز صاحب نے ان عقلیت پسندوں کی ترجمانی اپنے الفاظ میں یوں کی ہے:

361۔ ابو داود، سلیمان بن اشعث،السنن،كتاب السنة،باب في لزوم السُّنَّة، حدیث نمبر:۴۶۰۴،ج:۱۳،۷

تفسیر قران میں احادیث سے مدد لی جاسکتی ہے لیکن احادیث غیر یقینی کی وجہ
سے تفسیر قران کی تشریح کے ضمن میں کارامد نہیں ہو سکتی۔[362]

یہ بات ایک طرف اصول تفسیر اور دوسری طرف اصول حدیث سے ناواقفیت کی دلیل ہے کیونکہ اصول تفسیر میں جو احادیث ضعیف ہوں ان کا درجہ متعین ہے ان کو اس درجے پر نہیں رکھا جاتا جس درجے پر ان تفسیری اقوال کو رکھا جاتا ہے جو اس سے قوی ہوں جہاں تک بات ہے علوم حدیث اور روایت و درایت حدیث سے ناواقفیت کی تو حدیث کو پرکھنے کے لئے صرف اسناد کا ضعف اور قوت ہی نہیں کئی اور کسوٹیاں بھی ہے مثلاہم دیکھتے ہیں کہ ایک حدیث بالاتفاق تمام محدثین کے یہاں ضعیف ہے مگر اُمت میں تلقی بالقبول حاصل ہونے کی وجہ سے پوری امت اس پر عمل پھیرا ہوتی ہے۔بیان کا مقصد یہ ہے کہ نقد حدیث کے لئے کئی ایک کسوٹیاں ہیں ان کسوٹیوں اور اصول کو بیان کرنا یہاں طوالت کا سبب بنے گا لہذا انہیں بیان نہیں کیا جائے گا۔

جہاں شریعت کا کوئی حکم حدیث سے مستنبط ہو یا قرآن کی تفسیر جمہور علماء تفسیر نے حدیث سے فرمائی ہو وہاں یہ لوگ اس حکم اور تفسیر کو قرآن کے مخالف کہہ کر ماننے سے انکار کرتے ہیں بطور اختصار حد زنا کے بارے میں کچھ معروجات پیش خدمت ہیں وہ یہ کہ اسلام نے شادی شدہ مرد و عورت کے لئے زنا کی سزا رجم یعنی سنگسار قرار دی ہے، اس حوالے سے تو روایات کی بہتات کے ساتھ اجماع امت بھی ہے مگر بطور مشتے نمونہ از خروارے دو احادیث ائمہ حدیث سے پیش خدمت ہیں:

((عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، قَدْ جَعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ، وَالرَّجْمُ))[363]

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے احکام لو مجھے احکام لو، اللہ تعالی نے زانی کے لئے راستہ نکالدیا، اگر وہ دونوں غیر شادی شدہ غیر محصن ہو توان

[362]۔چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، (دہلی، ادارہ طلوع اسلام)، ۱/ ۳۸

[363]۔القشیری، مسلم بن الحجاج، **الجامع الصحیح، كِتَابُ الْحُدُودِ، باب حد الزنا**، حدیث نمبر: ۱۶۹۰، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۳/، ۱۳۱۶

کو سو کوڑے لگاواور ایک سال کے لئے ملک بدر کرواور اگر شادی شدہ ہو یعنی
محصن ہو توان کو پتھر مار کر قتل کر دو"

اس حوالے سے ایک اور روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو شیخین نے روایت کیا ہے:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَتَى رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي المَسْجِدِ، فَنَادَاهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى رَدَّدَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلَى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ، دَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «أَبِكَ جُنُونٌ» قَالَ: لاَ، قَالَ: «فَهَلْ أَحْصَنْتَ» قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «اذْهَبُوا بِهِ فَارْجُمُوهُ))[364]

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے مجلس میں ایک شخص آیا آپ ﷺ مسجد میں بیٹے ہوئے تھے اور کہنے لگے کہ میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے منہ دوسرے طرف پھیر لیا پھر دوسرے طرف آکر کہا میں نے زنا کیا ہے آپ ﷺ نے منہ دوسرے طرف پھیر لیا اس طرح چار بار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا آپ پاگل تو نہیں ہو اس نے کہا کہ نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو شادی سدہ ہو اس نے کہا کہ جی ہاں آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اسے لے جاو اور کوڑے سنگسار کرو"

یہ اور ان جیسی دیگر روایات کا خلاصہ یہ کہ شادی شدہ مرد اور عورت کو سنگسار کیا جائے، جبکہ ان روایات کے برخلاف عقل کی نظر سے دیکھنے والے محمد علی لاہوری کے یہاں محصن مرد و عورت کی لئے رجم کی سزا ان کے نزدیک

[364]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح** ،کتاب الحدود، باب لایرجم المجنون، حدیث نمبر: 6815،ج: بیروت، دار الطوق النجاۃ، ج:۸،۱۶۸

خلاف قرآن ہے۔اس ضمن میں انہوں نے نبی ﷺ کی احادیث، عہد نبوی کے واقعات، تعامل صحابہ اور اجماعِ امت کے دلائل کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔[365]

اسی طرح حد سرقہ کے بارے میں تاویلات کی ہیں اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔[366] ان احکام کی علت یہ قرار دے رہے ہیں کہ یہ احکام قرآن میں نہیں ہے کیا حدیث مبارکہ شریعت کے ماخذ میں سے نہیں ہے؟ کیا ان کو آپ لوگ اصول دین نہیں سمجھتے ہیں۔

جس طرح اوپر شریعت کے احکام کو مولوی محمد علی صاحب نے یہ کہہ کر منسوخ کر دیا کہ یہ قرآن میں موجود نہیں ہے یہی روش انہوں نے ارتداد کے بارے میں بھی اپنائی ہے شریعت میں جو حکم قتل کا ہے اس کے بارے میں کچھ اس طرح رقمطراز ہیں:

"قرآن میں کسی بھی جگہ قتل مرتد کا حکم نہیں بلکہ برصغیر میں اسلام سے عیسا ئیت کی طرف ارتداد کا سلسلہ حضرت مرزا صاحب کی وجہ سے ختم ہوا"[367]

اب عقلیت پسند رجانات کے مختلف تعبیرات اور اصول کا مطلب یہ ہے کہ یہ جمہور کے روایتی مسلمہ اصول میں حدیث کی حیثیت کو رد اور اسے مجروح کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے خواہ ان عقل پرست حضرات نے اپنے انداز میں جو بھی تشریح فرمائی ہو مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ ان عقلیت رجحان رکھنے والے حضرات کے یہاں کے نزدیک تفسیر قرآن میں حدیث مبارکہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

قرآن کی تفسیر باقوال الصحابہ والتابعین:

جہاں ان حضرات کے یہاں احادیث نبویؐ کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہاں اقوال صحابہ اور تابعین اور دیگر علماء کرام کے اقوال کی کیا حیثیت ہوگی یہ عقل کے پرستار اور جدت پسندی کے قائل متقدمین مفسرین سے نالاں نظر آتے ہیں۔

---

[365]۔لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۲/ ۹۵۵

[366]۔ **ایضاً** / ۲۴۴

[367]۔۔لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۱/ ۱۲۵

پرویز صاحب قرآن میں وہ شان نزول جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے منسوب ہے وہ تو نہیں مانتے جبکہ یہود و نصاریٰ کی کتب خاص کر انجیل اور تورات میں اپنی من پسند نظریات کے مطابق ہو وہ روایات نکال لیتے ہیں مثلا نظام یوسفی کی مثال لی جائے اس اقتباس کو علامہ صاحب نے سورت یوسف کی تفسیر میں نقل کیا ہے جس طرح بطور نمونہ دیکھا جا سکتا ہے۔[368]

چنانچہ اس حوالے سے ایک مخصوص مقام پر رقمطراز ہے:

"قرآن کسی شان نزول کے موقع نزول یا واقعہ نزول کا پابند نہیں ہے اور اس کی ہدایات، مخصوص زمان و مکان سے وابستہ نہیں ہیں بلکہ بالاتر ہیں۔ اسباب نزول سے مکمل طور پر صرف نظر کرنے کی بناء پر مصنف کو خود ساختہ شان نزول اختیار کرنے پڑے ہیں۔"[369]

جناب غامدی صاحب اقوال صحابہ اور تابعین کو تو حجت نہیں مانتے جبکہ دیگر علماء کرام فقہاء عظام اور صوفیاء کی شان میں کبھی کبھار حدود سے اتنا تجاوز کر جاتے ہیں کہ اخلاقیات کا بھی خیال نہیں رکھتے صوفیائے کرام اور فقہائے عظام پر طنز کرتے ہوئے غامدی صاحب لکھتے ہیں:

"اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اللہ کی ہدایت یعنی اسلام کے مقابلے میں تصوف وہ عالمگیر ضلالت ہے جس نے دنیا کے ذہین ترین لوگوں کو متاثر کیا ہے۔[370]"

فقہاء کرام کے بارے میں ایک مقام پر رقمطراز ہے:

"فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ لڑکیوں کے حصے بہر صورت پورے ترکے میں سے دیے جائیں گے ان حضرات کی یہی غلطی ہے جس کی وجہ سے

---

[368]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۷/ ۵۱

[369]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **طلوع اسلام**، دسمبر، ۱۹۵۹، ۳۱

[370]۔ غامدی، جاوید احمد، **برہان**، ۱۵۶

انہیں عول کا وہ عجیب و غریب قاعدہ ایجاد کرنا پڑا ہے جس کو ماہرین فقہ و قانون کی بوالعجبیوں میں قیامت تک بلند ترین مقام حاصل رہے گا۔ کسی شخص نے کبھی علمی دنیا کے اعجوبوں کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی تو ہمیں یقین ہے کہ ہمارے علم میراث کی یہ یادگار اس میں سرفہرست ہوگی حیرت ہوتی ہے کہ اسلوب بیان کی نزاکتوں کو سمجھنے اور آیات پر غور و تدبر کرنے کے بجائے ان حضرات نے یہ چیستان اللہ تعالیٰ سے منسوب کر دیا ہے اور اس کی دریافت کا سہرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر باندھا ہے۔"[371]

یہ رویہ ان کا علماء اُمت کے ساتھ رہا ہے تو ان کے اقوال کو کیا حیثیت دینگے ؟ ان حضرات نے قرآن کی تفسیر جس انداز سے کی ہے اس کی مختصر رُوداد یوں ہے:

1۔ قرآن کی تفسیر کا مدار عقل پر رکھا ہے۔

2۔ سائنسی علوم کو ہر چیز سے مقدم رکھا ہے۔

3۔ اس کے تفسیری اصول جدت کی آمزش سے بھرپور اور امت مسلمہ سے الگ تھلگ اور منفرد ہیں۔

4۔ اس کی تفسیر میں معتزلہ کے عقائد اور عقلیت پسندی کا بھی کچھ رجحان پایا جاتا ہے۔

5۔ وہ اپنی تفسیر میں روسی اشتراکیت کے بالکل حامی نظر آتے ہیں، کارل مارکس کی اشتراکیت پر مبنی اپنے عقلی فلسفہ اور فکر کے پروان کے لئے پرویز صاحب نے قرآنی نظام ربوبیت کا باقاعدہ ایک خاص فلسفہ ایجاد کیا۔

وہ جا بجا امت کے مسلمہ مفسرین پر گرفت کرتے ہیں، ان گرفت کے نے کی طریقے مختلف ہیں:

1۔ ان مفسرین نے اصول قائم نہیں کئیں۔

2۔ ان کا زیادہ تر مدار روایات پر ہے جو کہ خود محدثین کے یہاں بھی موضوع ہیں۔

---

[371]۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، ۵۰

3۔یہ نسخ کے قائل ہیں اور محکم کو بھی منسوخ قرار دیتے ہیں۔

4۔یہ لوگ اپنے دماغوں سے کام نہیں لیتے گزشتہ لوگوں کے اقوال نقل در نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔

5۔ان کو قرآنی حقائق کی جستجو کم اور غیر متعلق باتوں کی کی جستجو زیادہ ہوتی ہے۔[372]

خلاصہ کلام یہ کہ ان حضرات نے قرآن کی تفسیر جمہور اُمت کے مسلمہ روایتی اصول اور منہج سے ہٹ کر خودساختہ اصول بنائے اوران اصول پر اپنی تفاسیر کا مدار رکھا ان میں سب سے پہلا نمبر عقل اوراصول فطرت کا ہے بالفاظ دیگر یہ لوگ عقل کی تعبیر کبھی فطرت سے کرتے ہیں کبھی عقل سے کرتے ہیں اس کے مقابلے میں جو بھی آجائے خواہ قرآن ہو یا حدیث اور اقوال صحابہ وتابعین وغیرہ ان کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

[372]۔چوہدری، غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۶/ ۳۵، ۳۴، ۳۳

فصل دوم: عقلی رجحان کے حامل تفسیری موقف واصول کا تنقیدی جائزہ

اس فصل میں عقلی رجحان کے حامل افراداوران کی تفاسیر اصول کا تنقیدی جائزہ لیاجائیگامگر سب سے پہلے ہمارے موضوع کے مطابق ان افراد کے تفسیری اصول ذکر کئے جائینگے پھران اصول کا تنقیدی جائزہ لیاجائیگا،مذکورہ تفاسیر میں دوتفاسیر یعنی جناب غلام احمد پرویزاور جاوید احمد غامدی کے اصول اور مبادی لکھے ہوئے موجود ہیں باقی دویعنی جناب تمناعمادی پھلواری اور مولوی محمد علی لاہوری قادیانی کے لکھے ہوئے مسودے کی شکل میں کوئی اصول ومبادی موجود نہیں البتہ ان کی تفسیری عبارات اوراقوال کے ضمن میں وہ اصول ضرور موجود ہیں جن سے معلوم ہو تاہے کہ ان کے تفسیری اصول ومبادی بھی تقریباوہی ہیں جو غلام احمد پرویزاور جاوید احمد غامدی صاحب کے ہیں ،یہاں سب سے پہلے غلام احمد پرویز صاحب اور پھرجناب جاوید احمد غامدی صاحب کے اصول تفسیر ذکر کئے جائینگے جہاں تک بات ہے تمناعمادی صاحب اور مولوی محمد علی لاہوری قادیانی کے اصول کی چونکہ وہ اصول بھی تقریباوہی ہیں جو غلام احمد پرویز صاحب اور پھرجناب جاوید احمد غامدی صاحب کے ہیں اسی لئے ان دو کے اصول تفسیر پھرسے علیحدہ ذکر نہیں کئیں جائینگے تاکہ بحث مفصل اور مطول نہ ہو جائے۔

جناب غلام احمد پرویز صاحب نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں تفسیر کے جو اصول ومبادی لکھے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱): قرآن کریم کی تفصیل خود قرآن ہی میں ہے اور وہ مفصل کتاب ہے۔[373]

یہ اصول غلام احمد پرویز صاحب کی طرح دیگر عقلیت پسند حضرات کا بھی ہے اورنہ صرف عقلیت پسندرجحان کے حامل افراد کاہے بلکہ تمام اُمت کامتفقہ اصول تفسیریہی ہے اور ہونابھی یہی چاہیئے اوریہی قرآن کریم کاحق ہے البتہ اس اصول میں جمہور مفسرین اور عقلیت پسند رجحان رکھنے والے افراد کے درمیان کچھ فرق ضرور ہے وہ یہ کہ عقلی رجحان کے حامل افراد عقل کوقرآن کی تفسیر میں تفسیرالقرآن بالقرآن پرترجیح دیتے ہیں جبکہ جمہور مفسرین تفسیر القرآن بالقرآن کوسب سے مقدم رکھتے ہیں جس کی تفصیل آنے والی فصل میں مختلف امثلہ کے ساتھ بیان کی جائیگی۔

373۔ چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، ۱/۳۷

(۲): آیات کی تشریح میں روایات سے مدد لی جاسکتی ہے لیکن چونکہ روایات غیر یقینی اور ظنی ہیں اس لیے ان پر تفسیر کا مدار نہیں رکھا جاسکتا ہے۔[374]

اس اصول کا پہلا سرا اورابتداء بھی تمام اُمت کے یہاں متفقہ ہیں البتہ "لیکن" کے بعد والے حصے سے جمہور اُمت کا اتفاق نہیں ہے وہ روایات کے مختلف مراحل بناتے ہیں:

1. پہلا مرحلہ بالکل موضوع روایات کا ہے جن کو جمہور علماء تفسیر بھی عقلی رجحان والوں کی طرح قبول نہیں فرماتے کیونکہ یہ روایات غیر یقینی ہیں۔
2. دوسری قسم ضعیف روایات ہیں جن کو جمہور مفسرین بھی عقلی رجحان کی طرح قبول نہیں کرتے البتہ ان روایات کو اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ وہ روایات مندرج ذیل تین امور پر مشتمل ہوں:

   ا۔ ضعف شدید نہ ہو۔

   ب۔ روایت فضائل میں ہو۔

   ج۔ اصول اور مبادی شریعت کے خلاف نہ ہو۔
3. تیسری قسم اخبار احاد کی ہے جو جمہور مفسرین کے یہاں احکام میں معتبر ہیں اور عقائد کی بحث میں وہ بھی معتبر نہیں ہیں۔
4. چوتھی قسم اخبار مشہورہ اور متواترہ کی ہیں جو ہر طرح اور ہر چیز میں مقبول ہیں۔

مختصر یہ کہ جمہور مفسرین کے یہاں روایات کی چار قسمیں یا چار مراتب ہیں جن میں پہلی قسم کی روایات مطلقا مردود ہیں اور دوسری ، تیسری قسم کی روایات کے لئے کچھ شرائط ہیں جبکہ آخری قسم کی روایات مطلقا مقبول ہیں۔

ان مراتب کا فرق کرنا ضروری ہے ان مراتب کا فرق عقلیت پسند رجحان کے حامل افراد کے یہاں ملحوظ نہیں ہے جس سے ان کے یہاں خلط مبحث ہوا ہے۔

---

[374]۔ چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، ۱/ ۳۷

(۳): اختلاف قراءۃ سے مکمل گریز شاذ قراء تیں، قرآن میں اضافے ہیں، جو کسی طرح بھی تسلیم کے قابل نہیں ہیں۔[375]

اس اصول کی تفصیل یہ ہے کہ عقلی رجحان کے یہاں یہ اصول بالکل اس طرح لاگو ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی قرآءت کو ماننے سے انکار کرتے ہیں جبکہ جمہور مفسرین کے یہاں قراءات کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم شاذ روایات جن کو جمہور مفسرین بھی عقلیت پسند حضرات کی طرح ماننے سے انکار کرتے ہیں جبکہ دوسری قسم کی قراءات جو کہ متواترہ ہیں وہ مقبول ہیں اس اصول کے متعلق جناب غلام احمد پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"تفسیر بالروایت کی ایک شاخ اختلاف روایت قراءت بھی ہے یعنی بعض مفسرین نے بعض آیات کے الفاظ شاذ قراءتوں سے اضافے کر لیے ہیں۔"[376]

درحقیقت ہمارے خطہ برصغیر میں پڑھے جانے والے قرآن مجید کا ثبوت جس طرح یقینی ہے بعینہ اس طرح دیگر قراءات متواترہ کا ثبوت بھی یقینی اور قطعی ہے۔ قرآن مجید کی تصدیق ایک ایسی خبر پر اتفاق ہے جسے امت کے تمام علمانے برحق ماناہے امت نے یہ قرآن مجید قراء کرام سے سیکھاہے اور آج بھی انہی سے سیکھتی ہے اور مستند قاری کے پاس وہ سند موجود ہے جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید بین الدفتین موجود ہے غلام احمد پرویز صاحب کے قراءت کا انکار اور نہ ماننا بھی امت مسلمہ کے متفقہ تواتر اور بدیہات سے سراسر انحراف اور تفرد ہے۔

(٤): حدود الفاظ قرآن سے تجاوز نہ کیا جائے۔ ایسا کرنا بڑی غلطیوں کا موجب بن سکتا ہے۔

375۔ چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، 1/39

376۔ ایضا 1/39

حقیقت یہ ہے کہ اس اصول پر عقلیت پسند رجحانات رکھنے والے حضرات عمل پیرا نہیں ہیں اور جگہ جگہ ان حضرات نے اس اصول سے انحراف کیا ہے بقول قاسمی صاحب فاضل مصنف (غلام احمد پرویز) نے اکثر و بیشتر مقامات پر اسے نظر انداز کرتے ہوئے قرآنی الفاظ کی حدود سے تجاوز کیا ہے۔[377]

(۵): دور نزول قرآن کے معنی ہی کا اعتبار کرنا ہے لغات مسلمہ ہیں مگر وہ حتمی دلیل نہیں ہے۔[378]

اس اصول کے دو پہلو ہیں پہلا یہ کہ ایک الفاظ اور لغات کا اعتبار دوسرا ہے دور نزول قرآن کے وقت ان کی معانی کا اعتبار کرنا۔

جمہور مفسرین کے یہاں جہاں معانی معتبر ہیں وہاں اس کے الفاظ کا معتبر ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ الفاظ کی وضع ہی اسی لئے ہوئی ہے کہ وہ اس معنی پر دلالت کرے اگر وہ اس معنی پر دلالت ہی نہیں کر رہے ہیں تو پھر نعوذ باللہ اللہ تعالی پر یہ الزام لگے گا کہ انہوں نے اپنے مدلول کے اعتبار سے ناقص الفاظ نازل کئے ہیں جو کہ بذات خود غلط بات ہے لہذا ماننا پڑیگا کہ جہاں معانی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے وہاں الفاظ اور لغات کا اعتبار کرنا بھی ضروری ہے جمہور مفسرین کے برخلاف عقلی رجحان والے افراد کے یہاں اصول تو وہ ہے جو انہوں نے لکھا مگر عملا یہ لوگ خود اپنے اصول کے برخلاف کرتے نظر آتے ہیں جن سے جمہور مفسرین کی تائید ہوتی ہے بقول قاسمی صاحب پرویز صاحب نے خود قرآنی مفردات میں ایسے نوخیز معانی اور تصورات داخل کر دیئے جن کا دور نزول قرآن کے معانی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

(٦): تفسیر کے اصول میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نسخ آیات سے مکمل اجتناب کیا جائے اور قرآن کی آیات میں سے ایک بھی منسوخ نہیں ہے جن لوگوں نے روایات سے آیات کو منسوخ قرار دیا ہے انہوں نے قرآن پر بڑا ظلم کیا ہے۔

جن آیات کو جمہور علماء ناسخ و منسوخ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں انہی کو پرویز صاحب خود عبوری دور کے احکام کے نام سے بیان کرتے ہیں ان کے درمیان ایسی جوہری مخالفت نہیں ہے۔ یہ محض ایک لفظی نزاع تھا جس

---

[377] ۔ چوہدری، غلام، محمد پرویز، **معارف القرآن**، 39/1

[378] ۔ ایضا، 37/1

کو عمر بھر موضوع بحث بنائے رکھا گیا۔ پرویز صاحب نے علماء کے حوالے سے ناسخ و منسوخ کہ باب میں ایک ایسی وضاحت پیش کی جو جمہور امت اسے قبول کرنے کے حق میں نہیں تھی اسی مذموم تشریح کی وساطت سے یہ لکھا کہ:

"قرآن پاک کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جو منسوخ ہو۔"[379]

منسوخ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

منسوخ اسے کہتے ہیں جو ہمیشہ کیلئے ساقط ہو جائے اور کتاب اللہ میں اسی طرح
کوئی امر یا عمل نہیں ہے جو نا قابل واجب العمل ہو۔[380]

پرویز صاحب کا قول ہے کہ علماء و مفسرین میں سے جو لوگ نسخ کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی کوئی حکم، اس معنی میں منسوخ نہیں ہے کہ "وہ ہمیشہ کیلئے ساقط ہو جائے اور کبھی نافذ نہ ہو سکے۔

غلام احمد پرویز صاحب کے انداز و اسلوب تفسیر میں سے گذشتہ اصولوں کے علاوہ کچھ اور اصول بھی ہیں جو ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں ان کی بھی نشاندہی کی جاتی ہے:

۱۔ غلام احمد پرویز کے نزدیک حروف مقطعات انگریزی زبان کے مخففات (Abbreviations) کی طرح ہیں۔ نیز ان کا تعلق با معنی الفاظ سے ہے۔ جسے الم میں الف، اللہ کیلئے، لام، علیم کیلئے اور میم حکیم کیلئے ہے۔ اس اعتبار سے الم کا مفہوم ہو گا اللہ علیم و حکیم کا ارشاد ہے۔ جبکہ علماء کے نزدیک دراصل حروف مقطعات کا تعلق با معنی الفاظ کی بجائے اسلوب بیان کیساتھ ہے اور اسلوب بیان تغیر ادوار کیساتھ خود تغیر پذیر ہے۔ دور نزول قرآن میں یہ اسلوب رائج متداول تھا، بعد میں متروک ہو گیا۔[381]

۲۔ جناب غلام احمد پرویز کی تفسیری اصول میں تفسیر قرآن میں اسباب نزول کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تفسیر مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

---

[379]۔ چوہدری، غلام احمد پرویز، **لغات القرآن**، (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ)، 1613

[380]۔ چوہدری، غلام احمد پرویز، **لغات القرآن**، ۱۶۱۳

[381]۔ قاسمی، محمد دین، **تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ**، ۱/ ۱۹۰

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب اللہ اپنی مقاصد کو ظاہر کرنے کے لیے
کسی شان نزول وغیرہ کی ضرورت نہیں رکھتا۔[382]

پرویز صاحب قرآن میں وہ شان نزول جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے منسوب ہے اس کو تو نہیں مانتے جبکہ یہود و نصاری کی کتب بائبل میں اپنی من پسند نظریات کے مطابق روایات نکال لیتے ہیں مثلا نظام یوسفی کی مثال لی جائے اس اقتباس کو علامہ صاحب نے سورت یوسف کی تفسیر میں نقل کیا ہے جس طرح بطور نمونہ دیکھا جاسکتا ہے [383]۔

۳۔ غلام احمد پرویز صاحب مغربی فلاسفہ اور سائنسدانوں سے اتنامتاثر ہے کہ بعد کے ادوار میں جو غلط اور عقل کے بر خلاف نظریات پیدا ہوئے ہیں ان کو بھی عقلی انداز میں ثابت کرنے کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں، چنانچہ نظریہ ارتقاء یعنی یہ نظریہ کہ تمام مخلوق رفتہ رفتہ ترقی کر رہی ہے چناں چہ انسان بھی ادنی حالت سے ترقی کر کے انسانیت تک پہنچا ہے۔ نظریہ ارتقاء کے مسئلہ میں آپ سر سید احمد خان کے ہمنوا ہی نہیں بلکہ اپ نے اپنی افکار کو کتاب اللہ سے اخذ کی ہے اور بشر انسانی کی زندگی کی ارتقائی مراحل کی نشاندہی کی ہے۔[384]

یہ کچھ بنیادی اصول اور قواعد وضوابط ہیں جن کو منہج بنا کر تفسیر کرتے رہے ہیں گویا کہ یہی آپ کے پورے تفسیری نوٹ کا خلاصہ اور لُب لُباب ہے جن ناقدین نے آپ پر جرح یا تعدیل کی ہے انہوں نے انہی اصول کو بنیاد بنایا ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے بڑے تفسیری اصول مندرج ذیل چار ہیں:

غامدی صاحب کے چار بڑے اُصول ہیں:

۱)...عربی معلیٰ:

---

[382]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان** ۱/۳۱۶

[383]۔ چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۷/۵۱

[384]۔۔ عثمانی، مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، ۴/۴۲۹

عربی معلی سے مراددور عرب کے عربی زبان کے اوضاع اور لغات سے واقفیت ہے یہ اصول بھی اہل عقل کی طرح باقی تمام اہل تفسیر کے یہاں متفق علیہ ہے البتہ فرق یہ ہے کہ جمہور مفسرین کے تفسیری اصول میں صرف عربی زبان کا جاننا ہی نہیں ہے بلکہ علم تفسیر کے لئے اس کے علاوہ دیگر پندرہ علوم پر دسترس رکھنا بھی ضروری ہے وہ پندرہ علوم حسب ذیل ہیں:

1۔علم لغت عربیہ۔2۔علم صرف ۔3۔علم نحو۔4۔علم صرف۔5۔علم اشتقاق۔6۔علم معانی ۔7۔علم بیان ۔8۔علم بدیع۔9۔علم القرآءت۔10۔اصول دین ۔11۔اصول فقہ۔12۔ناسخ ومنسوخ۔13۔علم السیر والتاریخ۔14۔علم الحدیث۔15۔علم لدنیہ۔[385]

مگر ان عقلیت پسند رجحانات کا بیان یہ ہے کہ عربی معلی پر اگر دسترس ہو تو یہ بندہ تفسیر کر سکتا ہے جیسا کہ غامدی صاحب کا بیان ہے:

پہلے یہ کہ کتاب اللہ عربی زبان میں اتاری گئی ہے اور یہ زبان عرب کے تمام قبائل جانتے تھے اور یہ زبان بولی جاتی تھی۔[386]

اب اگر صرف عربیت پر بنیاد رکھا جائے اور دیگر علوم سے صرفِ نظر کیا جائے تو ایک طرف تفسیر کرنا مشکل اور تفسیر بالرائے کی زمرے میں آتا ہے دوسری طرف جمہور کے مسلمہ اصول سے انحراف نظر آتا ہے۔

۲)...سنت:

تفسیر کے دیگر اصول کی طرح ایک اصول سنت ہے مگر یاد رہے کہ سنت سے ان کے یہاں سنت ابراہیمی ہے جہاں تک بات ہے سنت رسول اکرمؐ کی جو حدیث کے معنی میں ہے تو اس کو یہ لوگ نہ تفسیر کے اصول میں سے شمار کرتے ہیں اور نہ ہی اس کو کوئی تشریعی مقام دیتے ہیں اس حوالے سے تو غامدی صاحب دوٹوک الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:

---

[385]۔السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، **الاتقان فی علوم القرآن**، ۲/ ۱۸۰

[386]۔غامدی، جاوید احمد، **میزان**، ۱۵

غامدی صاحب کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ روایات سے کسی عمل یا حکم کی رد و بدل یا کمی و بیشی نہیں کی جا سکتی۔[387]

غامدی صاحب سنت کی تشریعی حیثیت تو نہیں مانتے البتہ اسے اپنانے کو اچھا سمجھتے ہیں اچھا سمجھنے کا مطلب ہے کہ دین اسلام میں اس کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے مگر اگر کوئی اس پر عمل کرے تو اچھی بات ہے مگر دین کا جزء اسے نہ سمجھے اس اصول پر نقد اُوپر جناب پرویز صاحب کے اصول تفسیر میں ہو چکا ہے۔

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ سنت کا تعلق سنت ابراہیمی سے ہے یعنی اس کا اختصاص نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں البتہ آپ ﷺ نے اس کی تجدید فرمائی جیسا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"سنت دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اُس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اُس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے قرآن میں آپ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔"[388]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:

" سنت صرف دینِ ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے اگر کہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود و نصاریٰ کے فکر و عمل سے ہو گا تو قرآن کے بجائے یہود و نصاریٰ کے متواتر عمل کو ترجیح ہو گی۔"[389]

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے یہاں حدیث اور سنت میں فرق ہے اور سنت قرآن سے مقدم ہے بلکہ قرآن سے تو یہود و نصاری کے فکر و عمل بھی مقدم ہے جبکہ حدیث تو حجت ہی نہیں مانتے بایں معنی کہ اس سے دین میں کوئی کمی بیشی کا امکان ہی نہیں ہے۔

---

[387] ۔ ایضا

[388] ۔ غامدی، جاوید احمد، مقامات، ۲۰۱۰، ۳۴

[389] ۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، ۲۰۱۴، ۱۴

۳)۔۔۔فطرت:

حلت اور حرمت کی بحث میں غامدی صاحب کے اصول تفسیر میں سے ایک اصول یہ ہے کہ شریعت کے نزدیک حلت اور حرمت کی اصل کتاب اللہ اور دیگر کتب سماوی نہیں ہے بلکہ اس کو انسانی فطرت پر چھوڑا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ اچھی اور بری چیزوں کی تمیز انسان کی فطرت پر چھوڑی گئی ہے اور وہ بغیر شک شبہ کے یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ کون سی چیز انسان کے لیے اچھی ہے اور کون سی بری۔"[390]

سورہ البقرہ میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی قدر ہے:

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [391]

"اس نے تو تمہارے لیے صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھہرایا ہے۔ اس پر بھی جو مجبوب ہو جائے۔ اس طرح کہ نہ چاہنے والا ہو، نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالی یقیناً بخشنے والا ہے وہ سراسر رحمت ہے۔"

اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے حلت و حرمت کے بارے میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان کیا ہے کہ:

"کھانے پینے کی چیزوں میں قرآن نے اصلا یہ چار ہی چیزیں حرام قرار دی ہیں، ان کے علاوہ جو چیزیں کھانے کیلئے موزوں نہیں سمجھی جاتیں وہ ممنوعاتِ فطرت ہیں، انسان ہمیشہ سے جانتا ہے کہ شیر، چیتے، ہاتھی، چیل، کوے اور گدھے دستر خوان کی لذت کیلئے نہیں بلکہ سواری کیلئے پیدا کیے گئے ہیں ان جانوروں کے بول و براز کی نجاست سے بھی وہ پوری طرح واقف ہے نشہ

---

[390]۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، ۶۲۹

[391]۔ سورۃ البقرہ: ۲/۱۷۳

آور چیزوں کی غلاظت کو سمجھنے میں بھی اس کی عقل عام طور پر صحیح فیصلہ کرتی ہے۔ چنانچہ خدا کی شریعت نے اس معاملے میں انسان کو اصلاً اس کی فطرت ہی کی رہنمائی پر چھوڑ دیا ہے"[392]

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں سے منع فرمایا اُن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ چنانچہ دین اسلام نے اچھی اور بری چیزوں کی تمیز انسان کی اختیار پر چھوڑا ہے۔ کہ حضرت محمد سے جن جانوروں اور پرندوں کے کھانے کی ممانعت احادیث وارد ہوئیں ہیں وہ یہی فطرت انسانی ہے۔ اور کتاب اللہ میں شراب کی حرمت بھی اسی قبیل سے ہے۔[393]

اِس اصول کے نتیجے میں شریعت کی تمام حرام کردہ حلال قرار پائیں گی اور ہر انسان کو آزادی ہو گی کہ جسے چاہے حلال سمجھ کر کھالے اور جسے چاہے حرام سمجھ کر چھوڑ دے۔

4)...اتمام حجت:

جناب جاوید احمد صاحب کے اصول تفسیر میں جو اصول ہیں ان میں کچھ احکام کی دلیل نہیں مل رہی تھی اور وہ اصول کچھ احکام پر منطبق نہیں ہو رہے تھیں لہذا انہوں نے اتمام حجت کا ایک اور قانون تشکیل دیا گیا چنانچہ لکھتے ہیں:

اس اقتباس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کی تکفیر کا حق صرف انبیاء علیہ السلام اور ان کے تربیت یافتہ صحابہ کرام ہی کر سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس اتمام حجت تھی اب چونکہ کسی کے پاس دین کی مکمل تشریح فرد واحد یا اجتماعی طور پر کسی

---

[392]۔ غامدی، جاوید احمد، **تفسیر البیان**، ۱/۳۷

[393]. ایضا ۶۳۰

کی بس کی بات نہیں رہی تو اس وجہ سے اب کسی کو تکفیر کا حق نہیں رہا اور ہمیشہ کے لیے یہ دروازہ بند ہوا۔"[394]

اس اصول کا تقاضا ہے کہ نبی کے بعد کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ کسی کی تکفیر کرے حتی کہ ریاست بھی کسی کی تکفیر نہیں کر سکتی یہ اصول بالکل دین اسلام کے بدیہی اصول کے خلاف ہے کیونکہ اس اصول اور قانون کا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی تو کسی سے جہاد بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہاد کافروں سے ہوتا ہے اور جب کسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے تو کسی کو "مرتد" قرار دے کر ارتداد کی سزا کا حق بھی نہیں ہے اور ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو جہاد اور سزائے ارتداد سے جس قدر تکلیف ہے شاید کسی اور حکم اسلامی سے نہیں اِس لیے غامدی صاحب اِن احکامات کو تہہ تیغ کرنے کے درپے ہیں جہاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> جہاد و قتال کا حکم دو صورتوں کے لیے آیا ہے ایک ظلم وعدوان کے خلاف، دوسرے، اتمام حجت کے بعد منکرین حق کے خلاف پہلی صورت شریعت کا ابدی حکم ہے اور اِسی کے تحت جہاد اُسی مصلحت سے کیا جاتا ہے۔ دوسری صورت کا تعلق شریعت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون اتمام حجت سے ہے[395]

اس قانون اور اصول کا نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہؐ اور صحابہ کرام کے بعد کوئی جہاد نہیں ہے مختصر یہ کہ یہ اصل بہت ہی واضح اور صاف الفاظ میں اسلام کے مختلف اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ اصول درحقیقت اسلام کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔

---

[394]۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، ۱۴۴

[395]۔ غامدی، جاوید احمد، **میزان**، قانون جہاد، طبع مئی، ۲۰۱٤، ۵۷۷

فصل سوم: عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحان کے اثرات کا تجزیہ

عقلیت پسند رجحانات کے قرآن کے حوالے سے عقائد کی تفہیم پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کا اگر ہم جائزہ لیں تو سب سے پہلے اس کے اسباب کو ٹٹولنا ہو گا جس کی روداد کچھ یوں ہے کہ قرآن کریم کے علوم کو در حقیقت تین اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱): پہلی قسم ان علوم کی ہے جن پر اللہ تعالی نے اپنے سوا کسی اور کو مطلع نہیں کیا۔ مثال کے طور پر:

1۔ اللہ تعالی کی ذات کی حقیقت۔

2۔ اللہ تعالی کے صفات کی حقیقت۔

3۔ غیبی علوم جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یہ اور ان جیسے دیگر علوم میں نقل کو چھوڑ کر عقل سے غور و خوض کرنا، دریافت اور حقیقت کی جستجو کرنا گمراہی کا سبب ہے۔

(۲): دوسری قسم وہ ہے جن کیساتھ اللہ تعالی نے صرف اپنے نبی علیہ السلام کو خاص کیا ہے اس قسم میں صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کلام کر سکتے ہیں۔ یا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور اس میں بیان و تشریح کی طرف بڑھے گا تو اس کے اثرات بھی گمراہی ہی ہوں گے۔

(۳): تیسری قسم وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا مکلف بنایا ہے۔ اس کی بھی دو اقسام ہیں ایک یہ کہ جس کا کلام صرف سمع و نقل کے طور پر کیا۔ جیسے کہ:

1۔ حشر و نشر۔

۲۔ معاد و آخرت کی خبریں وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور ان جیسے دیگر امور میں اگر کوئی رائے سے کام لے گا تو اس کے اثرات یہ ہونگے کہ آدمی سیدھی راہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔

دوسری قسم وہ ہے جو دلیل اور غور و فکر پر منحصر ہو۔ اس قسم میں متشابہات کے بارے میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے اور آیات احکام، مواعظ، امثال و حکم کے بارے میں اتفاق ہے کہ جس میں اہلیت اجتہاد ہو وہ ان کے بارے میں تفصیل و تشریح کر سکتا ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی چیز مذموم ہو تب بھی اس کے اندر کہیں نہ کہیں منفعت کا پہلو بھی شامل ہوتا ہے اگرچہ اس کی منفعت کی بہ نسبت اس کا گناہ و نقصان کئی گُنا زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾[396]

"ان کا گناہ اس کے فائدے سے زیادہ ہے"

یہی حال ہمارے مذکورہ موضوع کا بھی ہے کہ جہاں اس کے نقصانات ہیں وہاں اس کے فوائد بھی ہیں جہاں اس کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہاں اس کے مثبت اثرات بھی پائے جاتے ہیں یہاں ہم سب سے پہلے عقلی رجحان کے حامل عقائد سے متعلق کی گئی تفاسیر کے مثبت اثرات کا جائزہ لینگے اس کے بعد اس کے منفی اثرات کا مفصل جائزہ لینگے۔

عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحان کے مثبت اثرات:

یہ بات یقینی ہے کہ ان عقلیت پسند رجحانات کے جہاں گہرے منفی اثرات چھوڑے ہیں وہاں کچھ مثبت اثرات بھی چھوڑے ہیں جو تفسیر قرآن کے اصولوں اور نصوص قرآن کے خلاف نہ ہو البتہ سلف وصالحین کے طریقہ تفسیر کے خلاف ہونے اوران کے عقل کا خمیازہ گردانے جاتے ہوں وہ تفردات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تاہم ان کے کچھ مثبت اثرات قرآن فہمی پر پڑے ہیں جن کا ذکر درجہ ذیل مباحث میں کیا جائے گا۔

(الف): علوم ادبیہ کا جب امتزاج تفسیر کے ساتھ کیا گیا تو یہ ان کی عقل پرستی تھی سلف وصالحین کے طریقہ منقول پر نہیں ہوا لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن فہمی پر اس کے مندرجہ ذیل مثبت اثرات پڑیں گے۔

(۱): اس طریقہ سے قرآن کے معانی کا بیان اور اس کی ہدایات کی وضاحت دلکش انداز سے ہوئی۔

(۲): اس طریقہ سے قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت کا اظہار ایک اچھے انداز سے ہوا۔

(۳): لہذا اس سے قرآن مجید کے اسلوب وبیان کے پہلو سے قرآن کریم کی اعجازی شان کی تفصیل وبیان ہوئی۔

---

[396]۔ سورہ البقرہ:۲/۲۱۹

(ب):اسی طرح جب علوم کونیہ کا امتزاج تفسیر میں کیا گیا تو اس طریقے سے بھی قرآن کے بعض پہلو زیادہ کھل کر سامنے آگئے اور اس سے قرآن فہمی پر کچھ مثبت اثرات پڑے جن کی تلخیص ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

(۱): علوم کونیہ اور سائنسی انداز سے قرآن کو سمجھنے والوں کے افکار اور علوم کیساتھ قرآن کریم رواں دواں رہا اور اس سے قرآن کے فہم کے راستے کھلے۔

(۲): قرآن کریم کی بعض آیات میں کائنات کی اشیاء و نظام کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں ان اشارات کی وضاحت سے قرآن کریم کے اعجاز کا ایک نیا انداز سامنے آیا ان لوگوں کے گمان اور شبہات کی تردید علمی انداز سے ہوئی جو یہ سمجھتے ہیں کہ دین اسلام اور سائنس میں منافات کی نسبت ہے اور قرآن کریم عقل و سائنس کے خلاف اپنے دعوے اور احکام ثابت کرتا ہے۔

(۳): غیر مسلم اقوام جو اس دور میں صرف سائنسی علوم اور سائنسی طریقہ کار سے دین اسلام کی طرف مائل ہو سکتے ہیں ان کو قرآن کی دعوت اسی طریقہ سے پہنچ گئی کیونکہ ان ہی سائنسی تجربات پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔

(۴): اس سے کائنات کی تسخیر اور اشرف المخلوقات کی کامیابی میں استعمال کرنے کی ترغیب سامنے آئی ہے۔

(۵): اللہ تعالی کی عظمت و قدرت سے ایمان کو تقویت پیدا ہوئی جب قاری یہ دیکھتا ہے کہ قرآن نے کئی صدیاں پہلے وہی حقائق بیان فرمائے ہیں جن کی طرف سے اس دور میں انسانی رسائی ممکن ہوئی ہے۔ لیکن ان مذکورہ بالا مثبت پہلوں کے اثر کا وقوع اس وقت ہو گا جب اس کے طریقہ کار میں افراط و تفریط سے احتراز کیا گیا ہو اور اعتدال کی راہ اختیار کی گئی ہو۔ ورنہ یہ مثبت اثرات کے بجائے الٹے منفی اثرات کا سبب بنے گی لہذا اعتدال کی راہ اختیار کرنے کیلئے مندرجہ ذیل تین شرائط کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔

(۱): ایک شرط یہ ہے کہ علوم کونیہ اور ادبیہ مفسر کو قرآن مجید کے مقصد اول یعنی ہدایت اور رہنمائی سے پھیر نہ دے اگر وہ ان علوم کے فروعات و خیریات کی تفصیلات میں لگ گیا تو یہ تفسیر نہ ہو گی بلکہ علوم وفنون کی کتب بن جائے گی۔

(۲): تفسیر میں اگر ان علوم کا بیان معاشرے کی ضرورت کے مطابق ہو تو معاشرے کے ان افراد کے لئے ہو جو مادی اور کائناتی علوم پر دسترس رکھتے ہوں ورنہ بصورت دیگر یہ قرآن کی تفسیر میں گمراہی وفتنہ کا سبب بنے گا۔

(۳): ان علوم کا بیان ایسے انداز میں کیا جائے کہ جس سے مسلمانوں میں نشاۃ ثانیہ کا جذبہ محرکہ پیدا ہو اور یہ رجحان پیدا کرے کہ تسخیر کائنات کے ذریعے امت مسلمہ کے وقار و بیداری کا اظہار ہو جائے۔

اس قسم کے تفردات اگر چہ ممدوح نہیں ہیں تاہم اگر کوئی مفسر تفسیر کے دوران ان مباحث کو اعتدال کیساتھ ضمنابیان کردے اور صرف ان آیت کے تحت بیان کرے جس سے علوم کونیہ وغیرہ کی طرف واضح اشارہ پایا جاتا ہو تو یقینامنفعت سے خالی نہیں ہے۔

عقائد کی تفہیم میں عقلی رجحان کے منفی اثرات:

عقلیت پسند رجحانات کے قرآن مجید میں جو تفردات عقائد و نظریات کی بنیاد پر نکل آئے تو اس کے اثرات یہ ہوئے کہ معاشرے کے مختلف مکاتب فکر نے ان عقائد و نظریات کو تقویت دینا اپنی ذمہ داری سمجھ لی تاکہ اس کو قرآن کریم کے فہم میں ان عقائد و نظریات کو اصول کا درجہ دے کر قرآن فہمی کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی اور یہ ایک ایسی رکاوٹ بن گئی جس کو ہٹانا مشکل رہا اور اسی طرح سے باطل عقائد و نظریات ان باطل فرقوں کے نفسیات پر حاوی ہو گئے ہوں۔

چونکہ انہی اثرات کی نتیجے میں مسلمان تفریق کا شکار ہو گئے اور ہر فرقے نے قرآن کی آیات کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنا شروع کیا جس سے معاشرے کے اندر عمومی انتشار اور افراتفری پھیل گئی اس طرح ہر فرقے نے اپنے تصورات تاویلات سے اپنے مخصوص عقائد ثابت کرنا شروع کئے اور مختلف آیتوں میں اسی طرح اس فرقہ واریت کی مسموم فضا میں قرآن مجید آگے نہیں بلکہ پیچھے رہے گا اس طرح تو قرآن کریم کے بجائے ان کے تصورات اہم ہو گئے حالانکہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے چنانچہ اس سے بھی فہم قرآن پر منفی اثرات پڑے اور انتشار و فرقہ پرستی کے گرد میں قرآن کریم کا حقیقی مفہوم گم ہو گیا۔

بطور نمونہ عقائد میں محمد علی لاہوری کے تفسیری افکار جو انہوں نے اپنے دین کی خدمت سمجھتے ہوئے درج کئے ہیں، ان میں چند مقامات پیش خدمت ہیں:

> "حضرت مسیح معجزانہ طور پر نہیں بلکہ مریم اور یوسف کے باہم ملاقات سے
> عام انسانوں کی طرح پیدائش ہوئی"۔[397]

---

[397]۔ لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۱/ ۱۳۱۵-۱۳۱٤

یہ اوراس جیسے دیگر عقائد کا پرچار انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کی دین کی دعوت عام وباقی ان عقلیت پسند حضرات کی یہ تفسیریں دین کی خدمت نہیں بلکہ اپنے مکتبہ فکر اور مذہب کی خدمت ہے ورنہ ایسے شاذونادر اقوال اختیار نہ کرتے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے تخلیق طیر سے استعارۃً ایسے افراد مراد ہیں جو نیچے سے اوپر اللہ کی طرف چل سکیں۔ مردوں کی زندگی سے روحانی مردوں کی احیاء مراد ہے کیونکہ وجود بشری کے ساتھ دوبارہ آنا اس دنیا میں ناممکن ہے اور یہ کتاب اللہ کے موقف کے تضاد ہے۔

درحقیقت ان نظریات اور تفردات کے جو اثرات مرتب ہونگے وہ یقیناً ہی دین اسلام کے برخلاف اور مسلک پرستی، مذہب پرستی اور دین پرستی کی بنیاد ہو گی جو کہ ایک ناسور ہے۔

عقل پرست اور جدت پسند حضرات قرآن اور حدیث کے ارشادات کے بارے میں بعض اوقات یہ کہہ کر تاویلات فاسدہ کرتے ہیں کہ مذکورہ ارشادات کا ظاہری مفہوم عقل کے خلاف ہے جب انہوں نے یہ اصول بنائے تو قرآن اور حدیث اور نصوص کو پیچھے پھینکا اور عقل کو اس پر فوقیت دی۔

اس کے یہ اثرات مرتب ہوئے کہ قرآن کریم کی تفسیر میں عقل کے استعمال کی ایک بدترین تفسیر شروع ہوئی اور قرآن کی صریح اور واضح الفاظ سے جو شرعی حکم ثابت ہو رہا ہو اس سے اس بنا پر انکار کیا جائے کہ اس کی حکمت ہماری عقل میں نہیں آسکی۔ آج کل مغربی افکار کے تسلط سے ان عقل پرست حضرات میں یہ خطرناک وباعام ہو رہی ہے کہ جن شرعی احکام پر سو سال سے پوری امت مکمل طور پر عمل پیرا رہی ہے اور جو نص اور سنت سے ثابت ہے یہ بعض مکتبہ فکر والوں یہ خلاف عقل نظر آرہی ہے اس لیے کہ کتاب اللہ اور حدیث رسول جہاں سے ثابت ہیں اس میں تاویل وتحریف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہے کہ ہمارے زمانے میں یہ احکام شرعیہ (معاذاللہ) یعنی برحکمت نہیں رہے۔

حالات حاضرہ میں ہم اس کے برے اثرات سے اس طرح آشنا ہیں کہ ان عقلیت پسند رجانات اور تجدد پسندانہ نظریات کے حامل لوگ اسلامی سزا، حد زنا، حد قذف و خمر، حد سرقہ، حد قصاص اور قتل مرتد کو نعوذباللہ وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے یہاں یہ سزائیں عقل کے خلاف ہیں، چنانچہ اسی بنا پر عالم اسلام کے تجدد پسندانہ نظریات کے حامل دانشور ان سزاؤں میں ایسے ترامیم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کے آقا ان سے راضی ہو جائیں۔ ایسے ہی بعض دانشور سود، قمار اور شراب وغیرہ کی حرمت کو کسی نہ کسی شکل کو جائز قرار دینے کی فکر میں اور اپنی اسی عمل کی تائید میں یہ کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں ان کے حرمت سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ جو احکامات روایات صحیحہ سے ثابت ہو جائیں تو اس بنا پر ان کی تعمیل سے پہلو تہی نہیں کرنا چاہیے کہ ان کی حکمت ہمارے سمجھ میں نہیں آتی۔ چنانچہ وہ رقمطراز ہیں:

"لایحل ان یتوقف فی امثال احکام الشرعی اذا صحت بھا الروای علی معرف تلک المصالح لعدم استقتلال وعقول کثیر من الناس فی معرفة کثیر من المصالح ولکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوثق عندنا من عقولنا ولذالک لم یزل ھذا العلم مضنونا بہ علی غیرہ اھلہ"[398]

"یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ شریعت کے جو احکام صحیح روایت سے ثابت ہیں ان کی تعمیل میں اس بناپر پس وپیش کیا جائے کہ ان کی مصلحتیں ہمیں معلوم نہیں کیونکہ بہت سے لوگوں کی عقلیں بہت سی مصلحتوں کو سمجھ نہیں سکتی اور کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک ہماری عقلوں سے زیادہ قابل اعتماد ہیں اسی لئے اس علم (یعنی حکمت دین کے علم) کو ہمیشہ نااہل لوگوں سے بچانے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔"

یعنی ہر کس وناکس کو احکام شریعت کے علل واسباب اور حکمتوں و فوائد کو سمجھنا ضروری نہیں ہے بلکہ شریعت نے جو حکم دیا ہے وہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہر حال میں اسے قبول کرنا چاہیئے۔

علم کلام یا علم عقائد پر جو منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں ان میں سب سے پہلا اور اہم وار حدیث کی حیثیت کو گرانا ہے واضح رہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں عقلیت پسندی یا باالفاظ دیگر تحریفات معنوی کا پہلا دروازہ انکار حدیث سے کھل گیا تھا اور پھر اس کی جراءت اسلام کی تاریخ میں سب سے پہلے خوارج نے کی تھی اور بعد میں ملحدین اس میں مبتلا ہوئے جن کو اپنے الحادی نظریات و افکار کو ترقی دینے میں سب سے بڑی رکاوٹ احادیث مبارکہ کی صورت میں پیش آئی۔ تو انہوں نے حدیث کی حجیت سے انکار کیا۔ چونکہ احادیث مبارکہ کے ذریعے قرآن کی تفسیر و تشریح تسلیم کی جائے تو الفاظ قرآن کے من مانی معنی اور ان میں من مانی تاویلات کرنا ممکن نہیں رہتا جبکہ اصول تفسیر کیلئے یہ بات متفق علیہ ہے کہ قرآن کی تفسیر پہلے تو خود قرآنی آیات سے کی جائے اور اگر ایسا ممکن نہ

---

[398]۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، **حجۃ اللہ البالغہ**، ۱/ ۶

ہو سکے تو پھر احادیث مبارکہ سے قرآنی الفاظ کے معنی و مراد لی جائے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ کے ہوتے ہوئے قرآنی آیات میں اپنے نظریات اور عقل کا استعمال کرنا الحاد اور گمراہی کا سبب ہو گا۔[399]

اس بات کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں کہ جو کتاب جس پر کتاب نازل ہوئی وہی اسی کو بہتر سمجھ سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کا یہ فریضہ قرار دیا ہے سورۃ النحل میں ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[400]

"(اے پیغمبر) ہم نے تم پر بھی یہ قرآن اس لیے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی واضح تشریح کر دو جو ان کے لیے اتاری گئی ہیں"

اب ذرا سوچیے کہ اس کے باوجود اپنی رائے اور عقل سے تفسیر کرنا اور جس پر نازل ہوا ہے اسے تفسیر کا حق نہ دینے کے کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں؟

عقائد پر دیگر اثرات کے ساتھ یہ اثر بھی مرتب ہوا ہے کہ لوگوں نے دین کے بجائے مسلک پرستی کی زیادہ متابعت کی، مفسرین جب بھی تفسیر بیان کرتے یا لکھتے تو قرآن اور حدیث اور تفسیر کے مسلمہ اصول کو سامنے رکھ کر تفسیر لکھا کرتے تھے مگر آج کل کی جدت پسند اور عقل کی پرستش کے یہ اثرات مرتب ہوئے کہ پہلے سے قائم کردہ اپنے نظریات اور عقائد کے بنیاد پر قرآن کی تفسیر کرنا اور اس کی آیات کو اپنے نظریات کے تابع کرنا سراسر گمراہی کا ارتکاب کرنا شروع کر دیا، حالانکہ تفسیری اصول تو یہ ہیں کہ تاویلات فاسدہ کے ذریعے قرآنی آیات کو اپنے عقائد و نظریات پر منطبق نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح قدیم زمانے میں معتزلہ، قدریہ، جبریہ، شیعہ مرجیہ اور جہمیہ وغیرہ فرقوں کر چکے ہیں مگر ان عقلیت پسند رجحانات کی تفسیری جدت نے عقائد کی دنیا میں یہ اثرات مرتب کئے کہ اپنے نظریات کی پرچار کے لئے جب لوگوں نے تفاسیر لکھیں تو مذہب اور مسلک پرستی کو ہوا مل گئی۔

مثلاً معتزلہ نے قرآنی آیات کی وہ تاویل کی جو ان کے ہاں رائج الوقت عقائد کے مطابق تھی اگر وہ احادیث اور نظم قرآن کے مخالف تھی اور یہ روایات معتزلی تفاسیر میں بکثرت پائی جاتی ہیں، جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔ لیکن آیت کریمہ میں اس کے بر خلاف ہے:

---

[399] ۔ ثناء اللہ، ڈاکٹر، **برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پرستی**، ۴۵۸

[400] ۔ سورۃ النحل: ۱۶/ ۴۴

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾[401]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں پر اللہ تعالی نے تمام کائنات اور انسانوں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں ان تمام کو اللہ تعالی نے بنایا ہے۔

اس خود ساختہ عقیدہ کے خلاف ہے تو وہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور تمہارے ان بتوں کو بھی جن کو تم تراش کر بناتے ہو بس تمہارا کام اس کو تراشنا اور برابر کرنا ہے۔

ایک غلط اثران عقلیت پسند حضرات نے عقائد کے میدان میں دین اور شریعت اسلام کے بطلان کا ہے انہوں نے عقل کے لبادے میں بہت ساری چیزوں کا انکار کیا جیسا کہ معجزات، حشر و نشر، معاد جسمانی کی نفی، وزن اعمال، ملائکہ اور شیاطین کے وجود کا انکار لازم آتا ہو یا عالم جنت و جہنم کی تردید کرتے ہوئے انعامات جنت کو محض قلبی سکون اور جہنم کے عذاب کو قلبی اذئیت و بے چینی کی معانی پر محمول کیا۔

اس اصول کے اثرات یہ مرتب ہوئے کہ انہوں نے علی الاعلان شریعت کا انکار وابطال کیا کیونکہ کسی بھی تفسیر سے وہ اصول جن سے شریعت کا ابطال وانکار لازم آتا ہو خواہ وہ شریعت کے مسلمہ اصولوں کا رد ہو اور شریعت مطہرہ کے طے شدہ اصولوں اور عقائد کے خلاف ہو تو اس سے در حقیقت اصول شریعت باطل ہوتے ہیں جو کہ منفی اثرات گنے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی بہت سارے منفی اثرات مرتب ہوئے جن کی وجہ سے بہت سارے عقائد کو متزلزل کر دیا ان اثرات کی کچھ مختصر روداد یوں ہے کہ:

1. معجزات کا انکار ہوا جس کو امت تا حال بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اب اس میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہر کس و ناکس اسے شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔
2. دین اسلام کے مسلم عقائد میں دراڑیں پڑھ گئیں، خاص کر غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمان علماء اور دین سے دور ہونے کی وجہ سے ایمان اور کفر کی کشمکش میں ہے۔
3. جرم توہین رسالت کی کوئی خاص حیثیت نہیں رہی یہ بھی دیگر جرائم کی طرح ایک جرم مانا گیا جو کہ قابل معافی ہے۔

---

[401]۔ سورۃ الصافات:۳۷/۹۶

4. جہاد اہل ایمان کے عقائد کا ایک اہم حصہ تھا مگر جہاں پر بھی مسلح جہاد ہو رہا ہے اس سے جہاد کی نفی کر کے قتال اور عام لڑائی میں داخل کیا گیا جس کے یہ اثرات مرتب ہوئے کہ نوجوان طبقہ بے حس ہو کر جہاد کو چھوڑ کر نفس اور شہوت پرستی کے شکار ہو گیا۔[402]
5. قرآن کے علاوہ شریعت کے اصول یعنی حدیث، اجماع اور قیاس کو دین میں کوئی حیثیت نہیں رہی۔
6. ایک مسلم اصول قرآن کریم تھا مگر اس کو بھی اپنے خود ساختہ اصولوں کے تحت مانا گیا جہاں اس کے اصول کے خلاف تھا وہاں قرآن کے نصوص میں بھی پس و پیش کرنے لگے۔
7. ایمان بالغیب کی جو تفسیر مروج تھی اس کی جگہ اب ایک نئے ایمانی تشریح نے لے لی۔
8. مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ختم نبوت کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی ہیں اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا مگر عقلیت پسند رجحانات نے جو تفاسیر کرنی شروع کر دی اس کے اثرات یہ ہوئے کہ ختم نبوت کا عقیدہ کی وہی حیثیت نہیں رہی یہاں تک کہ امت میں دانشوروں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی اور نبی آگر آئے تو کیا ہوتا ہے۔

جیسا کہ شروع میں اس بات کی نشاندہی کی گئی کہ عقائد کا زیادہ تر مدار عقل کے ساتھ ہے اس لئے یہاں عقلیت پسند رجحانات نے بہت حد تک عقلی توجہ کو روا رکھا ہے عقائد اسلام میں ایک اہم مسئلہ مسئلہ تقدیر ہے اسلامی فرقوں میں تاحال اس مسئلے میں نزاع رہا ہے مگر باوجود نزاع کے کسی نے تقدیر کا انکار نہیں کیا سب اس میں توجیہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر ہمارے برصغیر کے عقلیت پرست رجحانات کی وجہ سے اس عقیدے پر یہ اثر اپڑا کہ منکرین تقدیر پیدا ہوئے اور کچھ حضرات نے تو تقدیر کا بالکل صریح انکار کر دیا، تفسیر مطالب الفرقان میں جناب غلام احمد پرویز صاحب تقدیر کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "قرآن نے ایمان کے پانچ اجزاء بیان کئے ہیں، (۱) ایمان باللہ (2) رسولوں پر ایمان (3) یوم آخرت پر ایمان (4) یوم آخرت پر ایمان (5) آخرت پر ایمان۔ لیکن ہمارے ہاں ان میں (اپنی طرف سے) ایک اور جزء کا اضافہ

---

[402] ۔ غامدی، جاوید احمد، **ماہنامہ اشراق**، اگست، ۲۰۰۹، ۴۵

کر لیا گیا ہے یعنی تقدیر پر ایمان یعنی معاذاللہ خدا پر ایمان کی فہرست میں
جو کمی رہ گئی تھی اسے ہم نے پورا کر دیا۔"[403]

یہاں اس مذکورہ عبارت میں تو پرویز صاحب تقدیر کے بالکل انکاری نظر آتے ہیں اور کہتے ہے کہ یہ ایمان میں زیادتی ہے قرآن کریم میں جہاں جہاں اس مسئلے کی وضاحت ہوئی ہے، جناب غلام احمد پرویز صاحب ان کی کئی پر تاویل اور کئی صریح انکار کرتے ہیں، یہاں انہوں نے صرف عقل کو ہی مد نظر رکھا ہے گویا کہ آپ کا نظریہ معتزلہ سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے آپ نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے باقاعدہ ایک کتاب "کتاب التقدیر" کے نام سے لکھی ہے جس میں ایک مقام پر کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

"خدا نے کائنات کو پیدا کر کے ہر چیز کے پیمانے یا قوانین مقرر فرما دیئے ہیں
اب وہ خود بھی ان قوانین کا پابند بن گیا ہے ہر عمل کا ایک لازمی نتیجہ ہے جو
ان قوانین کے تحت ظہور میں آتا ہے اور ان نتائج کو روکنا یا ختم کرنا اللہ کے
قوانین کی خلاف ورزی ہے اس عقیدہ کی رو سے جہاں انسان کو اپنے اعمال کا
مختار کل قرار دیا گیا ہے وہاں خدا کی مغفرت اور انبیاء صالحین کی شفاعت کا
عقیدہ بھی باطل قرار پاتا ہے۔"[404]

غلام احمد پرویز صاحب نے یہاں نہ صرف مسئلہ تقدیر کو خلط ملط کر دیا بلکہ کم عقلی اور کج عقلی کا خمیارہ یہ بھگتنا پڑا کہ اللہ کو مجبور بنا کر پیش کر دیا، شفاعت جو قرآن اور حدیث کا ایک اہم مسئلہ اور عقائد کا ایک اہم باب ہے کا بھی انکار کر دیا اور یہی کرنا ہی تھا کیونکہ جو حل تقدیر کا پرویز صاحب نے پیش کیا(یعنی انسان کو کھلی چھوٹ کہ مختار کل ہے انکار مغفرت اور انبیاء کی شفاعت کا انکار)اور اس کا نتیجہ ضروری ہے کہ ایسا ہی نکلے ،در حقیقت اسی نتیجے کو حاصل کرنے کے لئے ایسی ہی عقلی توجیہ پیش کر دی تاکہ اپنا ہدف حاصل کر سکے۔

اس کی اصل وجہ اور علت یہ ہے کہ قرآن کریم میں تقدیر کا لفظ صریح استعمال نہیں ہوا ہے اس لئے پرویز صاحب اور دیگر عقلیت پسند رجحانات اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، جہاں تک بات ہے احادیث کا تو احادیث کے

---

[403] ۔چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/ ۴۲۵

[404] ۔چوہدری، غلام احمد پرویز، **کتاب التقدیر**، ۷۰

وجود کو وہ شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، حالانکہ ایمان بالغیب کے سلسلہ میں مسئلہ تقدیر کی تشریح اور تفسیر نبی کریم ﷺ نے حدیث جبریل میں ہے جو کہ خبر واحد نہیں خبر متواتر یا کم سے کم مشہور ضرور ہے اس حدیث کے الفاظ کچھ یوں فرمائیں ہیں:

((عن عمر، قال: كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه وسلم: فجاء رجل قال: فجلس إلى النبي صلى الله عليه وسلم ...ثم قال: يا محمد، ما الإسلام؟ قال: «شهادة أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله، وإقام الصلاة، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت» قال: صدقت، فعجبنا منه، يسأله ويصدقه، ثم قال: يا محمد، ما الإيمان؟ قال: «أن تؤمن بالله، وملائكته، ورسله، وكتبه، واليوم الآخر، والقدر خيره وشره))[405]

حضرت عمر خطاب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی (جبریل) آیا۔۔۔اس نے پوچھا ایمان کیا ہے؟ اپ نے فرمایا۔ کہ یقین رکھو باری تعالی پر، ملائکہ پر، رسولوں پر، کتابوں پر، آخرت کے دین پر اور تقدیر پر۔

یہاں ہمارا مقصود ان روایات کو جمع کرنا نہیں ہے جو تقدیر کے مسئلے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ تقدیر کے ثبوت کے پیچھے احادیث مبارکہ کا ایک معتدبہ حصہ ہے اور قرآن میں اگرچہ یہ لفظ صریح استعمال نہیں ہوا ہے بطور اشارہ اس مسئلے کے لئے قرآن میں بھی بہت کچھ موجود ہے جس سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

405۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، ابواب السنہ، بَابٌ فِي الْإِيمَانِ، حدیث نمبر: ۶۳، (بیروت دار الرسالۃ العالمیۃ، الطبعۃ: الأولی، ۱۴۳۰ھ-۲۰۰۹ء)، ۱/۴۴

مگر عقل پرستی کے لُبادے میں جو تفاسیر بیان ہوئی ہیں ان کے یہ اثرات مرتب ہوئے کہ اہل ایمان میں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والوں میں چودہ سو سال بعد کچھ ایسے حضرات پیدا ہوئے جنہوں نے تاویل کئے بغیر بالکل صاف الفاظ میں تقدیر کا انکار کر دیا۔

مسلمانوں کا ایک مسلمہ عقیدہ ہے کہ شیطان اللہ تعالی کی ایک مخصوص مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کر دی گئی ہے یعنی اس کا مادہ تخلیق جدا بیان کیا ہے نیز انسانی تخلیق سے اس کی تخلیق کو مقدم قرار دیا ہے۔ ابلیس کے بارے میں قرآن مجید کی نص صریح ہے کہ وہ جنوں میں سے تھا، ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾[406]

"وہ جنات میں سے تھا، تو وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔"

اس آیت سے یہ پتہ چلا کہ یہاں پر ابلیس کی اولاد بھی ہے اور وہ انسانوں سے ہٹ کے کوئی اور مخلوق ہے اور باری تعالی یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسانوں سے پہلے ان کا وجود لایا ہے قرآن کریم میں فرمان الٰہی ہے۔:

﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَارِ السَّمُومِ﴾[407]

"اور جنات کو اس سے پہلے ہم نے آگ کی لُو سے پیدا کیا تھا"

جبکہ عقل پرستی کے اس عقیدے پر بھی منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ یوں کہ کلام اللہ کے بر خلاف شیطان اور ابلیس کے بارے میں پرویز صاحب مطالب الفرقان میں لکھتے ہیں:

---

[406]۔ سورۃ الکھف:۱۸/۵۰

[407]۔ سورۃ الحجر:۱۵/۲۷

یہاں پر پرویزی صاحب کا مفہوم یہ ہے کہ قران نے جہاں پر ابلیس اور شیطان کا ذکر کیا ہے وہ ایک خاص قسم الگ مخلوق نہیں ہے بلکہ انسان کے اندر کچھ شدید اور سرکش احساسات کا نام ہے۔[408]

غلام احمد پرویز صاحب کہتے ہیں کہ میں قرآن کو مانتا ہوں اور حدیث کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرتا ہوں حالانکہ اس کا یہ عقیدہ قرآن کے مسلمہ آیات کریمہ کے خلاف ہے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ شیطان انسان کی شریر عادات اور غلط جذبات کا نام ہے جبکہ ملائکہ اور فرشہ انسان کی اچھے عادات اور صحیح جذبات کا نام ہے اور اسی عقل پرستی کے اثرات میں سے یہ ہوا کہ جنات بھی چونکہ شیطان ہی کے نسل سے ہے لہذا اس سے مراد بھی کوئی الگ مخلوق نہیں ہے بلکہ انہی انسانوں میں ایک خاص قسم کے آدمی مراد ہیں مولوی محمد علی لاہوری فرماتے ہیں:

"جن" کے معنی خاص قسم کے آدمی کے ہیں، "جنوں" کی نوع کا قرآن اور رسول کریم سے تعلق نہیں ہے"[409]

جبکہ ایک جگہ ان سے بڑے لوگ امیر صاحب اقتدار، مرادلی ہے، اس کی عقلی علت بتائے ہوئے لکھتے ہیں کہ کیونکہ وہ عوام کی نظروں سے عموماً چھپے رہتے ہیں۔[410]

خلاصہ کلام یہ کہ عقائد کے میدان میں عقل پسند رجحان رکھنے والے حضرات کے تفسیری اقوال کے دو قسم کے اثرات مرتب ہوئے ہیں پہلا یہ کہ مثبت اثرات جو کہ بہت ہی کم ہیں اور غیر دانستہ طور پر مرتب ہو رہے ہیں اور یہ خوش کن اثرات ہیں۔

دوسری قسم وہ اثرات ہیں جن کو ہم منفی کہہ سکتے ہیں یہ اثرات ایک طرف بہت زیادہ دوسری طرف دیرپا ثابت ہوئے ہیں ان اثرات میں ایک تو وہی اثرات ہیں جو قرن اول یعنی دور خوارج اور معتزلہ سے ہوتے ہوئے

---

[408]۔چوہدری غلام احمد پرویز، **مطالب الفرقان**، ۴/۴۲۰

[409]۔لاہوری، محمد علی، **بیان القرآن**، ۲/۲۶۱

[410]۔یضا، ۱/۴۸۹

آرہے ہیں دوسری قسم وہ اثرات ہیں جو نت نئے پیدا ہوئے ہیں بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ برصغیر کے عقل پسند رجحان رکھنے والے حضرات نے تفسیری اقوال کی شکل میں پیش کر کے اہل اسلام پر مرتب کئے ہیں۔

خلاصہ

یہ تحقیق قرآن مجید کے فہم میں عقلی رجحان کے مطالعے پر مبنی ہے، جس میں منتخب مفسرین کی تفاسیر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تحقیق کا مقصد فہم قرآن میں عقل کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور ان مفسرین کے تفسیری اصولوں کا تنقیدی تجزیہ پیش کرنا ہے، جو عقلی رجحان کے حامل ہیں۔

پہلے باب میں موضوع تحقیق کا تعارف، اس کی اہمیت، مسئلے کی وضاحت، اور تحقیق کے جواز پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تحقیق کے مقاصد، سوالات، دائرہ کار، اور منہج تحقیق کو بھی واضح کیا گیا ہے تاکہ اس کے بنیادی خدوخال کا تعین کیا جا سکے۔

دوسرے باب میں ان مفسرین کا تعارف پیش کیا گیا ہے، جن کی تفاسیر میں عقلی رجحان کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ ان میں مولانا محمد علی لاہوری، تمنا عمادی، غلام احمد پرویز، اور جاوید احمد غامدی شامل ہیں۔ محمد علی لاہوری نے متقدمین سے مستفید ہوئے اس کے باوجود حقانیت کے پانے میں اپنی ذاتی رائے کو ترجیح دی۔ لاہوری صاحب نے ابن کثیر، ابن جریر کی تفسیر، رازی، بیضاوی، البحر المحیط،، تفسیر کشاف، لغوی تفاسیر میں سے لسان العرب اور راغب اصفہانی جیسی تفاسیر سے اخذ کیا۔

تمنا عمادی کی حیات علمی کا سفر تصوف کی گود سے شروع ہو کر بالآخر فتنہ انکار حدیث پر آکر رک گیا۔ تصوف میں نشوونما پانے کے بعد اس سے انحراف کیا اور ہوش سنبھالنے کے بعد جو چیز دیکھی، سنی، تمنا عمادی انہی چیزوں کے شدید خلاف ہو گئے۔ تصوف، خانقاہ، خانقاہیت کے شدید منکر ہو گئے اور قرآن کریم سے چونکہ محبت تھی اور ہر جمعہ کو اپنے گھر میں درس دیا کرتے تھے۔ غلام احمد پرویز مختلف الحدیث کے فن میں ماہر نہیں تھا اس لئے جب متعارض روایات میں ترجیح اور مختلف روایات میں تطبیق نہ دے سکے تو انکار حدیث کی طرف مائل ہونے لگے۔ غلام احمد پرویز کے افکار و نظریات کا مکمل تعلق مغربی مفکرین و مفسرین اور مستشرقین کے مکتوبات سے اقتباسات اخذ کر لینے کے بعد قران کریم کی آیات کے تحت ذکر کرتے اور اسے اپنے نظریات اور افکار پر فٹ کر دیتے اور اسے اپنی سوچ اور فکر قرار دے دیتے۔

جاوید احمد غامدی کے تفسیری رجحانات عموماً عقلی ہی ہیں۔ وہ ہر چیز کی عقل پسند تشریح کے خوگر ہیں، خواہ وہ صحیح روایت کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ جاوید احمد غامدی نے اپنی تفسیر میں جابجا اپنے اساتذہ اور جمہور امت کے خلاف آراء اختیار فرمائی ہیں۔ تفسیر البیان کے منہج اور اسلوب میں صرف یہ ہی نہیں کہ اپنے اساتذہ اور جمہور امت کے آراء کے خلاف ہے بلکہ بہت سارے مقامات تو ایسے ہیں جہاں نص کو رد کر کے اپنی عقل کی روشنی میں آیت کریمہ کی تشریح اور تفسیر کرتے ہیں۔

اور قرآن کے فہم میں اس کے کردار پر گفتگو کی گئی ہے۔ عقل و نقل کی بحث اور جمہور مفسرین کے اصول و قواعد کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ عقل اسلامی تفہیم میں کس طرح معاون ہو سکتی ہے۔ تفسیر بالرائے سے متعلق علماء دو قسم کی آراء رکھتے ہیں ایک جماعت کی رائے میں یہ ناجائز و حرام ہے اور کہتے ہیں کہ تفسیر بالرائے سے متعلق علماء کے دو قسم کی آراء رکھتے ہیں ایک جماعت کی رائے میں یہ ناجائز اور حرام ہے اور کہتے ہیں کہ تفسیر قران مصادر اصلیہ کے علاوہ نہیں کرنی چاہیے۔ اور دوسرا گروہ کہ تفسیر بالرائے جائز ہے کہ قران کی تفسیر اپنی صحیح رائے کوشش اور محنت سے یا قیاس اور اجتہاد سے کی جائے۔ کیونکہ اس تفسیر کے بارے میں قران پاک میں کئی آیات میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جو کہ بشر انسانی کے لیے اللہ تعالی نے تفسیر بالرائے میں ایک خاص قسم کی خوشخبری سنائی ہے کہ انسان کو اپنی تدبر اور تفکر اور سوچ سمجھ کے ساتھ ان آیات میں اور مشکل الفاظ میں اپنی رائے سے تفسیر کریں۔

تیسرے باب میں قرآن کی عقائد سے متعلق آیات میں عقلی رجحان کے اطلاق کا جائزہ لیا گیا ہے۔ آیات توحید، وحی و ختم نبوت، معجزات، اور آیات آخرت کے حوالے سے عقلیت پسند مفسرین کی آراء کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ توحید میں اُمت کے علماء و مفسرین متفق نظر آتے ہیں سوائے جناب پرویز صاحب کے کہ وہ توحید کی بحث میں تمام اُمت کو چھوڑ کر صرف اپنی عقل کے بل بوتے لفظ "رَب" کی خود ساختہ تشریح فرماتے ہیں کیونکہ وہ روسی نظام اشتراکیت سے بہت حد تک متاثر ہیں اور اس کے لئے انہوں نے "نظام ربوبیت" کے نام سے ایک خاص اصطلاح اور فلسفہ فکر قائم کیا تا کہ اس کا کارل مارکس سے اخذ شدہ معاشی فلسفہ وجود پکڑے، اس کے لئے قرآن کریم میں ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے انہوں نے گریز نہیں کیا اور اسی کو ہی وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔

عقلیت پسند براہِ راست وحی کا انکار نہیں کرتے بلکہ وحی جلی یعنی قرآنی آیات جو انسانی عقل کی پہنچ سے دور ہیں ان کی تاویلات کرتے ہیں اور اپنی من پسند تشریحات کرتے ہیں۔ ان میں مولوی محمد علی لاہوری نے وحی کو غیر انبیاء کے لیے بھی ثابت کیا ہے اور دوسری طرف اپنی جماعت قادیانی کی عقل پرستی کو مقدم رکھتے ہوئے جمہور امت کے مسلمہ اصولوں کو رد کیا ہے۔ اسی طرح مولانا تمنا عمادی نے تواتر کا صریحا انکار کیا ہے حالانکہ تمام سلف و خلف کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو روایات تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہوں تو وہ قرآن کریم کی طرح قطعی الدلالہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح مولانا نے قرآن کے سبعہ احرف کو بھی باطل قرار دیا ہے اور حدیث کی تمام کتابوں میں سبعہ احرف کی تمام روایات کو باطل اور موضوع کا درجہ دیا ہے۔ اسی طرح جناب غلام احمد پرویز قربانی اور نسک کا بھی انکار کرتے ہیں۔ دیگر عقلیت پرستوں کی طرح جناب جاوید احمد غامدی صاحب بھی قرآن اور وحی جلی کی حیثیت کو مجروح کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن سب سے آخری اور کمزور درجے کا ماخذ شریعت ہے۔ اسی طرح جناب غامدی صاحب جب قرآن کی تفسیر کرتے ہیں تو اسے عقل کے تابع بنا کر اس کی عقلی تاویلات کرتے ہیں۔ چوتھے باب میں روایتی اصول تفسیر کے تناظر میں منتخب تفاسیر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عقلی رجحان کے حامل تفسیری اصولوں اور ان کے عقائد پر اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے، تاکہ ان اصولوں کی طاقت اور حدود کا تعین کیا جا سکے۔ عقلیت پسند حضرات نے قرآن کی تفسیر جمہورِ اُمت کے مسلمہ روایتی اصول اور منہج سے ہٹ کر خود ساختہ اصول بنائے اور ان اصول پر اپنی تفاسیر کا مدار رکھا ان میں سب سے پہلا نمبر عقل اور اصول فطرت کا ہے بالفاظ دیگر یہ لوگ عقل کی تعبیر کبھی فطرت سے کرتے ہیں کبھی عقل سے کرتے ہیں اس کے مقابلے میں جو بھی آجائے خواہ قرآن ہو یا حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین وغیرہ ان کو کوئی حیثیت نہیں دیتے۔

نتائج بحث

اس مقالے میں عقلیت پسند رجحانات کی منتخب اردو تفاسیر: 1- مطالب الفرقان از غلام احمد پرویز 2- علامہ تمنا عمادی کی تفسیری رجحانات جمع القرآن اور اعجاز القرآن 3- بیان القرآن از محمد علی لاہوری 4- تفسیر البیان از جاوید احمد غامدی کے آیات عقائد کے فہم میں ان کے تفسیری اصول اور ان کا قرآن فہمی پر اثرات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے محقق نے اس بحث سے درج ذیل نتائج اخذ کیے ہیں۔

1. تحقیقی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ آیات عقائد کی تفہیم میں منتخب مفسرین کے ہاں عقلی تعبیرات میں تفاوت رہا ہے جس سے ایک ہی آیت کریمہ کی متعدد تفسیریں بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ دابتہ الارض سے غلام احمد پرویز انسان اور محمد علی لاہوری طاعون اور وباء مراد لیتے ہیں۔
2. دراسہ سابقہ سے یہ بھی اخذ کیا گیا ہے کہ منتخب اردو مفسرین میں غلام احمد پرویزی کے ہاں دیگر مفسرین کی نسبت عقلی رجحان زیادہ پایا جاتا ہے۔
3. آیات توحید کے فہم سے متعلق غلام احمد پرویز لفظ "اللہ" سے مرکزی نظام اسلامی، اسلامی مملکت، قرآنی معاشرہ یا قرآنی نظام حکومت اور لفظ "رب" سے نظام ربوبیت مراد لیتے ہیں جبکہ دیگر عقلیت پسند مفسرین جمہور سے متفق نظر آتے ہیں۔
4. دوران مطالعہ سے یہ بات بھی نمایاں ہوئی کہ غلام احمد پرویز اپنے تفسیری اصول (تفسیر القرآن بالقرآن) کے باوجود قرآنی آیات اور الفاظ کا مفہوم اپنی رائے سے کرتے ہیں جیسا کہ "نسک" کا اصلی معنی شارع کے ہاں "ذبیحہ" قربانی ہے جبکہ غلام احمد پرویزی اس سے ہٹ کے "پاک اور صاف" لیتے ہیں اور قربانی کو دین اسلام کا حصہ بھی نہیں سمجھتے۔
5. آیات وحی کی تفہیم متعلق تمنا عمادی کے نزدیک صرف وہ احادیث صحیح ہوتی ہیں جو ان کے ہاں قرآن کریم سے صریح مطابقت رکھتی ہیں ورنہ رد کرتے ہیں اور محاذ تفسیر (شان نزول وقف وصل، تقدیم تاخیر نزول اور اسرائیلیات) کو قرآن کریم کے خلاف سمجھتے ہیں۔
6. ختم نبوت متعلق آیت "خاتم النبیین" آپ کے بعد کوئی نبی نہیں محمد علی لاہوری کے مطابق باب نبوت مسدود ماننے کے باوجود ایک قسم کی نبوت کا دروازہ امت کے لیے تا قیامت کھلا ہے اور وہ

نبوت وہی ہے جو انسان کامل کے اقتدا سے ملتی ہے یا فنا فی الرسول سے ملتی ہے اور وہ ظلی نبوت ہے۔

7. تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جمہور مفسرین قرآن کریم کی تفہیم کے لیے سبعتہ احرف اور حدیث متواتر مصدر مانتے ہیں جبکہ تمنا عمادی ان راویان حدیث اور سبعتہ احرف پر اعتراض کر کے رد کرتے ہیں اور انہیں باطل وموضوع قرار دیتے ہیں۔

8. جمہور مفسرین کے ہاں تفسیر القرآن بالقرآن پہلا اور بنیادی ماخذ ہے جبکہ جاوید غامدی اس کو چوتھا اور اخری ماخذ سمجھتے ہیں۔

9. تحقیق سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ سنت جو کہ دوسرا بنیادی مصدر ہے جاوید احمد غامدی اسے صرف مراد سنت ابراہیمی لیتے ہیں اور اس کی تشریعی حیثیت کو نہیں مانتے۔

10. تحقیق سے یہ بھی نمایاں ہوا کہ غلام احمد پرویزی وحی خفی کو غیر یقینی اور ظنی ہونے کے بنا پر صریح اور صاف انکار کرتے ہیں کہ یہ دین میں کسی حکم کے ثبوت کے طور پر پیش کرنے کی کوئی تشریعی حیثیت نہیں رکھتی۔

11. اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عیسی کا بن باپ کے پیدائش قرآنی نصوص سے " لم يمسسني بشر " واضح آیت کے باوجود محمد علی لاہوری اسے معجزہ نہیں مانتے اور انہیں یوسف نامی شخص کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

12. اس تحقیق سے یہ بات بھی نمایاں ہوئی کہ آیات معجزات سے متعلق عقلی رجحان مفسرین اثری رجحان سے ایک منفرد تعبیرات رکھتے ہیں جیسا کہ حضرت موسی کے عصا سے پانی کا بہہ جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کے سفر پر جانا یہ تمام قرآن کریم اور احادیث سے واضح ثبوت ملتے ہیں جبکہ یہ حضرات تاویل کر کے معجزہ کا حسی اور جسمانی انکار کر کے روحی، منامی اور تصوراتی معنی لیتے ہیں۔

13. دراسہ سابقہ سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ علامات قیامت میں سے "دابہ الارض "کا معنی اثری رجحان مفسرین نے "بڑا جانور " مراد لیا ہے جبکہ محمد علی لاہوری اس سے مراد طاعون اور وباء جو انسان کی ہلاکت کا موجب ہو لیتے ہیں۔

14. اس تحقیق سے یہ بھی اخذ کیا گیا کہ عقلی رجحان مفسرین میں سے غلام احمد پرویزی اور محمد علی لاہوری مغیبات یعنی جنت ، جہنم، شیطان اور ملائکہ کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں اوران کو تصوری چیزیں تسلیم کر کے ان سے مراد روٹی کپڑا مکان لیتے ہیں۔

15. اس تحقیقی کام میں ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ عقلیت پسند رجحانات نے جہاں گہرے منفی اثرات چھوڑے ہیں وہاں کچھ مثبت اثرات بھی چھوڑے ہیں۔

16. ان مثبت اثرات میں سے یہ کہ قرآن کے معانی کا بیان اور فصاحت وبلاغت اور اس کی ہدایات کی وضاحت دلکش انداز سے ہوئی۔

17. اسی طرح جب علوم کونیہ کا امتزاج تفسیر میں کیا گیا تو اس طریقے سے بھی قرآن کے بعض پہلو زیادہ کھل کر سامنے آگئے اور اس سے قرآن فہمی پر کچھ مثبت اثرات پڑے جن کی تلخیص ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

- علوم کونیہ اور سائنسی انداز سے قرآن کو سمجھنے والوں کے افکار اور علوم کیساتھ قرآن کریم رواں دواں رہا اور اس سے قرآن کے فہم کے راستے کھلے۔
- قرآن کریم کی بعض آیات میں کائنات کی اشیاء ونظام ربوبیت کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں ان اشارات کی وضاحت سے قرآن کریم کے اعجاز کا ایک نیا انداز سامنے آگیا۔
- غیر مسلم اقوام جو اس دور میں صرف سائنسی علوم اور سائنسی طریقہ کار سے دین اسلام کی طرف مائل ہوسکتے ہیں ان کو قرآن کی دعوت اسی طریقہ سے پہنچ گئی۔

تجاویز و سفارشات

محقق کے ذہن میں تسوید مقالہ کے وقت جو تجاویز سامنے آئیں وہ حسب ذیل ہیں:

1. اس تحقیق میں مجموعی طور پر تو عقلیت پسند رجحانات کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ شریعت کے ہر ایک شعبے یعنی عبادات، معاملات اور عائلی قوانین وغیرہ پر مقالے پیش کئے جائیں۔
2. یہاں ایک بات بوقت تسوید مقالہ یہ پیش آئی کہ ان عقلیت پسند رجحانات نے بہت سارے مقامات پر اسلاف اور شریعت مطہرہ سے متعلقہ عبارات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے لہذا ان کی اس تلبیس کا کھوج لگانا بھی ضروری ہے۔
3. دوسری یہ بات سامنے آئی کہ کچھ باتیں تو کہیں نہ کہیں عقل سے کوئی نہ کوئی واسطہ رکھتی ہیں مگر بہت ساری باتیں ایسی بھی ہیں جو عقل کے برخلاف ہیں ان کو بھی انہوں نے اپنے اصول کے خلاف ہوتے ہوئے بھی لیا ہے، ان جیسے مسائل کی نشاندہی بھی ضروری ہے۔
4. مذکورہ تحقیقی کام تو عقلیت پسند رجحانات کی عقلیت پرستی پر ہوا ہے اس کے علاوہ بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ جنہوں نے تفسیری حوالے سے جو خدشات پیش کئے ہیں ان کو بھی ایک ایک کر کے ہر لحاظ سے ان کو امت کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ امت کو ان کی غلط فہمیاں سامنے ہوں اور راہ راست سے بھٹکنے نہ پائے۔

فہارس:

آیات قرآنیہ

احادیث مبارکہ

اعلام

اماکن

مصادر و مراجع

فہرست آیات قرآنیہ

نمبر شمار	آیات	سورہ	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لارَيْبَ فِيهِ﴾	البقرہ	2	۲۹
2.	﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾	البقرہ	22	۸۶
3.	﴿يُضِلُّ بِه كَثِيْرًاۙوَّ يَهْدِىْ بِه كَثِيْرًا﴾	البقرہ	26	۸۲
4.	﴿كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ﴾	البقرہ	28	۵۶
5.	﴿ثم بعثنكم من بعدموتكم لعلكم تشكرون﴾	البقرہ	56	۱۸۲
6.	﴿وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِه----﴾	البقرہ	60	۷۹
7.	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى--﴾	البقرہ	62	۸۰
8.	﴿واذ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ-﴾	البقرہ	63	۱۸۰
9.	﴿لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ﴾	البقرہ	162	۵۲
10.	﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ﴾	البقرہ	173	۴۹
11.	﴿ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا -----﴾	البقرہ	219	۲۳۶
12.	﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ ---﴾	آل عمران	7	۱
13.	﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيها زَكَرِيا الْمِحْرَابَ--- ﴾	آل عمران	37	۱۵۸
14.	﴿ذٰلِكَ مِن أَنباءِ الغَيبِ---﴾	آل عمران	44	۱۳۹

۵۳	193	آل عمران	﴿لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ---﴾	15.
۷۸	1	النساء	﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم﴾	16.
۲۱۳	۳	النساء	﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ--- ﴾	17.
۱۸۷	47	النساء	﴿اَوْ نَلْعَنهمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ---﴾	18.
۱۳۷	59	النساء	﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَطِيعُوا الله وَاَطِيعُوا---﴾	19.
۲۱۴	60	النساء	﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ--- ﴾	20.
۱۳۳	64	النساء	﴿ما أَرسَلنا مِن رَسولٍ إِلّا لِيطاعَ بِإِذنِ اللَّهِ---﴾	21.
۲۴	80	النساء	﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾	22.
۱۷۴	158	النساء	﴿بَلْ رَّفَعه الله اِلَيه وَكَانَ الله عَزِيزًا حَكِيمًا﴾	23.
۱۶۳	159	النساء	﴿وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ ﴾	24.
۱۴۴	3	المائده	﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ﴾	25.
۸۲	38	المائده	﴿ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾	26.
۵۴	58	المائده	﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ﴾	27.
۱۹۱	31	الانعام	﴿ حَتّٰٓي اِذَاجَآءَتهم السَّاعة بَغْتَة ﴾	28.
۱۴۰	125	الانعام	﴿اللَّهُ يعلَمُ حَيثُ يَجعَلُ رِسالَتَهُ﴾	29.
۱۱۳	162	الانعام	﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِى وَنُسُكِى وَمَحْيَاى وَمَمَاتِى ﴾	30.
۱۸۸	28	الاعراف	﴿كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ﴾	31.

۱۳۰	157	الاعراف	﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾	32.
۵۳	22	الانفال	﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللہ الصُّمُّ الْبُكْمُ ﴾	33.
۱۵۴	17	الانفال	﴿وَمَارَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللہ رَمٰى﴾	34.
۱۵۵	2	توبہ	﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللہ﴾	35.
۹۰	111	توبہ	﴿اِنَّ اللہ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسهم﴾	36.
۱۰۶	128	توبہ	﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيْزٌ ﴾	37.
۱۵۴	33	ہود	﴿اِنَّمَايَاْتِيْكُمْ بِهِ اللہ اِنْ شَاءَ﴾	38.
۵۴	100	یونس	﴿وَمَاكَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّابِاِذْنِ اللہ ﴾	39.
۹۱	6	ھود	﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللہِ رِزْقُهَا﴾	40.
۱۵۵	11	ابراہیم	﴿وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللہ﴾	41.
۲	2	یوسف	﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاه قُرْآنًا عَرَبِيا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُون﴾	42.
۵۳	19	رعد	﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾	43.
۷۸	28	الحجر	﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا ﴾	44.
۵۲	11	النحل	﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾	45.
۷۲	44	النحل	﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ---﴾	46.
۲۱۵	64	النحل	﴿وما أَنْزَلْنا عَلَيْكَ الْكِتاب إِلَّا لِتُبَيِّنَ ﴾	47.
۱۱۰	68	النحل	﴿وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ﴾	48.

.49	﴿وَلَاتَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِه عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ---﴾	الاسراء	36	۵۹
.50	﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا﴾	الاسراء	47	۱۲۳
.51	﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ---﴾	الاسراء	101	۱۷۹
.52	﴿وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَئِذَامَامِتُّ لَسَوْفَ ---﴾	مریم	66	۱۸۸
.53	﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ--- ﴾	الاسراء	89	۱
.54	﴿حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا ---﴾	الکہف	86	۷۸
.55	﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾	طٰہٰ	14	٦۸
.56	﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰي﴾	طٰہٰ	38	۱۱۰
.57	﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى﴾	طٰہٰ	69	۱۲۳
.58	﴿والله خلق كل دابة من ماء﴾	النور	45	۱۹۸
.59	﴿وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عليهم اَخْرَجْنَا--- ﴾	النمل	82	۱۹۸
.60	﴿وَاَوْحَينَآ اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى﴾	القصص	7	۱٦۵
.61	﴿وَاٰية لَّهم اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيتَهم﴾	یسین	42	۱۸٦
.62	﴿لَقَد كَانَ لَكُم فى رَسولِ الله أُسوَةٌ ---﴾	الاحزاب	21	۱۳۴
.63	﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ---﴾	الاحزاب	33	۱۴۱
.64	﴿إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ---﴾	الاحزاب	72	۵۷
.65	﴿كِتٰبٌ اَنْزَلناه اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا---﴾	ص	29	۷۳-٦۳

66.	﴿رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يلْقِى الرُّوْحَ---﴾	الغافر	15	۱۰۲
67.	﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرض اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ--- ﴾	الغافر	57	۱۹۵
68.	﴿لَايَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ---﴾	فصلت	53	۲۹-۲۴
69.	﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ ﴾	فصلت	۵۳	۵۵
70.	﴿وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَاتَمْتَرُنَّ بِهَاوَاتَّبِعُونِ ﴾	الزخرف	61	169
71.	﴿إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا--- ﴾	الدخان	35	189
72.	﴿وَقَالُوامَاهِيَ إِلَّاحَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ--- ﴾	الجاثيه	24	189
73.	﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾	محمد	24	2
74.	﴿فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ﴾	الحجرات	7	136
75.	﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴾	النجم	3-4	127
76.	﴿وهوَبِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى﴾	النجم	7	183
77.	﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾	النجم	8	184
78.	﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَہٰى﴾	النجم	14	184
79.	﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾	العنكبوت	45	68
80.	﴿يٰۤاَيها الَّذِينَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَاللهِ--- ﴾	الصف	14	165
81.	﴿مَنْ أَنبَأَكَ هَذَا﴾	التحريم	2	140
82.	﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِىٓ اَحْصَنَتْ---﴾	التحريم	12	173

83.	﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ---﴾	القمر	17	60
84.	﴿ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ثُمَّ يُقَالُ---﴾	المطففين	16	192
85.	﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا﴾	الشمس	7-8	14
86.	﴿ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا---﴾	النازعات	28-32	196

فہرست احادیث مبارکہ

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1.	أَتَدْرِي مَاحَقُّ الله على عباده؟	صحیح بخاری	87
2.	اجتهد برائى فقال رسول الله الحمد لله الذى	سنن ابی داود	74
3.	اذْهنبوابه فَارْجُمُوه	صحیح بخاری	116
4.	اكتب فو الذي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا حَقٌّ	مسند احمد	128
5.	أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ	صحیح بخاری	87
6.	إِنَّمَامَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِقَبْلِي كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا	جامع ترمذی	146
7.	إِنِّي زَنَيتُ فَأَعْرض الله عنه,فَتَنَحَّى تِلْقَاءَ	صحیح بخاری	214
8.	أَيُّ الذنب أعظم عند الله؟ قَالَ:أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ	صحیح بخاری	87
9.	الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ,	صحیح مسلم	116
10.	جَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَاوَيَتَعَجَّبُونَ	جامع ترمذی	146
11.	خُذُوا عَنِّي, خُذُوا عَنِّي, فَقَدْ جَعَلَ الله لهن سَبِيلًا,	صحیح مسلم	214
12.	دَعَاه رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم فَقَالَ أَبِكَ	صحیح بخاری	215
13.	رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَا فِقْهَ لَهُ،وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى	دارمی	57
14.	شهادة أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله،	سنن ابن ماجہ	241

15.	فبينما هم يعدّوس للقتال يسوّون الصّفوف	صحیح مسلم	175
16.	كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ	صحیح مسلم	147
17.	كل أمتى يدخلون الجنة إلا من أبى قالوا يارسول الله !	صحیح بخاری	132
18.	كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ، وَإِمَامُكُمْ مِنْكُم	صحیح بخاری	174
19.	لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِهِ:	صحیفہ ھمام بن منبہ	129
20.	لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ	صحیح بخاری	174
21.	لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ – يَعْنِي عِيسَى – وَإِنَّهُ نَازِلٌ	سنن ابی داود	175
22.	من قال فى القرآن برأية فأصاب فقد أخطأ	سنن ابی داود	3
23.	من قال فى القرآن بغير علم فليتبوأ مقعده	جامع ترمذی	73
24.	نَضَّرَاللَّهُ عَبْدًا،سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاهَا،ثُمَّ أَدَّاهَاإِلَى مَنْ	سنن دارمی	57
25.	والذي نفسُ مُحمَّد بيدِه، لا يسمعُ بي أحدٌ	صحیح مسلم	80
26.	وَمَا تهافتهم قَالَ: يقْرَأ أحدهم فَلَايجدحلاوة وَلَا لَذَّة	در منثور	58
27.	يَأْتِي على النَّاس زمَان يخلق الْقُرْآن فِي قُلُوبهم	در منثور	58
28.	ينزل عيسىٰ ابن مريم فيقتل الخنزيرويمحواالصليب	صحیح مسلم	174

فہرست اعلام

1. ابوالحسن علی ندوی 66

2. ابوالکلام آزاد 98

3. ابوہریرہ 33

4. احمدالدین امرتسری 280

5. امام غزالی 17

6. اسلم جیراج پوری 21

7. امین احسن اصلاحی 70

8. تقی عثمانی 96

9. تمناعمادی 22

10. ابن تیمیہ 20

11. ثناءاللہ امرتسری 21

12. ابنِ سینا 32

13. جاویداحمد غامدی 22

14. حکم بن عبداللہ الازرق 31

15. حکیم نورالدین 65

16. جلال الدین سیوطی 35

17. حمید الدین فراہی 70

18. حنیف ندوی 97

19. چراغ علی 21

20. سر سید احمد خان 21

21. سید قطب 96

22. شاہ ولی اللہ 19

23. عاصم نعیم 280

24. عبد الحق حقانی 21

25. عبد اللہ چکڑالوی 21

26. علامہ محمد اقبال 37

27. غلام احمد پرویز 21

28. محمد دین قاسمی 278

29. محمد علی لاہوری 22

30. مرزا بشیر الدین محمود احمد 64

31. نواب صدیق حسن خان 21

فہرست اماکن

نمبر شمار	جگہ کا نام	مختصر تعارف	صفحہ نمبر
1.	بہشتی مقبرہ	احمدیہ قادیانیوں کا قبرستان	۷۳
2.	ربوہ	چناب نگر کا پورانانام احمدی قادیانیوں کا صدر مقام	۶۵
3.	ساہیوال	صوبہ پنجاب کا ایک ضلع	۶۷
4.	قادیان	بھارت کا ایک شہر جو ضلع گرداسپورمین واقع ہے، مرزاغلام احمد قادیانی کا جائے پیدائش	۶۵
5.	کپور تھلہ	بھارت کی ریاست پنجاب کا ایک شہر	۶۳
6.	کولالمپور	ملائیشیا کا دارالحکومت	۶۷
7.	لدھیانہ	بھارت کا پاکستان کے قریب واقع ضلع	۶۲
8.	گورداسپور	بھارت کے شمال مغرب میں ریاست پنجاب میں واقع ایک ضلع	۳۶۷
9.	ملائشیا	جنوب مشرقی ایشیاء میں ایک مسلم ملک	۶۹

مصادر و مراجع

عربی مصادر:

- الاصفهانی، أبو نعیم أحمد بن عبد اللہ،المسند المستخرج على صحيح الإمام مسلم،دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة: الأولى، 1417ھ-1996۔
- اصفہانی، امام راغب، "مفردات الفاظ القرآن"،(تحقیق: صفوان عدنان داؤدی) دمشق: دار القلم
- آلوسی، محمود بن عبد اللہ، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني،(دار الکتب العلمیة، بیروت،)
- ابن ابی حاتم،تفسير القرآن العظيم،(المملكة العربية السعودية، مكتبة نزار مصطفى الباز ،الطبعة: الثالثة۔
- بخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحيح، درالطوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ء
- تھانوی، اشرف علی، الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ، مکتبہ رحمانیہ۔
- ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم،درءتعارض العقل و النقل،(قاہرہ، دار الکتب س ن)۔
- ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم،بغية المرتاد في الرد على المتفلسفة والقرامطة والباطنية،(المدینۃ المنورہ، مکتبہ العلوم، ۱۹۹۵)
- ابن حجر، احمد بن علی،فتح الباري شرح صحيح البخاري،دار المعرفۃ، بیروت، 1379۔
- ابن خلدون، عبد الرحمان ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون،(نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی)۔
- ابو داود، سلیمان بن الاشعث السجستانی. ۱۴۰۵ھ. السنن. لاہور: مطبع مجتبائی۔
- ابو شکور، "التمہید فی بیان التوحید، لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، دسمبر 2017ء۔
- أبو السعود، محمد بن محمد،إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم،(بیروت، دار إحياء التراث العربي، س ن)۔
- ابن منظور، محمد بن المکرم، الافریقی،لسان العرب،(بیروت، دار الصاد، طبع سوئم، 1414ھ)۔

- ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم۔
- الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ. ۱۹۸۵ء. السنن. لاہور: مطبع مجتبائی۔
- تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر، "شرح العقائدالنسفیہ"، بیروت: داراحیاء التراث العربی۔
- حمید نسیم، عالمی فلسفہ و مذہب کے تناظر میں، (فضلی سنز، کراچی، س ن)
- الحوالی، سفر بن عبد الرحمن، مناہج الاشاعرہ فی العقیدہ، دار المنابر، الفکر۔
- خفاجی، شہاب الدین، احمد بن محمد، حَاشِيةُ الشِّهَابِ عَلَى تفْسيرِ البَيضَاوِى، (دار النشر: دار صادر - بیروت ، س ن)۔
- دارمی، المسند، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن، (دار المغني، المملكة العربية السعودية، 2000 م)
- دکتور، أحمد مختار، معجم اللغة العربية المعاصرة، بیروت، عالم الكتب، 1429ھ-2008م۔
- الذھبی، الدکتور محمد السید حسین، التفسیروالمفسرون، (قاہرہ، مکتبہ وھبۃ، س ن)۔
- رام، مالک، تذکرہ معاصرین، (مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۷۸ء)
- الزبیدی، محمّد بن محمّد، تاج العروس من جواهر القاموس، (دار الھدایۃ، بیروت، س ن)۔
- الزُّرْقاني، محمد عبدالعظیم، مناهل العرفان في علوم القرآن۔
- السیوطی، عبد الرحمن بن أبي بكر، ، الدر المنثور (دار الفکر، بیروت، س ن)۔
- شہرستانی، محمد بن عبد الکریم، الملل والنحل، بیروتر، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۵۔
- الشيباني، احمد بن محمد بن حنبل، المسند، دار الحديث، القاهرة، الطبعة: الأولى، 1416ھ-- 1995
- الصابونی، محمد علی، التبیان فی علوم القرآن، 215
- الطیّار، مساعد بن سلیمان بن ناصر، شرح مقدمہ فی اصول التفسیر لابن تیمیہ۔، (بیروت: مکتبۃ العصریۃ ، س ن)۔
- علي بن نايف الشحود، المفصل في الرد على شبهات اعداء الاسلام۔
- الغزالی، أبو حامد محمد بن محمد، الاقتصاد في الاعتقاد، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة: الأولى- 2004 م۔
- غزالی، ابو حامد محمد، احیاء العلوم، (الھدیۃ المصریہ، مصر، ۱۳۲۲ھ۔)

- فراہیدی، خلیل بن احمد، كتاب العين،(بیروت۔ دار الکتب العلمیۃ،1424-2003)
- القاضي عياض بن موسى، الشفا بتعريف حقوق المصطفى، دار الفکر، بیروت،1409ھ--1988 م۔
- قرطبی، محمد بن أحمد، الجامع لأحكام القرآن ،تفسير القرطبی،(دار الکتب المصریۃ–القاھرۃ،1384ھ)۔
- القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحيح، بیروت، دار إحیاء التراث العربی۔
- محمد قطب، جاهلية القرن العشرين(، قاہرہ، مطیع شرق، س ن)۔
- معلوف، لوئیس، "المنجدفی اللغة"، بیروت: المطبعۃ الکاثولیکیۃ، س ن۔
- الاندلسی، أبوحیان محمد بن یوسف، البحر المحيط في التفسير،(دار الفکر، بیروت،1420ھ)۔
- الاندلسی، علی بن احمد بن حزم، المحلّی، لاہور، دار الدعوۃ السلفیہ، ۲۰۱۴۔

اردو مصادر:

- ابو الکلام آزاد، ایمان اور عقل،(لاہور، مکتبہ قرآنیات، ۱۹۹٦ء)۔
- ابو الکلام آزاد، ترجمان القرآن، اسلامک اکیڈمی، لاہور۔
- ابن ابی دنیا، علامہ حافظ ابو بکر، عقل اور اس کا مقام(مترجم ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار)(کراچی، مطبوعہ دار التصنیف جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، ۱۹۹٦ء)
- بلخی، افتخار احمد، فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر،(مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن)
- پانی پتی قاضی ثناء اللہ، مظہری(کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، س ن)۔
- تھانوی، اشرف علی، مولانا، بیان القرآن،(دار الاشاعت، کراچی، س ن)۔
- ثناء اللہ، ڈاکٹر، برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پرستی،(العلم پبلی کیشنز، س ن)۔
- جامعہ پنجاب، اردو دائرہ المعارف اسلامیہ،(دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷٦ء، طبع اول)
- جریدہ الواقعہ، کراچی شمارہ اول۔ اپریل 2012۔
- چوہدری غلام احمد پرویز، نظام ربوبیت،(لاہور، طلوع اسلام، طبع چہارم، 1995ء)۔

- چوہدری، غلام احمد پرویز، سلیم کے نام خطوط،(لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، طبع ششم، اگست 1993ء)
- چوہدری، غلام احمد پرویز،طلوع اسلام،مارچ اپریل،۱۹۸۹
- چوہدری، غلام احمد پرویز،شاہ کاررسالت،(لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، طبع ہفتم،1999ء)
- چوہدری، غلام احمد پرویز،مطالب الفرقان،(لاہور، ادارہ طلوع اسلام،2003)۔
- چوہدری، غلام، محمد پرویز،معارف القرآن،(دہلی، ادارہ طلوع اسلام)۔
- سیالکوٹی، مولانا محمد صادق،ضرب حدیث،(نعمانی کتب خانہ، لاہور، س ن،)
- شہری، محمد رے، عقل وجہل قرآن وحدیث کی روشنی میں،،(لاہور، المنار بک سینٹر،)
- عاصم نعیم،ڈاکٹر،پاکستان کااردوتفسیری ادب،(پنجاب، ادارہ علوم اسلامیہ، طبع اول،2019)
- عثمانی، مفتی، محمد تقی عثمانی،اسلام اورجدت پسندی،(کراچی، ادارۃ المعارف،2006)۔
- علامہ تمناعمادی،آیات مقطعات،(الرحمن پبلشنگ، کراچی،۱۹۹۳ء)
- علامہ تمناعمادی،اعجاز القران واختلافات القرآن،(الرحمن پبلشنگ، کراچی، س ن)۔
- علی محمد،انوار البیان فی حل لغات القرآن،(مکتبہ سید احمد شہید لاہور)۔
- عمادی، علامہ تمنا، عمادی، علامہ تمنا،جمع قرآن،(الرحمن پبلشنگ، کراچی، اکتوبر1994ء)
- غامدی، جاوید احمد، ماہنامہ اشراق،روایتوں کی حقیقت، شمارہ 1۔2 جنوری فروری،1998ء۔
- غامدی، جاوید احمد،میزان،(دارالاشراق،لاہور،2002)۔
- غلام احمد پرویز،معراج انسانیت،(لاہور، ادارہ طلوع اسلام، طبع ہفتم،2002ء)۔
- قاسمی، محمد دین،تفسیرمطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ،(لاہور، ادارۃ المعارف اسلامی، طبع اول، جنوری2009ء)
- قاسمی، محمد دین، حافظ، غلام احمد پرویز کے نظام ربوبیت پر ایک نظر،(لاہور، بیت الحکمت،2007ء)۔

- قاضی، محمد حبیب الرحمان، برصغیر (پاک وہند) میں قرآن فہمی اور تفسیری خدمات کا علمی اور تنقیدی جائزہ،(پشاور، شعبہ علوم اسلامیہ پشاور یونیورسٹی، 2005ء)
- کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، "سیرت مصطفی ﷺ"، کراچی: کتب خانہ مظہری، سن ندارد۔
- کاندھلوی، محمد مالک، منازل العرفان فی علوم القرآن، ناشران قرآن، لاہور۔
- گنگوہی، محمد حنیف، عقلیات ابن تیمیہ، (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲۰۰۱ء)۔
- گوہر رحمٰن، مولانا، اسلامی سیاست، (لاہور، المنار بک سینٹر، مارچ، ۱۹۸۲)
- گیلانی، عبدالرحمن، آیئنہ پرویزیت، (لاہور، مکتبہ السلام، طبع سوئم، ۲۰۰۱ء)
- لاہوری، محمد علی, ریویوآف ریلیجنز، مارچ1912، لاہور۔
- لاہوری، محمد علی، النبوۃ فی الاسلام، لاہور، احمدیہ، انجم اشاعت اسلام، 149، 1974
- محسن، عبید الرحمان، ڈاکٹر، برصغیر میں اصول تفسیر کے مناہج واثرات، (لاہور، کتاب سرائے، 2016ء)۔
- محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، جریدہ الواقعہ، شمارہ نمبر 1، ۳۴
- محمد عمران، ڈاکٹر، قادیانی تفاسیرکاتحقیقی وتنقیدی جائزہ، (عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، پاکستان، س ن)

Websites :

https://shamilaurdu.com/

https://kitabosunnat.com/home

https://islamhouse.com/ur/source

https://4bivi.wordpress.com

https://elmedeen-maktabajibreel.andro

https://darulqurra.edu.pk